چلمن
محی الدین نواب

جذبات ہر ایک کے ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے سینے میں دھڑکتا ہوا دل رکھتا ہے۔
ایک حسین لڑکی کا عجیب قصہ۔ جو اس کے قرب کی خواہش کرتا، وہ موت کا شکار ہو جاتا۔
ایک ایسے شخص کا فسانہ جو بظاہر کیچوا نظر آتا تھا لیکن اپنی فطرت میں سانپ تھا۔

دیوار تو دیوار ہی ہوتی ہے۔ کچھ کھردری ہوتی ہے کچھ ہموار ہوتی ہے اور کچھ اتنی چکنی ہوتی ہے کہ اس پر ہاتھ رکھو تو ہاتھ پھسل جائے۔ میرا ہاتھ بھی اس پر سے پھسل جایا کرتا تھا۔ وہ بڑی اچھی تھی مگر صبح سے شام تک ننگی رہتی تھی۔ مجھے اس دیوار سے بہت محبت تھی۔

کبھی ایسا ہوتا کہ محلے کی کوئی عورت دھلے ہوئے کپڑوں کو سکھانے کے لئے اس پر پھیلا دیتی تھی۔ گویا اس ننگی دیوار کو کپڑے پہنا دیتی تھی۔ اس کی شرم رکھ لیتی تھی۔ چادر اور چار دیواری کی شرم لازمی ہے۔ چار دیواری میں سے ایک دیوار وہ تھی۔ صرف کپڑے پہن لینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حیا کا تقاضا ہے کہ پردہ کیا جائے۔ سر پر چادر رکھی جائے یا برقعہ پہن کر نقاب ڈالی جائے یا گھر میں ہو تو چلمن کے پیچھے رہا جائے۔ مغرب کی اذان ہوتے ہی اس دیوار پر چلمن کا سایہ پڑ جاتا تھا۔ گویا کہ حیا کا یہ تقاضا بھی پورا ہو جاتا تھا۔

وہ گھر دیوار کے بالکل سامنے تھا۔ اس گھر کی کھڑکی پر جو چلمن پڑی ہوئی تھی۔ مغرب کی اذان کے وقت جب بلب روشن ہوتے تو ان کی روشنی سے چلمن کا عکس پوری طرح اس دیوار پر پڑتا تھا۔ گویا کہ اس دیوار کو چلمن کا تحفظ بھی حاصل ہو جاتا تھا۔

میں مغرب کے بعد ہی اس دیوار کے پاس آکر کھڑا ہو جاتا تھا۔ کیونکہ دن کے وقت چلمن کے آرپار نظر نہیں آتا۔ باہر کی روشنی اتنی تیز ہوتی ہے کہ گھر کی اندرونی روشنی میں کیا ہوتا ہے، کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا لیکن جب بلب روشن ہو جاتے تو چلمن کے اندر گھر کا کچھ حصہ نظر آتا تھا اور گھر میں رہنے والی بھی کہیں کہیں سے جھلکتی تھی۔ کبھی اِدھر سے گزر کر اُدھر جاتی تھی، کبھی اُدھر سے گزر کر اِدھر چلی آتی تھی۔ کبھی

س کا سایہ دیوار پر مختصر سا نظر آتا تھا۔ ایک بند کلی لگتی تھی۔ کبھی دیوار پر اس قدر چھا جاتا کہ کھلا ہوا گلاب معلوم ہوتی۔ طرح طرح کے جلوے تھے اور طرح طرح سے دیکھنے کے باوجود آنکھیں پیاسی رہ جاتی تھیں۔ کیونکہ وہ صاف چھپتے بھی نہیں تھے' سامنے آتے بھی نہیں تھے۔

میں پچھلے دو دنوں سے اس چلمن کے سائے میں آ رہا تھا اور ان نظاروں میں گم ہو رہا تھا۔ میرے وہاں آنے کا مقصد کچھ اور تھا اور اب مقصد کچھ اور ہوتا جا رہا تھا کسی نامحرم کو یوں دیکھنا اور اس کا ذکر کرنا گناہ ہے لیکن محبت اور جاسوسی میں سب جائز ہوتا ہے۔ محبت میں اس لئے کہ آدمی دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے۔ آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ دماغ کسی کی نہیں سنتا۔ صرف چلمن کو گھورتا ہے۔ جاسوسی میں اس لئے کہ آدمی فرض سے مجبور ہوتا ہے کہ قانون کا تقاضا پورا کرے۔

سب سے پہلے میں نے اس چلمن والی کو پولیس اسٹیشن میں دیکھا تھا میں دوسرے کمرے میں چھپا ہوا تھا اور ایک کھڑکی کے راستے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ تھانیدار کے سامنے بیٹھی ہوئی اپنا بیان لکھوا رہی تھی۔ تب ہی مجھے احساس ہوا کہ وہ میرے دل کے سادے ورق پر اپنی ہسٹری پیش کر رہی ہے۔ اپنا جغرافیہ بتا رہی ہے اور میں اس کے حسن کی ایک ایک تفصیل میں گم ہوتا جا رہا ہوں۔

اس پھول کے ساتھ ایک کانٹا بھی تھا۔ وہیں دوسری کرسی پر اس کا شوہر بیٹھا ہوا تھا۔ تھانیدار نے پہلے اس حسینہ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ "جمالو تمہارا پورا نام کیا ہے؟

جمالو نے کہا۔ "میرا نام جمال آفرین ہے۔"

تھانیدار نے کہا:۔ "یوں نہیں اپنا نام زوجیت کے ساتھ بتاؤ۔"

جمالو نے کہا۔ "میں اپنے خاوند کا نام نہیں لے سکتی۔"

تھانیدار نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیوں نہیں لے سکتیں؟ یہ تمہارے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ تمہارے شوہر ہیں۔ تمہارے مجازی خدا ہیں۔ کیا مسلمان عورتیں اپنے شوہر کا نام نہیں لیتی ہیں؟"

"نہیں لیتی تو ہیں۔ ضرور لیتی ہیں لیکن میرا شوہر کا نام ایسا ہے کہ میں نہیں لے

سکتی۔"

تھانیدار نے تعجب سے اس کے شوہر کو دیکھا۔ تو اس کے شوہر نے کہا۔ "جناب مجھے چھوٹو بھائی دندان ساز کہتے ہیں۔ چونکہ میرا نام چھوٹو بھائی ہے اور میری بیوی مجھے بھائی نہیں کہہ سکتی۔ اس لئے میرا نام نہیں لیتی ہے۔"

"یہ صرف چھوٹو تو کہہ سکتی ہے۔"

"نہیں جناب یہ مجھے اپنے سے چھوٹا نہیں سمجھتی اسے لئے چھوٹو بھی نہیں کہتی۔"

تھانیدار نے ناگواری سے کہا۔ "میں تم سے نہیں۔ جمالو سے پوچھ رہا ہوں۔ یہاں جمالو کا بیان لیا جا رہا ہے تم خاموش رہو۔ ہاں تو جمالو اگر تم اپنے شوہر کا نام نہیں لیتی ہو تو پھر تم دونوں میں کس طرح بات چیت ہوتی ہے۔ تم اسے کیسے مخاطب کرتی ہو۔"

جمالو نے کہا۔ "جناب جب ہمارے درمیان جھگڑا نہیں ہوتا تو میں انہیں اے جی کہتی ہوں۔ جھگڑا ہوتا ہے تو او جی کہا کرتی ہوں اور جب یہ مجھے بلاتے ہیں تو میں جواب میں کہتی ہوں۔ آئی جی۔ اس طرح مین تھوڑی انگریزی بول لیتی ہوں۔"

تھانیدار نے غصے سے پوچھا۔ "کیا تم مذاق کر رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "جی نہیں جناب مذاق تو آپ کر رہے ہیں۔ آپ کو بیان لکھوانا چاہئے لیکن آپ ہمارے ذاتی معاملات کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ بھلا آپ کو اس سے کیا واسطہ کہ میں اپنے شوہر کو کس طرح مخاطب کرتی ہوں۔ آپ اس کیس کے متعلق جو بات پوچھنا چاہتے ہیں۔ وہ پوچھیں۔"

تھانیدار نے چند لحوں تک اسے غصے سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔ "کیا تم رفیق الدین کے ساتھ جائے واردات پر گئی تھیں؟"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں میں اپنے شوہر کے ساتھ چھانگا مانگا گئی تھی۔ وہیں رفیق الدین اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ نظر آیا چونکہ ہماری پرانی جان پہچان تھی۔ اس لئے وہاں ہم آپس میں مل بیٹھے اور تفریح میں ساتھ ساتھ رہے۔"

"رفیق الدین سے تمہارا کیا تعلق تھا؟"

"میرا نہیں میرے شوہر اور رفیق الدین کا آپس میں دوستانہ تعلق تھا میں اپنے شوہر کے رشتے سے اس سے اخلاقاً باتیں کیا کرتی تھی۔"

تھانیدار نے کہا۔ "میں نے تو تمہارے اور رفیق الدین کے بارے میں کچھ اور سنا ہے۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "آپ نے جو کچھ سنا ہے اسے اپنی ذات تک محدود رکھیں کسی پر کیچڑ اچھالنا اچھی بات نہیں ہے۔"

"ہم قانون سے مجبور ہیں جو کچھ ہمیں معلومات حاصل ہوتی ہیں انہی کی روشنی میں ہم سوالات کرتے ہیں۔ اس لئے میں ایسا سوال کرنے پر مجبور ہوں۔"

"جناب چادر اور چار دیواری کی شرم بھی ہوتی ہے اور اس شرم کے پیش نظر کسی عورت سے ایسے سوالات نہیں کرنے چاہئیں جس سے اس کی توہین ہوتی ہو۔ میں آپ سے کہتی ہوں کہ رفیق الدین ایک بہت ہی نیک اور پارسا انسان تھا اور میں اس کی بڑی عزت کرتی تھی۔ اگر وہ کسی کے ہاتھوں مارا گیا ہے تو یہ آپ کیسے سوچتے ہیں کہ اسے میں نے یا میرے شوہر نے ہلاک کیا ہے۔ بھلا اسے مار کر ہمیں کیا مل رہا ہے؟"

"تمہیں کچھ نہیں مل رہا ہے مگر تمہارے شوہر کو دلی اور دماغی سکون حاصل ہے۔ اب یہ خدشہ نہیں رہا کہ رفیق الدین تمہیں اپنی طرف مائل کرلے گا اور تمہیں اس شوہر سے نجات مل جائے گی۔"

جمالو نے غصے سے دیکھا۔ پھر فوراً ہی نظریں نیچی کر کے بولی۔ "آپ قانون کی کرسی پر بیٹھے ہیں ہمیں گالی دے سکتے ہیں لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ آپ اپنے طور پر جو کچھ بھی سوچ لیں نہ ہماری رفیق الدین سے دشمنی تھی۔ نہ ہم رفیق الدین کے ساتھ چھانگا مانگا گئے اور نہ ہی ہم نے اسے قتل کیا ہے۔"

رفیق الدین کے قتل کا کیس مجھے مل رہا تھا اور میں اپنے طریقہ کار کے مطابق جمالو اور اس کے شوہر چھوٹو بھائی کے سامنے فی الحال نہیں جانا چاہتا تھا۔ پہلے اپنے طور پر معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ رفیق الدین کے دو ساتھی جو چھانگا مانگا گئے تھے۔ ان کے سامنے بھی میں نے اصلیت ظاہر نہیں کی تھی اور ایک اجنبی بن کر ملاقات کرتا رہا

تھا۔ اس وقت بھی میں جمالو اور چھوٹو بھائی سے چھپ کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کی باتیں سن رہا تھا اور ان کی باتوں سے' ان کے چال چلن کا اندازہ لگا رہا تھا۔ مگر جمالو کے متعلق اندازہ لگاتے وقت خود میرا چال چلن بگڑتا جا رہا تھا۔

جمالو کو دیکھ دیکھ کر میرا دل کہتا تھا کہ مقتول رفیق الدین یقیناً اس پر دل و جان سے مرتا ہوگا اور اسی لئے شاید وہ مرچکا ہے۔ ان دونوں میاں بیوی کو دیکھ کر یہی خیال آتا تھا کہ دونوں میاں بیوی میں شاید بنتی نہیں ہے اور وہ گھر میں ایک دوسرے کی ضد بن کر رہتے ہوں گے کیونکہ بظاہر بھی وہ ایک دوسرے کی ضد تھے یعنی جمالو حور تھی اور چھوٹو بھائی لنگور تھا۔ لنگور سے مراد بالکل ہی بدصورت نہیں تھا لیکن جمالو کے حسن کے سامنے بالکل ہی مرجھایا ہوا سا اجاڑ سا نظر آتا تھا' جمالو صحت مند تھی اور وہ مچھر تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جمالو کی پھونک سے اڑ جاتا ہوگا پھر یہ کہ ایسے شوہر خوب صورت بیوی کو پالینے کے بعد احساس کمتری کا شکار رہتے ہیں اور ان پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر نکتہ چینی کرتے ہیں جو عورت بھٹکنا نہیں چاہتی اسے بھی غصہ دلا کر غیر شعوری طور پر بھٹکنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ جمالو اپنے شوہر سے تنگ آکر ایک نئے ساتھی کی جستجو میں رفیق الدین کی طرف مائل ہوگئی ہو۔ کبھی چھوٹو بھائی نے اسے رفیق الدین کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھ لیا ہو۔ پھر اس طرح دو رقیبوں نے چھانگا مانگا کے جنگلوں میں خونریز جنگ لڑی ہو جس کے نتیجے میں رفیق الدین مارا گیا ہو ویسے سچ بات تو یہ ہے کہ چھوٹو بھائی جیسا مچھر آدمی رفیق الدین پر غالب نہیں آسکتا تھا۔ اسے اس طرح ہلاک نہیں کرسکتا تھا۔ جس طرح کہ رفیق الدین ہلاک ہوا تھا۔

اس پر سامنے سے لوہے کی سلاخ سے حملہ کیا گیا تھا۔ یہ حملہ بڑا زوردار تھا کیونکہ پیشانی کا زخم نہایت گہرا تھا۔ ایسا زبردست حملہ کرنے کے لئے ذرا ہاتھوں میں اور جسم میں قوت کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ چھوٹو بھائی میں نظر نہیں آتی تھی۔ اگر اس کے مقابلے میں یہ کہا جاتا کہ جمالو نے لوہے کے سریے سے حملہ کیا ہے تو یہ بات کسی حد تک قابل قبول ہوسکتی تھی کیونکہ وہ بڑی صحت مند اور تگڑی تھی۔

میں نے اس کیس کی رپورٹ دوسرے پہلو سے بھی تیار کی دوسرا پہلو یہ تھا کہ رفیق الدین اچھا صحت مند اور تگڑا تھا اور اس کی بیوی بالکل دھان پان سی تھی۔ اس

کی بیوی کا بیان ہے کہ وہ اچھے سے اچھا کھاتی پیتی ہے پھر بھی اس کے بدن پر گوشت نہیں چڑھتا۔ اس پر رفیق الدین اس سے بیزار رہتا تھا۔ رات رات بھر کہیں غائب رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی بیوی کو پتہ چلا کہ اس کا شوہر جمالو میں دلچسپی لے رہا ہے اور اس کے لئے اس نے چھوٹو بھائی سے دوستی کی ہے اور اب چھوٹو بھائی کے گھر میں آنا جانا ہے۔

مقتول رفیق الدین کی بیوی زیبو کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ میں نے کہا۔

"دیکھو زیبو جہاں تک جمالو اور اس کے شوہر کا تعلق ہے ہم اس سلسلے میں اپنے طور پر معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ تم سے جو پوچھا جا رہا ہے۔ اس کا جواب دو۔ کیا تمہاری کوئی اولاد رفیق الدین سے ہے؟"

"ہاں' ایک بیٹا ہے۔ دو برس کا۔"

"رفیق الدین کی اب جو بھی دولت اور جائیداد ہے' وہ تمہیں ملے گی؟"

"ہاں' دنیا والے تو یہی کہتے ہیں مگر انہیں یہ کہنا چاہئے کہ رفیق الدین کے بیٹے کو ملے گی۔"

میں نے کہا۔ "اس کا بیٹا ابھی دو برس کا ہے اس دولت جائیداد سے تمہیں ہی فائدہ پہنچ سکتا ہے پھر میں نے سنا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا تھا۔ جو تقریباً پچاس ہزار روپے تک ہے۔"

"ہاں پچاس ہزار روپے بھی یوں سمجھو کہ مجھے ہی ملیں گے کیونکہ آپ کے کہنے کے مطابق میرا بیٹا دو برس کا ہے اور شاید آپ یہی سوچ رہے ہیں کہ میں نے بیمے کی رقم لینے' دولت اور جائیداد پر قابض ہونے کے لئے اسے قتل کرا دیا ہے' واہ کیسا زمانہ آیا ہے کہ عورت پر اس طرح شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنا سہاگ اجاڑ لے گی۔"

"زیبو' برا ماننے کی بات نہیں ہے' ہماری اسی دنیا میں ہمارے ہی ملک میں بعض عورتیں خود ہی اپنے شوہر کو قتل کر دیتی ہیں یا اپنے کسی آشنا سے قتل کرا دیتی ہیں۔ خود ہی اپنا سہاگ اجاڑ لیتی ہیں اور دنیا کو دکھانے کے لئے ماتم کرتی ہیں۔ پھر تمہارے متعلق ایسا کیوں نہیں سوچا جا سکتا۔"

وہ ڈھٹائی سے بولی۔ "ہاں سوچنے کو تو آپ بہت کچھ سوچ سکتے ہیں۔ آپ کو سوچنے سے کوئی نہیں روکے گا لیکن میں نے اپنے شوہر کو نہ تو قتل کیا ہے۔ نہ قتل کرایا ہے میں اپنے ضمیر کی عدالت میں بے گناہ ہوں' آپ جو چاہیں سمجھتے رہیں۔"

رفیق الدین کے قتل کا کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا۔ قتل کے وقت کوئی اس کے سامنے تو ضرور موجود ہوگا۔ خواہ وہ قاتل ہی کیوں نہ ہو لیکن اس قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ رفیق الدین کے ساتھ دو آدمی تھے۔ جو اس کے ساتھ چھانگا مانگا میں دیکھے گئے تھے۔ یہ بیان چھوٹو بھائی نے دیا تھا۔ اس کی تائید جمالو نے کی تھی اور رفیق الدین کی بیوی زیبو کا بیان تھا کہ وہ ایسے کسی ساتھی کو نہیں جانتی جن کے ساتھ رفیق الدین چھانگا مانگا گیا ہو۔ اس کے بہتیرے دوست تھے وہ کس کے ساتھ گیا ہوگا۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ چھوٹو بھائی نے اپنے بیان میں کہا کہ اگر وہ دو شخص شناختی پریڈ میں لائے جائیں تو وہ ان کو پہچان سکتا ہے۔

پھر شناختی پریڈ کا انتظام کیا گیا۔ مقتول رفیق الدین کے جتنے دوست احباب تھے ان سب کو تلاش کر کے بلایا گیا اور ان کے سامنے سے چھوٹو بھائی کو گزارا گیا لیکن چھوٹو بھائی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ان میں سے کوئی رفیق الدین کے ساتھ چھانگا مانگا نہیں گیا تھا جو دو شخص اس کے ساتھ دیکھے گئے تھے وہ یہاں نظر نہیں آ رہے ہیں۔

اب یہی صورت رہ گئی تھی کہ جن لوگوں پر شبہ ہے ان کی چپ چاپ نگرانی کرائی جائے۔ زیبو کی نگرانی کے لئے میں نے اپنے ایک اسسٹنٹ کو مقرر کیا۔ چھوٹو اور جمالو کی نگرانی کی ذمہ داری میں نے لی لی۔ کیونکہ میرا دل خود جمالو کے پیچھے جانا چاہتا تھا میں پچھلے دو دن سے اس چلمن کے سائے میں آ رہا تھا اور جمالو کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی چھوٹو بھائی بھی نظر آ جاتا تھا لیکن جب وہ چلمن کے پیچھے دکھائی دیتا یا دیوار پر اس کا سایہ نظر آتا تو میں فوراً ہی چلمن کے پاس سے ہٹ جاتا تھا اور پاس ہی ایک پان کی دکان کے پاس پہنچ کر سگریٹ خریدنے کا بہانہ کرتا تھا۔ اس بہانے سگریٹ پینے کا موقع مل جاتا تھا۔

چلمن کوئی آئینہ نہ تھی کہ اس میں جمالو کی صورت صاف جھلکتی رہتی وہ تو چلمن کے پیچھے بلب کی مخالف روشنی میں سائے کی طرح نظر آتی تھی کبھی کبھی وہ کھڑکی کے

پاس والا کوئی بلب روشن کرلیتی تو اس روشنی میں کہیں کہیں سے اس کا چہرہ اور اس کا جسم جھلکنے لگتا تھا' پہلے دن اس چلمن کے سائے میں کوئی قابل ذکر بات نہ ہوئی بس اتنا ہی ہوا کہ کبھی کبھی وہ آتی جاتی ہوئی نظر آئی۔ ایک بار مجھے یہ خیال آیا کہ وہ چلمن کے پاس ٹھٹک گئی ہے اور شاید اس نے چلمن کے پیچھے مجھے دیکھا ہے میں اس دیوار کے پاس کھڑا ہوا تھا اور مجھ پر چلمن کا سایہ پڑ رہا تھا۔ یعنی کمرے کے بلب سے آنے والی روشنی بھی مجھ پر تھی اور سایہ بھی تھا۔ میں نے جلدی سے اپنی نکٹائی کی گرہ درست کی۔ اپنے سر کے بالوں میں انگلیوں سے کنگھی کی تاکہ اسے خوبصورت نظر آؤں لیکن وہ جلد ہی وہاں سے پلٹ کر چلی گئی تھی۔

دوسرے دن جب مغرب کے بعد کھڑکی کے پیچھے بلب روشن ہوا اور چلمن کا سایہ مجھ پر پڑنے لگا تو میں نے دیکھا کہ وہ موجود تھی اور اب وہ کبھی کبھی کھڑکی کے پاس آکر بیٹھ جاتی تھی۔ کوئی نہ کوئی کام کا بہانہ کرتی رہتی تھی۔ کبھی بال سنوارتی تھی کبھی اٹھ کر کوئی چیز اٹھاتی تھی اور پھر اسے رکھ دیتی تھی۔ کبھی دائیں طرف جاتی تھی کبھی بائیں طرف اور ہر زاویے سے اپنے آپ کو جیسے دکھاتی تھی۔ میں نے سمجھ لیا کہ اس عورت میں خود نمائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اکثر عورتوں کی نیت بری نہیں ہوتی لیکن وہ خود نمائی کی عادت سے مجبور ہوتی ہیں۔ خدا نے ایسا حسن دیا ہوتا ہے کہ اس کی تشہیر کے بغیر چین نہیں ملتا۔

تیسرے دن میں نے سوچا کہ اب سیدھے راستے سے اس مکان کے دروازے پر جاکر دستک دی جائے اور باقاعدہ اپنا تعارف کرانے کے بعد تفتیش کے بہانے ربط و ضبط بڑھایا جائے۔

یہ سوچ کر میں آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ اس وقت عشاء کی اذان ہونے لگی میں نے سوچا۔ ذرا ایک سگریٹ خرید کر سلگالوں اس کے بعد اس مکان کے دروازے پر جاؤں گا۔ اسی وقت اس مکان کی طرف سے مجھے چھوٹو بھائی دندان ساز آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ غصے سے بھرا ہوا تھا اور سیدھا میری طرف آرہا تھا۔ اس نے آتے ہی پوچھا۔ "کون ہو تم؟ یہاں کیوں آکر کھڑے رہتے ہو؟"

میں نے آس پاس دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ گزرنے کا راستہ ہے اور میں یہاں سے

گزرتے وقت تھوڑی دیر اس لئے کھڑا ہو جاتا ہوں کہ یہاں سگریٹ کی دکان ہے اور میں سگریٹ کا کش لگانے کے بعد یہاں سے جاتا ہوں۔"

وہ بولا۔ "تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم اس چلمن کو تکتے رہتے ہو میں نے چھپ کر دیکھا ہے تمہاری نظریں اس چلمن کی طرف رہتی ہیں تم پرائی عورتوں کو گھورتے رہتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "مسٹر میں تو گھورتا نہیں ہوں' اپنے راستے آتا ہوں اپنے راستے جاتا ہوں تم یہ اعتراض کرکے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ تمہیں اپنے ہی گھر کی عورت پر بھروسہ نہیں ہے۔"

اس نے کہا۔ "عورت کو لگام دینے سے وہ ٹھیک رہتی ہے اور میں اپنی عورت کو کس طرح قابو میں رکھتا ہوں یہ میں جانتا ہوں لیکن تم جیسے اوباش قسم کے لوگ عورتوں کو بے لگام ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ دیکھو وہاں میری بیوی تمہیں دیکھ رہی ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے چلمن کی طرف پلٹ کر دیکھا تو میں بھی اس کے ساتھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا کیونکہ چلمن کے پیچھے روشنی کی جو دیوار نظر آرہی تھی اس دیوار پر جمالو کا سایہ پڑ رہا تھا اور وہ سایہ نماز پڑھ رہا تھا۔

چھوٹو بھائی کو ذرا سی دیر کے لئے چپ سی لگ گئی' میں نے بھی سوچا کہ یہ خوب ایکٹنگ کر رہی ہے لیکن چھوٹو بھائی کی طرف دیکھ کر ناگواری سے کہا۔ "وہ دیکھو اگر وہ تمہاری بیوی نماز پڑھ رہی ہے تو تمہیں شرم آنی چاہئے اتنی نیک اور پارسا عورت پر الزام لگاتے ہو اور مجھ پر بھی الزام لگانے آئے ہو۔"

وہ پہلے تو ہچکچایا پھر سخت لہجے میں بولا۔ "ہاں' میں جانتا ہوں کہ میری بیوی نیک ہے' پارسا ہے' جس وقت بھی اسے موقع ملتا ہے اس وقت کی نماز پڑھ لیتی ہے لیکن نماز پڑھنے سے کیا ہوتا ہے تمہارے جیسے شیطان بھی تو نماز کے بیچ میں آجاتے ہیں۔"

جب اس نے مجھ پر الزامات لگانے شروع کئے اور میں نے دیکھا کہ بات بڑھ جائے گی' محلے والے جمع ہو جائیں گے تو میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اس کے آگے کر دیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے ناگواری کے ساتھ

کارڈ لیتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیا ہے؟"

میں نے کچھ نہیں کہا۔ اس نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ پھر اسے پڑھا تو چونک کر کبھی مجھے اور کبھی کارڈ کو دیکھنے لگا۔ پھر ایک دم وہ نرم پڑ گیا اور بولا۔ "جناب آپ تو انٹیلی جنس کے آفیسر ہیں لیکن آپ یہاں کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "یہ میرا طریقہ کار ہے میں اپنے طور پر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ لوگ کیا ہیں۔ کیسے زندگی گزارتے ہیں۔ کن لوگوں سے ملتے ہیں۔ آپ لوگوں کی مصروفیات کیا ہوتی ہیں؟"

"تو آپ نے بڑی حد تک معلوم کر لیا ہو گا۔ اب تو یہ بات ہم سے چھپی نہیں رہی کہ یہ کیس آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اب آپ کو میرے ساتھ میرے گھر میں چلنا ہو گا۔ میں آپ کو چائے پیئے بغیر جانے نہیں دوں گا۔"

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں' اور یہ دو آنکھیں جمالو کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں میں ذرا سا رسمی طور پر انکار کرنے کے بعد اس کے ساتھ اس کے مکان میں آگیا۔

اس نے ایک کمرے میں مجھے بٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرے مکان میں دو ہی کمرے ہیں' اِدھر والا کمرہ جمالو کے لئے ہے اور یہ میرے لئے ہے۔ دراصل ہم دونوں کے مزاج میں بڑا فرق ہے۔ جو وہ چاہتی ہے وہ میں نہیں چاہتا اور جو میں چاہتا ہوں اسے وہ پسند نہیں کرتی۔ اس لئے وہ اپنے طور پر کمرے کو سجا کر رکھتی ہے اور میں اپنے طور پر اپنے کمرے کا ہر سامان ترتیب کے ساتھ رکھتا ہوں۔ دیکھ لیجئے میرا کمرہ کتنا شاندار لگ رہا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

میں نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "بے شک اس کمرے کو دیکھ کر آپ کے اعلیٰ ذوق کا پتہ چلتا ہے۔"

وہ خوش ہو گیا' پھر دوسرے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ "جمالو' ذرا دو پیالی گرما گرم چائے بھیج دینا۔ ہمارے شہریار صاحب آئے ہیں۔ یہ وہی صاحب ہیں جو چلمن کے اِدھر کھڑے ہوئے تھے ہم سے ان کو سمجھنے میں بھول ہوئی۔ دراصل یہ انٹیلی جنس کے آفیسر ہیں ہم انہیں کوئی ایسا ویسا آدمی سمجھ رہے تھے۔"

یہ کہنے کے بعد وہ دروازے کی طرف سے پلٹ کر آتے ہوئے بولا۔ "ہاں تو

جناب اب سنائیے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا سناؤں؟"

"یہی کہ اس قاتل کا کچھ سراغ لگا یا نہیں؟"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کا سراغ لگانے میں یہاں آیا ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے میرے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر بولا

"آپ قاتل کو پکڑنے کے لئے چاہے یہاں آئیں یا دنیا کے آخری سرے پر چلے جائیں ایک بات میں اچھی طرح جانتا ہوں اور وہ یہ کہ جب تک ان دو بدمعاشوں کا پتہ نہیں چلے گا جو مقتول رفیق الدین کے ساتھ تھے اس وقت تک آپ اصل قاتل تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے اور میرا ذاتی خیال ہے کہ اس کے ان دو ساتھیوں میں سے ہی کوئی ایک یا دونوں قاتل ہیں۔ انہوں نے اس کا قتل کیوں کیا۔ یہ تو وہی بتا سکیں گے۔ میرا خیال گھوم پھر کر مقتول کی بیوی زیبو کی طرف جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے اس نے ہی ان دو بدمعاشوں کو اپنے شوہر کے پیچھے لگایا ہو گا۔"

میں نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں' ایسا ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے ثبوت اور چشم دید گواہوں کی ضرورت ہے۔ بہرحال آپ سنائیے آپ کا کاروبار کیسا چل رہا ہے۔"

"بس یونہی سا کاروبار ہے کبھی کبھی کوئی اپنے دانتوں کی تکلیف سے مجبور ہو کر میری دکان میں آ جاتا ہے کبھی کسی کے دانت نکال دیتا ہوں اور دوسرے دانت لگا دیتا ہوں۔ کبھی دوائیں دے کر ہی ان کی تکلیف دور کر دیتا ہوں۔ معمولی سے پیسے مل جاتے ہیں۔ اس سے گزارہ نہیں ہوتا۔ اس لئے میری بیوی بھی ملازمت کرتی ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کہاں ملازمت کرتی ہے۔"

"یہاں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر لڑکیوں کا سکول ہے وہاں پڑھانے جاتی ہے بھئی آپ تو جاسوس ہیں۔ آپ کو تو بغیر پوچھے ہی یہ باتیں معلوم ہونا چاہئیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے کسی حد تک علم ہے کہ آپ دونوں میاں بیوی تمام دن مصروف رہتے ہیں۔ آپ اپنی دکان میں اور آپ کی بیگم ملازمت کے سلسلے میں۔"

اسی وقت دوسرے دروازے پر دستک سنائی دی۔ پھر جمالو کی دھیمی سی آواز آئی۔ "چائے لے لیجئے۔"

چھوٹو بھائی دوسرے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ارے بھئی ان سے کیا پردہ تم خود ہی چائے لے آؤ۔"

دوسری طرف خاموشی رہی چونکہ وہ دروازہ میری پشت کی طرف تھا اس لئے میں پلٹ کر دیکھ نہیں سکتا تھا کیونکہ پلٹ کر دیکھنے سے میری دلچسپی ظاہر ہو جاتی۔ میں بڑی سنجیدگی سے بیٹھا رہا۔ چند لمحوں کے بعد چھوٹو بھائی بیزار ہو کر اٹھ گیا۔ پھر زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا وہاں سے جانے لگا۔ پھر وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یعنی میرے پیچھے اس دروازے پر پہنچ گیا۔

چند لمحوں کے بعد ہی میں نے اس کی سرگوشی سنی۔ پھر جواب میں جمالو کی سرگوشی سنائی دی میں چپ چاپ بیٹھا رہا۔ پلٹ کر میں نے نہیں دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی جیسے چھوٹو بھائی کا پارہ چڑھ گیا ہو۔ وہ دبی ہوئی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اس کے کہنے کی آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ مگر صاف الفاظ سنائی نہیں دیئے۔ جواب میں جمالو کی بھی دبی ہوئی آواز سنائی دی۔ عجب ڈرامہ ہو رہا تھا میں پیچھے پلٹ کر دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ دونوں مجھ سے کچھ چھپا کر ہی ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہے تھے۔ تو ایسے میں دیکھنا مناسب نہیں تھا۔ "میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ چائے لے کر کمرے میں چلو۔"

جمالو کی آواز سنائی دی۔ "تمہارے حکم کی ایسی کی تیسی۔ وہ آفیسر ہو گا تمہارے لئے۔ میری تو جوتی کے برابر بھی نہیں ہے؟"

جمالو کی یہ بات سن کر میری کھوپڑی گھوم گئی۔ مجھے اپنی توہین کا احساس ہوا لیکن میں نے بڑے ضبط سے کام لیا' اسی وقت چھوٹو بھائی دونوں ہاتھوں میں چائے کی ٹرے لئے ہوئے میرے سامنے آگیا سامنے میز پر ٹرے کو رکھتے ہوئے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ "جمالو بڑی شرمیلی ہے۔ آپ کے سامنے آتے ہوئے شرما رہی ہے۔"

میں نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں شرمانے والی آوازیں سن رہا تھا۔"

وہ اور زیادہ جھینپ گیا۔ پھر بولا۔ "کیا آپ نے ہماری ساری باتیں سن لی

ہیں؟"

"میں جاسوس ہوں اور جاسوس کے کان بڑے ہوتے ہیں اور آنکھیں بہت زیادہ دور تک دیکھ لیتی ہیں۔"

وہ میری طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے بولا۔ "پھر آپ سے کیا چھپانا۔ دراصل میری جمالو بہت اچھی ہے۔ بہت وفادار لیکن بہت خود سر بھی ہے۔ میری ہر بات مانتی ہے لیکن جو بات میں اس کی نہیں مانتا پھر انتقاماً وہ بھی میری اس بات سے انکار کر دیتی ہے۔ مثلاً ابھی کی بات لیجئے کل اس کی ایک سہیلی یہاں آئی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کروں اور چائے پیوں۔ میں نے انکار کر دیا اور اب جمالو انتقاماً یہاں آکر چائے آپ کو دینے اور بیٹھنے سے انکار کر رہی ہے۔ مرد تو خیر ضدی ہوتا ہی ہے۔ عورت کو ضدی نہیں ہونا چاہئے۔"

میں نے کہا۔ "کیوں نہیں ہونا چاہئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں روزی اور روٹی ہوتی ہے۔ وہی ضدی اور خود سر ہوتا ہے مگر مردان داتا ہے اور گھر میں کمائی لاتا ہے اور عورت کو بٹھا کر کھلاتا ہے تو عورت ہر معاملے میں جھکتی چلی جاتی ہے' اپنی ضد کو بھی بھول جاتی ہے لیکن جس گھر میں عورت کماتی ہے وہاں وہ چاہتی ہے کہ گھر والے اس کی محنت کو اور کمائی کو سمجھیں۔ اس لئے وہ خود کو منوانے کے لئے کبھی کسی بات پر اڑ جاتی ہے۔ کسی بے جا بات کے لئے بھی ضد کر بیٹھتی ہے ایسے میں عورت کو سمجھنا پڑتا ہے۔"

چھوٹو بھائی نے اپنی پیالی سے چائے کی ایک چسکی لینے کے بعد کہا۔ "بھئی آپ تو جمالو کی حمایت میں بول رہے ہیں۔"

اچانک مجھے اپنے پیچھے جمالو کی آواز سنائی دی۔ وہ بول رہی تھی۔ "سچے لوگ ہمیشہ سچائی کی حمایت میں بولتے ہیں آپ کی طرح نہیں کہ جیسا منہ دیکھا ویسے بات کہہ دی۔"

ایسے کہتے ہوئے وہ میرے سامنے آئی پھر سر جھکا کر مجھے آداب کہتے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ مجھے اس کا انداز بہت پسند آیا۔ سر پر آنچل تھا چہرے پر بڑی پاکیزگی تھی۔ کیونکہ تھوڑی دیر پہلے ہی وہ نماز ادا کر کے آئی تھی۔ اس کے حسن میں ذرا

تقدس پیدا ہوا تو میرا دل اور زیادہ اس کے لئے مچلنے لگا۔ اصل بات یہ ہے کہ حسن پھر حسن ہوتا ہے۔ اسے میلا کر دیا جائے تو وہ میلا چاند کا داغ لگتا ہے حسن آتشی ہو تو دغا سے حاصل ہوتا ہے۔ حسن مقدس ہو تو دعا سے حاصل کرنے کو جی چاہتا ہے‘ حسن خوابیدہ ہو تو فتنہ اور بیدار ہو تو قیامت بن جاتا ہے۔ یہ جو حسن ہوتا ہے یہ کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا۔

اس نے اپنے شوہر سے پوچھا۔ ”ہاں تو آپ کیا فرما رہے تھے کہ میں ضدی اور خود سر ہوں۔ کیا یہ میری خود سری ہے کہ میں شادی سے پہلے اپنے میکے میں بے پردہ گھومتی تھی۔ آپ نے مجھے پردہ کرنے کے لئے کہا تو میں نے مان لیا۔ میں چادر اوڑھ کر باہر جاتی ہوں۔ آپ نے کھڑکیوں اور دروازوں پر چلمن لگا دی۔ میں نے اسے بھی برداشت کر لیا۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں غیر مردوں سے ملاقات نہ کروں‘ باتیں نہ کروں‘ اپنی کوئی سوسائٹی نہ بناؤں تو اسے بھی میں تسلیم کر لیتی ہوں۔ پھر آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں بالکل ہی اس چار دیواری کے اندر اس طرح قید ہو کر رہ جاؤں کہ باہر کا سورج بھی میرا منہ نہ دیکھ سکے۔“

”میں بارہا تسلیم کر چکا ہوں کہ تم فرمانبردار ہو۔ اس کے باوجود میں یہ ضرور کہوں گا کہ تم گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہو۔ کبھی کسی غیر مرد سے باتیں کرنے کا موقع ملے تو تم میری مرضی کے خلاف ضرور باتیں کرتی ہو۔ کیا رفیق الدین تمہارے لئے غیر نہیں تھا؟“

”ہاں‘ غیر تھا لیکن اس دنیا میں زندہ رہنے کے لئے‘ بڑھتی ہوئی مہنگائی کا مقابلہ کرنے کے لئے مرد کے ساتھ عورت کو بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ کہیں ملازمت کرنی پڑتی ہے کوئی چھوٹا موٹا سا کاروبار کرنا ہوتا ہے۔ آپ نے کہا کہ مجھے صرف کسی سکول میں ملازمت کرنی چاہئے یا کسی ہسپتال میں نرس وغیرہ بن جانا چاہئے۔ نرسنگ کی ٹریننگ حاصل کرنی چاہئے۔ میں نے اسے بھی تسلیم کر لیا لیکن یہ کرنے کے لئے بھی مردوں سے تو سامنا ہوتا ہے۔ اب رفیق الدین میرے لئے ایک ٹیوشن سینٹر کھولنا چاہتا تھا وہ اپنا سرمایہ لگا رہا تھا تو یہ ہم دونوں کے لئے فائدے کی بات تھی۔“

”بے شک تم میرے لئے اپنے لئے اور اس گھر کے لئے فائدے کی باتیں کر

رہی تھیں لیکن رفیق الدین کا فرض تھا کہ وہ اس کاروبار کے سلسلے میں مجھ سے بات کرتا۔“

وہ تنک کر بولی۔ ”آپ جھوٹ نہ بولیں رفیق الدین آپ ہی سے کاروبار کے سلسلے میں باتیں کرتا تھا لیکن جہاں تعلیم کا مسئلہ آتا تھا اور جہاں کتابوں کی باتیں چھیڑی جاتی تھیں اور جہاں یہ مسئلہ سامنے آتا تھا کہ بچوں کو پڑھانے کے لئے کیسے کیسے نفسیاتی طریقے استعمال کئے جائیں تو یہ باتیں مجھ سے ہی ہو سکتی تھیں۔ آپ دندان سازی میں ماہر ہو سکتے ہیں لیکن تدریسی معاملات میں آپ کوئی معقول مشورہ نہیں دے سکتے تھے۔ اسی لئے وہ بے چارہ مجھ سے باتیں کیا کرتا تھا لیکن آپ مرد ہیں نا۔ آپ کی فطرت میں شک و شبہ بھرا ہوا ہے۔ آپ عورت کو مضبوط چار دیواری میں قید کرنے کے بعد اس پر چلمنیں ڈال کر اس پر چادریں ڈال کر اس پر اپنی نگاہوں کا پہرا بٹھا کر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ عورت ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ وہ بے حیا بے شرم ہے اور کسی وقت بھی آپ کے اعتماد کو دھوکہ دے سکتی ہے۔ آپ نے تو کبھی عورت پر بھروسہ کرنا سیکھا ہی نہیں ہے۔“

”بھئی صاف بات یہ ہے کہ میں تم پر ہر معاملے میں بھروسہ کر سکتا ہوں‘ لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم کسی غیر مرد سے باتیں کرو۔“

وہ بولی۔ ”میں اس وقت بھی مسٹر شہریار کے سامنے بیٹھی باتیں کر رہی ہوں۔ یہ بھی تو غیر ہیں۔“

”یہ یہاں تھوڑی دیر کے مہمان ہیں۔ ابھی چلے جائیں گے۔ میں تو اس تعلق کے خلاف ہوں جس کے ذریعے ایک ملاقات کے بعد دوسری ملاقات کے لئے راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ میں ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتا۔“

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر بولی۔ ”مجھے کسی سے تعلق قائم کرنے کا شوق نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شعوری طور پر ماں اور بہنوں کو نہیں دیکھا ہے۔ اگر دیکھا ہوتا تو بیوی کی شرافت پر بھی یقین آتا۔“

یہ کہہ کر وہ غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے چلی گئی چھوٹو بھائی تھوڑی دیر تک مٹھیاں بھینچ کر تلملاتا رہا۔ پھر وہ دانت پیسنے کے بعد بولا۔ ”کبھی کبھی جی چاہتا ہے

کہ اس عورت کی زبان گدی سے کھینچ لوں۔ بہت بولنے لگی ہے۔ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو عورتوں کو ڈھیل دیتے ہیں۔ میں اس کی لگام اور کھینچوں گا کہ یہ اس گھر کی دہلیز کو بھی پار نہیں کرسکے گی مرنے کے بعد ہی اس گھر سے نکل سکے گی۔"

میں ہنستے ہوئے کھڑا ہوگیا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "بس مجھے اجازت دیجئے میں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ میاں بیوی دل کھول کر لڑتے رہیں۔"

یہ کہہ کر میں اس مکان سے باہر آگیا۔ مجھے جمال آفرین عرف جمالو کی گفتگو کا انداز بہت پسند آیا تھا اور پسند کیوں نہ آتا۔ وہ تو پہلے ہی دل میں سما گئی تھی لیکن اس کی گفتگو اس کا ٹھوس لہجہ اور اس کا مزاج بتا رہا تھا کہ وہ ایسی گری پڑی عورت نہیں ہے کہ چلمن کے پاس کھڑے ہو کر اشارے کئے جائیں تو ہاتھ آجائے وہ بہت ہی سنجیدہ اور ذہین عورت تھی اور اسے حاصل کرنے کے لئے بھی نہایت ہی سنجیدہ عشق اور ذہانت کی ضرورت تھی جبکہ عشق میں ذہانت کا گزر نہیں ہوتا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے پاس ذہانت نہیں ہے۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کس طرح جمالو کا دل جیت لوں۔

ویسے دونوں میاں بیوی کی باتیں سننے کے بعد یہ اندازہ ہوگیا کہ ان کی ازدواجی زندگی کی گاڑی زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے گی کیونکہ شوہر شکی مزاج تھا۔ جمالو کی باتوں سے پتہ چل گیا بلکہ چھوٹو بھائی نے بھی کئی بار یہ تسلیم کیا کہ جمالو فرمانبردار ہے وفادار ہے اور اپنے مزاج کے خلاف بھی پردے میں رہتی ہے۔ چادر اوڑھ کر باہر جاتی ہے اس کے باوجود چھوٹو بھائی مطمئن نہیں رہتا تھا۔

دراصل صرف عورتوں کو پردہ کرا دینے سے ہی کام نہیں چلتا۔ کچھ باتوں کا انحصار مردوں پر بھی ہوتا ہے۔ مرد کو کسی حد تک فراخ دل ہونا چاہئے اور اپنی عورت پر اعتماد کرنا چاہئے۔ اعتماد کے بغیر زندگی نہیں گزرتی۔ ہمیشہ ایسے لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں جس کی ایک مثال جمالو اور چھوٹو بھائی تھے۔

☆======☆======☆

"چھوٹو بھائی میں نے تمہاری بیوی کو بھی ایک خط لکھ دیا ہے اور اسے تنبیہہ کی ہے کہ وہ سلمان راشد سے زیادہ دلچسپی نہ لے۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ جمالو کسی اور میں دلچسپی لے جو بھی میری جمالو کے راستے میں آئے گا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ ایک کانٹا تو میں نے صاف کر دیا ہے۔ شاید اب دوسرے کانٹے کو بھی صاف کرنا پڑے۔ میں کسی کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔ اس لئے کہتا ہوں کہ جمالو کو خود بھی سمجھاؤ۔"

تحریر اتنی ہی تھی۔ نیچے خط لکھنے والے کا نام نہیں لکھا تھا۔ میں نے اسے میز پر پھینکتے ہوئے چھوٹو بھائی سے پوچھا۔ "یہ بکواس ہے؟"

چھوٹو بھائی نے جواب دیا۔ "پہلے میں بھی اسے بکواس سمجھتا تھا۔ رفیق الدین کے قتل سے تقریباً ہفتہ دس دن پہلے مجھے ٹیلی فون پر ایک شخص نے ایسی ہی دھمکی دی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ جمالو کو دل و جان سے چاہتا ہے اور مجھے راستے کا کانٹا سمجھتا ہے۔ چونکہ میں شوہر ہوں اس لئے وہ مجھے برداشت کر رہا ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ جمالو جلد ہی مجھ سے طلاق لے لے گی اور اس سے شادی کرے گی لیکن وہ رفیق الدین جیسے رقیب کو برداشت نہیں کرسکتا۔ جمالو کو سمجھایا جائے اور دوسری طرف رفیق الدین کو یہ بھی تاکید کر دی جائے کہ وہ ایک دوسرے سے دور رہیں۔ ورنہ رفیق الدین کے حق میں بہت برا ہوگا۔" چھوٹو بھائی نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "پہلے میں نے بھی فون پر بات کرنے والے کو بکواس سمجھا تھا لیکن رفیق الدین کا قتل ہوگیا۔ اب میری معلومات کے مطابق یہ بات درست ہے کہ جمالو اکثر سلمان راشد سے ملتی رہتی ہے۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا اڑتی ہوئی خبر سن لی ہے۔"

اس نے اپنے سینے کو ٹھونک کر کہا۔ "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں اکثر جمالو کا پیچھا کرتا ہوں۔ میں نے ایک بار دیکھا کہ سکول کے دفتری کمرے میں وہ اور سلمان راشد تقریباً آدھے گھنٹے تک بیٹھے رہے۔ کوئی دوسری مس اس کمرے میں نہیں گئی اور پتہ نہیں وہ لوگ کیا باتیں کرتے رہے۔ میں تو دور کھڑا ہوا یہی دیکھتا رہا کہ جمالو کب اس کمرے سے نکلتی ہے پھر وہ آدھے گھنٹے کے بعد اس کمرے سے نکلی تھی۔"

میں نے پوچھا۔ "یہ سلمان راشد کون ہے؟"

"وہ اس سکول کا مالک ہے جہاں جمالو لڑکیوں کو پڑھاتی ہے اس کے علاوہ سلمان راشد نے شہر میں اور بھی بہت سے سکول کھول رکھے ہیں۔"

"پھر تو سلمان راشد کوئی غیر متعلق شخص نہیں ہے۔ سکول کی وجہ سے جمالو کا اس سے رابطہ ہے اور اسی رابطے کی بنا پر وہ سکول کے مسائل پر اس سے باتیں کر سکتی ہے اور آدھ گھنٹہ نہیں بلکہ گھنٹوں باتیں کر سکتی ہے۔ اگر دوسری مس اس کمرے میں نہیں گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جمالو سب سے زیادہ ذہین اور بہتر مشورہ دینے کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے سلمان راشد نے اسے گفتگو کے لئے ترجیح دی ہوگی۔"

"یہ آپ سمجھانے والی باتیں کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جمالو ذہین ہے لیکن اس کی ذہانت اس وقت کیا ہوتی ہے جب وہ اکیلے کمرے میں ایک مرد کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی ہے کیا اسے کوئی شوہر برداشت کر سکتا ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "دنیا کے کتنے ہی شوہر برداشت کرتے ہیں اور جو برداشت نہیں کرتے اب انہیں بھی معاشی مجبوریوں کے تحت برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اپنے دل کو ذرا کھولنا پڑتا ہے عورت پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ وہ جس شعبے میں کام کرنے جاتی ہے اس شعبے کے متعلقین سے خواہ عورت ہوں یا مرد' ان سے ملنا' باتیں کرنا اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزارنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ آپ اپنی عورت کو پردہ کرا سکتے ہیں۔ اس کو اپنے طور پر جس قدر چاہیں لگام دے سکتے ہیں لیکن اس کی ضروریات کے مطابق اس کی ملازمت اور اس کے شعبے کے تقاضوں کے مطابق اسے تھوڑی سی

ڈھیل دینی پڑتی ہے۔ اتنی آزادی عورت کو ہو کہ وہ ذرا کھلی فضا میں سانس لے سکے اور اپنی پوری ذہانت سے اپنے شعبے میں ترقی کر سکتے لیکن آپ یہ نہیں چاہتے جب یہ نہیں چاہتے تو جمالو کو ملازمت سے روک دیں لیکن آپ ایسا بھی نہیں کر سکیں گے۔ آپ کے ساتھ بھی معاشی مجبوریاں ہیں۔ آپ کا کاروبار اچھی طرح نہیں چل رہا ہے۔ گھر کے اخراجات کے لئے بیوی کا کمانا بے حد ضروری ہے۔"

"دیکھئے' یہ ہم میاں بیوی کا مسئلہ ہے وہ ہم خود سمجھ لیں گے۔ فی الحال آپ اس خط کی روشنی میں باتیں کریں۔ میں آپ کو ایک خطرے سے آگاہ کرتا ہوں اور وہ یہ کہ سلمان راشد کی زندگی خطرے میں ہے کیونکہ اسی شخص نے ایک بار پہلے بھی فون پر دھمکی دی تھی اور اپنی دھمکی پر عمل بھی کیا تھا۔"

چھوٹو بھائی کی یہ پیش گوئی واقعی قابلِ غور تھی۔ میں نے ناگواری سے پوچھا۔ "یہ کون پاگل کا بچہ ہے جو ایسی دھمکی دیتا ہے۔"

وہ بھی ناگواری سے بولا۔ "اس پاگل کے بچے کے متعلق جمالو ہی بہتر طریقے سے بتا سکتی ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ اس شخص نے جمالو کو بھی خط لکھا ہے۔ اس کا مطلب کیا یہ نہیں ہے کہ جمالو اور اس کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہتی ہے اور اب جو خط اسے ملا ہے تو مجھ جیسے شوہر سے بھی چھپا رہی ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ جمالو سے اس خط کے متعلق معلوم کریں اور یہ کریدنے کی کوشش کریں کہ جمالو اس نامعلوم شخص میں کس حد تک دلچسپی لیتی ہے۔"

میں نے کہا۔ "جمالو ایک سکول ٹیچر ہے۔ ایک صاف ستھری زندگی گزار رہی ہے۔ وہ ایسے کسی بدمعاش سے دلچسپی نہیں لے گی۔ آپ اس پر اس طرح شبہ نہ کریں۔"

"شبہ کیوں نہ کروں۔ پہلی بار اس نامعلوم شخص نے جب مجھے فون پر دھمکی دی تھی تو بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ میں اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوں کیونکہ جمالو ایک دن مجھ سے طلاق لے لے گی۔ آپ مجھے شکی اور تنگ نظر سمجھتے ہیں' میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ کبھی کبھی وقت نکال کر جمالو کا تعاقب کریں۔ اس کی مصروفیات کو دیکھیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ وہ گھر سے سکول تک جانے اور آنے کے دوران

کتنے لوگوں سے ملتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ نامعلوم شخص بھی کسی نہ کسی طور پر اس سے ملتا ہو اور یہ ظاہر نہ کرتا ہو کہ وہ وہی نامعلوم شخص ہے۔ آپ تو ماہر سراغرساں ہیں۔ مجھ سے زیادہ سمجھتے ہیں کہ کس طرح آدمی کو اندر سے ٹٹولنا چاہئے۔"

میں نے کہا۔ "اس خط کی روشنی میں رفیق الدین کی بیوی زیبو الزام سے بری ہو گئی ہے اور یہ ثابت ہو رہا ہے کہ رفیق الدین کا قتل رقابت کی بنا پر ہوا تھا۔ اب میں دیکھوں گا کہ وہ کون شخص ہے اور اس شخص تک پہنچنے کے سلسلے میں جمالو مجھ سے کس حد تک تعاون کرتی ہے۔

چھوٹو بھائی اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "آپ کی بڑی مہربانی ہو گی اگر آج رات کو آپ میرے گھر کھانا کھائیں۔ وہیں آپ جمالو سے کچھ اگلوا سکیں گے۔"

میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کے سامنے کچھ اگلوانا ممکن نہیں ہے وہ کبھی کھل کر بات نہیں کرے گی۔ دوسری بات یہ کہ میں کسی کے ہاں کھانا نہیں کھاتا میں اپنے طور پر سوچتا ہوں کہ کس طرح تفتیش کرنی چاہئے اور میرا طریقہ کار کیا ہو گا۔ وہ میں سمجھ لوں گا۔ آپ جائیں۔"

وہ مصافحہ کرنے کے بعد چلا گیا۔ میں اس خط کو میز پر سے اٹھا کر دوبارہ پڑھنے لگا اور غور کرنے لگا کہ یہ تحریری دھمکی دینے والا کون ہو سکتا ہے۔ میں نے چھوٹو بھائی کے سامنے کہا تھا کہ جمالو ایسے بدمعاشوں سے دلچسپی نہیں لے گی لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ دھمکی دینے والا واقعی کوئی بدمعاش ہو کوئی اچھا دولت مند' تعلیم یافتہ اور معیاری زندگی گزارنے والا شخص بھی ہو سکتا ہے جو جمالو کے عشق میں گرفتار ہو کر ایسی حرکتیں کر رہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جمالو در پردہ اس شخص میں دلچسپی لے رہی ہو۔

میں نے رسٹ واچ کو دیکھا۔ دن کے بارہ بجنے والے تھے اور جمالو کے سکول کا وقت ایک بجے تک تھا میں فوراً ہی کرسی سے اٹھ گیا۔ پھر باہر آکر میں نے اپنی موٹر سائیکل سنبھالی اور اس پر سوار ہو کر سکول کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں مجھے ایک کام یاد آیا تو ایک جگہ مجھے تھوڑی دیر کے لئے رکنا پڑا۔ پھر جب میں وہاں سکول پہنچا تو ایک بج چکا تھا پڑھنے والے بچے سکول سے جا چکے تھے اور اسی وقت میں نے دیکھا

کہ جمالو چادر لپیٹے سکول کے احاطے سے باہر نکل رہی ہے۔ میں اپنی موٹر سائیکل دوڑاتا ہو' اس کے قریب پہنچا۔ پھر بریک لگا دیئے۔ اس نے ایک دم سے چونک کر مجھے دیکھا۔ میں نے کہا۔ "میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔"

"میں راستے میں کسی سے باتیں نہیں کر سکتی۔ آپ شام کو گھر پر آجائیں۔"

"شام کو گھر پر چھوٹو بھائی ہوں گے اور میں تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے پھر چونک کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے شبہ جھلک رہا تھا۔ وہ پھر وہ بولی۔ "تنہائی میں کیوں؟ آپ مجھ سے تنہائی میں باتیں کرنے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ آپ کا کیا رشتہ ہے مجھ سے؟"

"دیکھو' تم غلط سمجھ رہی ہو' میں اس کیس کے سلسلے میں تفتیش کر رہا ہوں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں کہ جنہیں میں چھوٹو بھائی کے سامنے نہیں کر سکتا۔"

وہ چند لمحوں تک سوچتی رہی۔ پھر سکول کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ہمارے سکول کا دفتر سکول بند ہونے کے بعد بھی گھنٹے' دو گھنٹے کھلا رہتا ہے۔ چلئے ہم اسی دفتر میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ وہاں ہمارے سکول کے مالک سلمان راشد بھی ہیں اور دوسری مسیں بھی ہوں گی۔"

میں نے موٹر سائیکل کو سکول کی طرف گھما کر جمالو کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "تم بہت محتاط ہو اور یہ اچھی بات ہے کہ اپنے شوہر کو شک و شبہ کا موقع نہیں دیتیں کسی سے راہ چلتے باتیں نہیں کرتیں۔"

"میرے محتاط ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ مرد کے دل اور دماغ میں شک بیٹھ جائے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہو تو اسے کوئی بھی اپنی پارسائی کا یقین نہیں دلا سکتا۔"

"چھوٹو بھائی احساس کمتری کا شکار ہیں۔ یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو؟"

"میں نے کچھ نفسیات کی کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ کچھ میرا مشاہدہ ہے میں دنیا کو دیکھتی ہوں اور یہ سمجھتی ہوں کہ جن لوگوں کو ذرا اچھی ناک نقشے والی بیوی مل جائے تو وہ اسے اپنی جائیداد سمجھ کر پہرہ دیتے ہیں اور ہمیشہ اس شک و شبہ میں مبتلا رہتے ہیں کہ کوئی ان کی بیوی کو ان سے چرا لے جائے گا۔ میں یہ تو نہیں کہتی کہ میں بہت حسین ہوں لیکن ہاں' آئینہ دیکھ کر کہتی ہوں کہ اس حد تک قبول صورت ہوں کہ میرے

شوہر کو رات بھر سکون سے نیند نہیں آتی۔"

"میں نے کہا۔ "تم کسر نفسی سے کام لے رہی ہو۔ ورنہ اس قدر حسین ہو کہ............"

اس نے مجھے اپنا جملہ پورا کرنے نہیں دیا۔ فوراً ہی بات کاٹ کر بولی۔ "بس آگے کچھ نہ کہنا۔ میں اپنے حسن کی تعریف سننا پسند نہیں کرتی اور نہ ہی کسی کو اتنا موقع دیتی ہوں کہ وہ تعریفوں سے راستے ہموار کرتے ہوئے مجھ تک پہنچتے اور مجھے بدنام کرے۔"

اس وقت تک ہم سکول کی عمارت میں پہنچ گئے تھے۔ وہاں جا کے جمالو نے سلمان راشد سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ وہ ایک آفیسر سے تھوڑی دیر ایک کمرے میں بیٹھ کر باتیں کرنا چاہتی ہے۔"

اس کے لئے سلمان راشد نے سکول کا ایک کمرہ کھلوایا پھر میں جمالو کے ساتھ وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ جمالو نے بیٹھتے ہی پوچھا۔ "ہاں' تو فرمایئے وہ ضروری باتیں کیا ہیں۔"

میں نے کہا۔ "آج ابھی تقریباً دو گھنٹے پہلے چھوٹو بھائی میرے دفتر آئے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک خط پڑھنے کو دیا۔ وہ خط تم بھی پڑھ لو۔"

یہ کہہ کر میں نے جیب سے وہی خط نکالا اور اس کے حوالے کر دیا۔ وہ اسے کھول کر جلدی جلدی پڑھنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا ہے۔ پھر اس نے خط کو میری طرف واپس کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اس سلسلے میں مجھ سے کیا باتیں کریں گے؟"

میں نے کہا۔ "اس خط میں لکھا ہوا ہے کہ اس دھمکی دینے والے نے تمہیں بھی ایک خط لکھا ہے کیا تم اس حقیقت سے انکار کرو گی؟"

وہ کچھ بولنا چاہتی تھی کہ میں نے فوراً ہی کہا۔ "دیکھو کچھ بولنے یا انکار کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا کہ اسی لئے میں نے تمہارے شوہر کے سامنے تم سے گفتگو نہیں کی۔ وہ شکی مزاج ہے۔ اگر تم اس کے سامنے یہ کہتیں کہ کسی دھمکی دینے والے نے تمہیں بھی خط لکھا ہے تو وہ اور زیادہ شک میں مبتلا ہو جاتا اور تم سے طرح طرح کے سوالات

کرتا کہ تم نے وہ خط اسے کیوں نہیں دکھایا۔ میں یہ سوال یہاں تنہائی میں اس توقع سے کر رہا ہوں کہ تم سچ بولو گی۔"

میری باتوں کے دوران وہ مجھے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر ہولے سے سر جھکا کر بولی۔ "ہاں یہ درست ہے کہ اس نامعلوم شخص نے مجھے بھی ایک خط لکھا تھا بلکہ اس سے پہلے بھی جب میں ایک جنرل سٹور میں کام کرتی تھی تو اس نے رفیق الدین کے قتل سے تقریباً دس بارہ دن پہلے فون پر مجھے دھمکی دی تھی اور کہا تھا کہ میں صرف اس کی امانت ہوں اور وہ مجھے کسی کے ساتھ ہنستے بولتے دیکھ نہیں سکتا۔ اگر میں رفیق الدین کی زندگی چاہتی ہوں تو اس سے باتیں نہ کروں۔ میں نے اس فون پر دھمکی دینے والے کو پاگل اور دیوانہ سمجھ کر نظرانداز کر دیا تھا۔ اس کے بعد رفیق الدین کا قتل ہو گیا اور پچھلے دن مجھے یہ خط ملا تو میں اب سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور ہوں کہ یہ سب میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ وہ کون شخص ہے جو غائبانہ طور پر مجھ سے محبت کا دم بھرتا ہے اور میری بدنامی کا سبب بنتا جا رہا ہے۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ رفیق الدین کی طرح اس بار سلمان راشد کی زندگی کو بھی خطرہ ہے؟"

وہ خوف زدہ ہو کر تائید میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "ہاں' جب سے وہ خط مجھے ملا ہے میں سلمان صاحب کے لئے فکر مند ہوں اور میں اب ان سے کترانے لگی ہوں۔ کبھی ان کے پاس بیٹھ کر باتیں نہیں کرتی سکول کے وقت کے بعد میں یہاں ذرا دیر بھی نہیں ٹھہرتی۔ فوراً ہی گھر چلی جاتی ہوں۔"

"کیا تم نے سلمان صاحب کو بتایا ہے کہ انہیں کس قسم کا خطرہ پیش آسکتا ہے۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں' میں انہیں پریشان کرنا نہیں چاہتی۔ سیدھی سی بات ہے کہ میں ان سے دور رہوں گی اور ان سے باتیں نہیں کروں گی تو وہ پاگل دیوانہ جو مجھے دھمکیاں دے رہا ہے اور میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے۔ وہ سلمان صاحب کا پیچھا چھوڑ دے گا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ تم سلمان صاحب سے برابر ملتی رہو۔"

وہ مجھے گھور کر بولی۔ "آپ مجھے ایسا مشورہ دینے والے کون ہوتے ہیں؟"

"دیکھو غلط نہ سمجھو۔ میں چاہتا ہوں کہ سلمان صاحب سے باتیں کرو ان سے ملتی رہو۔ بلکہ ان کے ساتھ سکول کے احاطے سے باہر بھی کہیں جانا چاہو تو جاؤ میں سلمان صاحب کی نگرانی کروں گا اور دیکھوں گا کہ کون شخص انہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔"

وہ انکار میں سرہلا کر بولی۔ "آپ کس یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ سلمان صاحب کی نگرانی کر سکیں گے۔ آپ سے ذرا بھی بھول چوک ہوگی۔ ذرا بھی آپ کی طرف سے غفلت ہوگی تو وہ بدمعاش اپنا کام کر گزرے گا۔ سلمان صاحب اپنی زندگی سے جائیں گے اور آپ کا یہ تجربہ ناکام رہ جائے گا کہ ان کے ذریعے کسی مجرم کو پکڑ سکیں۔ نہیں' آپ کے لئے مجرم کو پکڑنے کی خاطر میں سلمان صاحب کی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔"

میں نے پوچھا۔ "وہ خط کہاں ہے جو تمہیں دھمکی کے طور پر لکھا گیا ہے؟"

"میں نے اسی دن اسے پڑھنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں بکھیر دیا تھا۔"

میں نے کہا۔ "یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمہیں چاہئے تھا کہ وہ خط اپنے شوہر کو دکھاتیں۔"

وہ ناگواری سے بولی۔ "تاکہ اس کا شک اور بڑھ جاتا کہ پتہ نہیں مجھے اور کتنے لوگ خط لکھتے ہوں گے۔"

"شک تو اب بڑھ گیا ہے کہ یہ خط تمہارے شوہر کو ملا اور اس میں اس خط کا ذکر ہے جو تمہیں لکھا گیا۔ اب چھوٹو بھائی اس شک و شبہ میں مبتلا ہے کہ تم اس سے چھپ کر کسی کے ساتھ خط و کتابت کرتی ہو۔"

"اب اگر وہ قدم قدم پر مجھ پر شبے کرتے ہیں اور یہ میری بدنصیبی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ بہرحال میں نے اپنے طور پر بہتر سمجھتے ہوئے یہ بات اپنے شوہر سے چھپائی تھی۔ میں اپنے گھریلو ماحول کو اور زیادہ بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ پہلے ہی ہمارے درمیان کافی تلخی ہے۔"

"تم مصلحتاً اپنے شوہر سے ایسی باتیں چھپاتی ہو۔ تم نے کبھی سلمان راشد صاحب

کا بھی ذکر نہیں کیا ہوگا کہ ان کے ساتھ کس طرح اٹھتی بیٹھتی ہو۔ اس لئے شکوک و شبہات اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔"

"میں کیا کروں؟ اگر شوہر ذرا سا فراخ دل ہو۔ ذرا سا وسیع ذہن رکھتا ہو تو عورت اس کے سامنے ہر بات کھل کر کرتی ہے اور سب کچھ بتاتی ہے کہ باہر اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور وہ کیسے مسائل سے گزرتے ہوئے گھر میں آتی ہے لیکن جب میرا شوہر میرے ساتھ تعاون نہیں کرتا ہے۔ مجھ پر اعتماد نہیں کرتا ہے۔ تو میں کیا کروں؟"

میں نے تائید میں سرہلا کر کہا۔ "ہاں تمہارے ساتھ بھی مجبوری ہے۔ اکثر مرد اپنی تنگ نظری اور بے اعتمادی کے باعث اپنی عورتوں کا اعتماد کھو دیتے ہیں اور انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے مردوں سے باتیں چھپایا کریں۔ بہرحال میں امید کروں گا کہ تم مجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤ گی۔ کیونکہ تمہیں قانون کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ ایسی کوئی بھی بات ہو کوئی دھمکی کا خط آئے یا ٹیلی فون موصول ہو تو تمہیں پہلی فرصت میں مجھے اطلاع دینی چاہئے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "ٹھیک ہے میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ ایسی کوئی بات ہوئی تو میں سب سے پہلے آپ کو اطلاع دوں گی۔ آپ اپنا فون نمبر بتائیں۔"

میں نے اپنا فون نمبر بتایا۔ اس نے اپنی یادداشت میں محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد ہم اس کمرے سے نکل کر سکول کے دفتری کمرے میں آئے' وہاں سلمان راشد ایک مس کے ساتھ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھ کر کہا۔ "میں نے چائے منگوائی ہے۔ چائے پی کر جائیں۔"

میں نے معذرت کی کہ مجھے بہت کام ہیں۔ سلمان صاحب نے میری معذرت کو قبول نہ کیا اور مجھے چائے پینے پر مجبور کیا۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ سلمان صاحب نے جمالو سے کہا۔ "تمہیں آج کافی دیر ہو گئی ہے اور یہاں سے تم بس اسٹاپ جاؤ گی اور پھر بس میں بیٹھ کر اپنے گھر جاؤ گی۔ تو کافی دیر ہو جائے گی میں تمہیں اپنی کار میں پہنچا دوں گا۔"

جمالو نے پریشان ہو کر مجھے دیکھا پھر جلدی سے بولی۔ "نہیں سلمان صاحب آپ

تکلیف نہ کریں۔ میں آرام سے بس میں بیٹھ کر گھر پہنچ جاؤں گی اور مجھے ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔ میرے شوہر اس وقت تو دکان میں ہوں گے۔ میں اطمینان سے گھر پہنچ کر اپنا چولہا ہانڈی سنبھال لوں گی۔"

سلمان صاحب نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں پرسوں سے محسوس کر رہا ہوں کہ تم کچھ پریشان ہو۔ کچھ نہیں، بلکہ بہت زیادہ پریشان ہو۔ کیا تم مجھے اپنی پریشانی بتا سکتی ہو؟"

یہ کہتے ہوئے سلمان صاحب نے میری طرف دیکھا پھر کچھ سوچ کر سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اسی رفیق الدین کے کیس کے سلسلے میں کوئی پریشانی ہوگی۔"

جمالو نے جلدی سے سر ہلا کر کہا۔ "یہ شہریار صاحب اسی سلسلے میں مجھ سے کچھ سوالات کرنے آئے ہیں۔"

سلمان صاحب نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اس سلسلے میں، میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "ہاں، آپ ہم سے تعاون کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ آپ کچھ عرصے تک جمالو سے، میرا مطلب ہے مس جمال آفرین سے دور رہیں اور ان سے باتیں بھی نہ کریں اور سکول کی عمارت کے باہر کبھی ان کے ساتھ نظر نہ آئیں۔"

سلمان صاحب نے حیرانی سے پوچھا۔ "اس کا کیا مطلب ہوا؟"

میں نے انہیں مطلب سمجھانا شروع کیا۔ رفیق الدین کا کیس پیش کیا کہ کس طرح وہ رقابت کی بنا پر مارا گیا ہے اور اب جو رقابت شروع ہو رہی ہے اس میں سلمان راشد شامل ہے یعنی وہ خود دوسرے رقیب بنے ہوئے ہیں۔

یہ سنتے ہی انہوں نے کہا۔ "لاحول ولا قوۃ، میں اور رقیب۔ میں جمال آفرین کو اپنی بیٹی کے برابر سمجھتا ہوں۔ کس نامعقول نے ایسا خط لکھا ہے اگر مجھے معلوم ہو جائے تو میں اس کے مزاج درست کر دوں۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جناب، اگر ہمیں بھی معلوم ہو جائے تو ہم اس کے مزاج درست کر سکتے ہیں کیونکہ ہم پولیس والے ہیں لیکن مجبوری تو یہی ہے کہ وہ

گمنام ہے چھپا ہوا ہے۔ سامنے نہیں آتا۔ اس لئے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

سلمان صاحب نے کسی قدر غصے سے کہا۔ "ایسے مجرموں کو میں خاطر میں نہیں لاتا۔ ان بدمعاشوں سے اگر خوفزدہ رہا جائے تو یہ اور زیادہ سر ہو جاتے ہیں۔ اب تو میں جمال آفرین کو اپنے ساتھ کار میں بیٹھا کر لے جاؤں گا اور اسے اس کے گھر پہنچاؤں گا میں دیکھتا ہوں کہ کون میرے راستے میں آتا ہے۔ کون اتنی بیہودہ قسم کی باتیں مجھ سے منسوب کرتا ہے۔"

سلمان راشد اپنی زبان کے پکے تھے جو فیصلہ کرتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔ جمالو نے کتنے ہی بہانے کئے اور کتنی ہی منتیں کیں کہ وہ ان کے ساتھ نہیں جائے گی لیکن انہوں نے بزرگ کی حیثیت سے ڈانٹ کر کہا کہ اسے ساتھ چلنا ہی ہوگا اور یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولے۔ "بس میرے پیچھے چلی آؤ میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں تمہیں بھی سبق سکھاتا ہوں کہ اس دنیا میں دوسروں سے ڈر کر زندہ نہیں رہنا چاہئے۔ چلو آ جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ چلے گئے میں بھی چائے کی پیالی خالی کرنے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ جمالو بھی آہستہ آہستہ اٹھنے لگی۔ میں نے آہستگی سے کہا۔ "چلو ٹھیک ہے میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تمہارا اور سلمان صاحب کا کچھ روز ساتھ رہے۔ میں نگرانی کروں گا۔ دیکھوں گا کہ کون شخص تم لوگوں کا تعاقب کرتا ہے تم بے فکر رہو۔"

جمال آفرین کے ساتھ اس سکول کی دوسری مس رضیہ بھی تھی۔ وہ دونوں باہر آ کر سلمان کی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ پھر وہ کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔ پھر اپنی موٹر سائیکل کو اسٹارٹ کرنے کے بعد ان کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ وہ کار مجھ سے بہت دور تھی۔ کسی وقت بھی نظروں سے اوجھل ہو سکتی تھی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ گاڑی کن راستوں سے گزرتے ہوئے جمالو کے گھر تک پہنچے گی۔ اسی لئے میں بہت دور رہ کر تعاقب کر رہا تھا تاکہ اس کے گمنام عاشق کو میری موجودگی کا علم نہ ہو۔

میں پیچھا کرتے ہوئے جمالو کے گھر تک گیا۔ پھر وہاں سے سلمان صاحب مس رضیہ کو اس کے گھر پہنچانے گئے۔ اس کے بعد وہ اپنے گھر کی طرف گئے۔ میں برابر

تعاقب کرتا رہا اور سلمان صاحب کو ان کے گھر تک پہنچانے کے بعد اپنے گھر واپس آ گیا۔ اس دوران مجھے کسی پر شبہ نہیں ہوا۔ کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا۔ کوئی ایسی گاڑی دکھائی نہیں دی جو متواتر سلمان صاحب کی گاڑی کے پیچھے لگی ہو۔ تب میں نے سوچا کہ اس گمنام عاشق نے مسلسل تعاقب کرنا ضروری نہیں سمجھا ہوگا۔ اس کے لئے تو یہی دیکھنا کافی ہوا ہوگا کہ جمالو دھمکی دینے کے باوجود سلمان صاحب کی گاڑی میں بیٹھ کر اپنے گھر تک گئی تھی اور یہی بات اس دیوانے عاشق کے لئے ایک چیلنج بن جائے گی۔

☆======☆======☆

میں نے گھر پہنچ کر غسل کیا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد ڈائننگ روم میں آیا تو امی نے میرے لئے دوپہر کا کھانا میز پر لگا دیا تھا' پھر وہ میرے پاس بیٹھ کر ہمیشہ کی طرح بڑی محبت سے کھانے کی ڈش میری طرف بڑھانے لگیں اور ہمیشہ کی طرح شکایت کرنے لگیں کہ میں شادی نہیں کرتا ہوں اور ان کے لئے بہو لے کر نہیں آتا ہوں۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "امی یہ دل بھی ایک عجیب چیز ہے ایک تو یہ شادی کی طرف کبھی مائل نہیں ہوتا تھا۔ کوئی لڑکی پسند نہیں آتی تھی۔ اب پسند بھی آئی ہے تو بیاہتا عورت۔"

امی نے حیرانی سے مجھے دیکھ کر کہا۔ "کیسی باتیں کرتے ہو بیٹا۔ تمہاری عمر ہی ابھی کیا ہے تمہیں تو ایک سے ایک کنواری لڑکیاں مل سکتی ہیں۔"

"ہاں' امی مل تو سکتی ہیں لیکن اس کی بات ہی کچھ اور ہے میں نے جب سے اسے دیکھا ہے تب ہی سے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ میں آپ کی خواہش پوری کروں۔ آپ کے لئے اسے بہو بنا کر لاؤں۔ وہ بہت اچھی ہے جتنی حسین ہے اتنی ہی ذہین بھی ہے۔"

امی کھانے کے دوران مجھے سمجھاتی رہیں کہ میں کنوارا ہوں۔ اس لئے مجھے کنواری لڑکی کو بیاہ کر لانا چاہئے۔ میں انہیں یہ کہتا رہا کہ شادی کروں گا تو جمال آفرین سے ورنہ پھر وہ معاملہ کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ تب امی نے پریشان ہو کر کہا۔ "نہیں' بیٹا معاملہ کھٹائی میں نہیں پڑنا چاہئے۔ تمہارا دل اسی پر آیا ہے تو ٹھیک ہے میں اسی کو بہو

تسلیم کروں گی تمہارا گھر آباد ہونا چاہئے۔ یہاں مجھے بچے کھیلتے ہوئے نظر آنے چاہئیں مگر وہ بیاہتا ہے تو تم اس سے شادی کیسے کرو گے؟"

میں نے مایوس ہو کر کہا۔ "یہی تو مجبوری ہے امی کہ اس کا شوہر زندہ ہے اور میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔"

امی نے چلا کر کہا۔ "لڑکے' تیرا دماغ خراب ہوا ہے۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ وہ بیاہتا ہے تو بیوہ ہوگی اور تُو اس سے شادی کرنا چاہتا ہوگا۔ یا زیادہ سے زیادہ مطلقہ عورت ہوگی لیکن وہ تو باقاعدہ شوہر والی ہے اور تُو اسے اپنی بیوی بنانا چاہتا ہے۔ یہ بہت ہی خراب بات ہے بیٹا۔ پرائی عورتوں کے متعلق ایسا سوچنا بھی نہیں چاہئے۔"

میں نے کھانا ختم کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔ "امی میں جانتا ہوں کہ وہ پرائی ہے اپنی نہیں ہو سکتی لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ جب تک اس کی صورت میری نگاہوں کے سامنے ہے کوئی دوسری صورت میری نگاہوں میں نہیں جچے گی۔ اس لئے یہ شادی کا ذکر ہی فضول ہے ابھی اس معاملے کو التوا میں رکھیں بعد میں دیکھا جائے گا۔"

یہ کہہ کر میں اپنے کمرے میں آیا۔ پھر ایک سگریٹ سلگا کر ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گیا اب میں رفیق الدین کے قتل سے لے کر موجودہ حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا اور کسی خاص نتیجے پر پہنچنا چاہتا تھا لیکن سگریٹ کا کش لگا کر آرام سے لیٹتے ہی وہ چلمن نگاہوں کے سامنے آ گئی اور چلمن کے پیچھے حرکت کرتی ہوئی جمالو اِدھر سے اُدھر جھلکنے لگی کبھی اس کا چہرہ واضح ہو جاتا تھا۔ کبھی اس کا تصور دھندلا جاتا تھا اور وہ چلمن کے پیچھے پہنچ جاتی۔

میں نے حسرت سے سوچا کہ کاش وہ شوہر والی نہ ہوتی۔ اگر بیاہتا ہوتی تو بیوہ یا مطلقہ ہوتی۔ پھر تو میں آسانی سے اسے اپنا سکتا تھا لیکن اب تو نہ اسے بیوی بنا سکتا تھا نہ محبوبہ' وہ ایسے سستے خیال کی عورت نہیں تھی کہ کسی کی بیوی ہو کر مجھ سے عشق کرنا شروع کر دیتی اور میری محبوبہ بن جاتی۔ وہ بڑے ہی ٹھوس کردار کی مالک تھی۔ بس دل سے یہ دعا نکلتی تھی کہ اس کا اور چھوٹو بھائی کا جھگڑا اتنا بڑھے۔ اتنا بڑھ جائے کہ طلاق کی نوبت آ جائے اور وہ چھوٹو بھائی سے طلاق حاصل کر لے۔

طلاق کی بات آئی تو مجھے وہ گمنام شخص یاد آیا۔ وہ بھی اس امید میں جی رہا تھا

اور جمالو سے عشق کر رہا تھا کہ جمالو ایک دن چھوٹو بھائی سے طلاق ضرور لے گی۔ پتہ نہیں' کیوں اسے اس بات کا یقین تھا۔ میں نے سوچا میں اس کی طرح ظالم تو نہیں ہوں کہ اس کی خاطر کسی کو قتل کر دوں۔ کسی کو نقصان پہنچاؤں لیکن اس کی سوچ کے مطابق میں بھی یہی سوچ سکتا تھا کہ خدا کرے اسے طلاق ہو جائے اگرچہ یہ بہت ہی گری ہوئی بات تھی کہ میں ایسا سوچوں مگر محبت کے مارے میں ایسا سوچنے پر مجبور تھا۔

سوچتے سوچتے پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ میں بڑی گہری نیند سویا تھا اور بڑی دیر تک سوتا رہا تھا سو کر اٹھا تو منہ ہاتھ دھوتے وقت خیال آیا کہ میں اس کیس کے متعلق سوچنا چاہتا تھا اور جمالو کے متعلق سوچتے سوچتے سو گیا۔ میرا دل اور دماغ اس کی طرف لگا ہوا تھا اور جو اصل کیس تھا وہ پس پشت چلا گیا تھا۔ دماغ کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ اس وقت پتہ چل رہا تھا کہ عشق کیسی بری بلا ہے کہ آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔

شام کو چائے پینے کے بعد دل میں آیا کہ اسی حسینہ کی گلی میں جائیں اور اس چلمن کے پار جو بھی نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے دیکھا جائے کچھ تو دل کو تسلی ہو گی لیکن میں نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ یہ اوچھی حرکتیں ہیں اور مجھ جیسے آفیسر کو یہ زیب نہیں دیتا۔ میں نے پہلے تو اپنی ڈیوٹی کے بہانے وہاں دو تین دن خوب نظارے کئے لیکن اب وہاں چلمن کے پاس جانے کا کوئی جواز نہ تھا۔ میں نے ایک سرد آہ کے ساتھ دعا مانگی۔ "خدایا" میں تو وہاں نہیں جا سکتا۔ خود اس کے ساتھ کوئی ایسی بات ایسی مجبوری ہو جائے کہ وہی دوڑتے ہوئے میرے پاس چلی آئے۔"

کہتے ہیں کہ قبولیت کی کوئی ایسی گھڑی ہوتی ہے کہ اس گھڑی دعا مانگی جائے تو فوراً مراد بر آتی ہے۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ امی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو میں جمالو کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جمالو میرے گھر کا پتہ جانتی ہو گی میں نے کبھی اسے یا اس کے شوہر کو اپنا پتہ نہیں بتایا تھا۔ چھوٹو بھائی صرف دفتر کا پتہ جانتا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر امی سے تعارف کراتا۔ خود امی نے اسے دیکھ کر حیرانی سے کہا۔ "ارے بیٹی جمال آفرین تم' تم یہاں کیسے آؤ' اندر آجاؤ۔"

میں نے امی کے منہ سے جمال آفرین کا نام سن کر حیرانی ظاہر کی۔ یہ پتہ چل گیا کہ امی اسے بہت پہلے سے جانتی ہیں۔ میں نے پوچھا۔ "امی آپ جمالو کو کیسے جانتی ہیں۔"

انہوں نے کہا۔ "بیٹا یہی تو وہ لڑکی ہے چار برس پہلے میں اسے اپنی بہو بنانا چاہتی تھی لیکن تو پنڈی میں ٹریننگ حاصل کر رہا تھا تو نے شادی سے انکار کر دیا تھا۔"

میرے دماغ کو ایک شدید جھٹکا پہنچا جیسے کسی نے بڑا بھاری پتھر اٹھا کر میرے سر پر دے مارا ہو۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے جمالو کو دیکھنے لگا۔ وہ سر پر آنچل رکھے نظریں جھکائے اپنے پاؤں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار میں نے دیکھا کہ وہ مجھ سے شرما رہی تھی میں نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آہ' امی میں کیا بتاؤں میں بہت بڑی بازی ہار گیا ہوں۔ یہی تو وہ جمالو ہے جس کا ذکر میں دوپہر کا کھانا کھاتے وقت کر رہا تھا۔ میں اسی کو آپ کی بہو بنانا چاہتا تھا۔"

"بیٹا یہ بُری بات ہے یہ پرائی ہو چکی ہے اس کے متعلق کبھی ایسا نہ سوچنا' کاش کہ میں اسے بہو بنا سکتی۔ آج بھی میرے دل میں یہ ارمان ہے لیکن آدمی کی ساری خواہشیں تو پوری نہیں ہو جاتیں۔ اس لئے اب اس بات پر مٹی ڈالو۔ ہاں بیٹا' یہاں آکر بیٹھو بتاؤ کہ کیسے آئی ہو؟"

جمالو نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو یہ بتانے آئی ہوں کہ سلمان صاحب پر دو بد معاشوں نے حملہ کیا ہے اور انہیں بری طرح زخمی کر دیا ہے اس وقت وہ سول ہسپتال میں ہیں۔ میں آپ سے التجا کرنے آئی ہوں کہ آپ فوراً وہاں پہنچئے۔ شاید وہ آپ کے سامنے کوئی بیان دینا چاہتے ہیں۔ میں وہاں جانے کے لئے تڑپ رہی ہوں لیکن میرے شوہر نے مجھے وہاں جانے سے روک دیا ہے وہ خود وہاں موجود ہیں۔ میں نے سوچا کہ وہ دو گھنٹے سے پہلے واپس نہیں آئیں گے۔ اس لئے میں فوراً ہی رکشہ میں بیٹھ کر آپ کو اطلاع دینے آگئی ہوں اب مجھے فوراً ہی واپس جانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ وہ گھر واپس آئیں تو مجھے نہ پا کر پھر مزید شبہات میں مبتلا ہو جائیں۔"

امی نے کہا۔ "بیٹی ایک مدت کے بعد تم آئی ہو۔ میں تمہیں کھلائے پلائے بغیر کیسے جانے دوں۔"

میں نے کہا۔ "امی جمالو کے ساتھ بڑی مجبوری ہے جیسا کہ آپ نے کہا کہ اب یہ ہمارے بس میں نہیں رہی۔ پرائی ہوگئی ہے لہٰذا اسے شوہر کے اشاروں پر چلنا ہے اس لئے اسے جانے دیجئے۔"

پھر میں نے جمالو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میری ایک الجھن دور کردو تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں رہتا ہوں۔"

جمالو نے سر اٹھا کر کہا۔ "آپ اپنی امی سے پوچھ لیجئے میں آپ کے پڑوس میں رہ چکی ہوں اور اسی پڑوس والے مکان سے ڈولی میں بیٹھ کر گئی ہوں۔ بہرحال مجھے جانا چاہئے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے چلتے ہوئے دروازے تک گئی پھر وہاں سے پلٹ کر بولی۔ "میں سلمان صاحب کے لئے بہت بے چین ہوں۔ میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ وہ کس حال میں ہیں اور انہوں نے آپ سے کیا کہا۔ آپ ہسپتال سے واپسی پر ہمارے گھر آئیں گے۔ میں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کروں گی۔"

میں نے بے اختیار کہا۔ "تمہاری بے چینی کی قسم میں ضرور آؤں گا۔"

اس نے ایک ذرا چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر جلدی سے سر کے آنچل کو سنبھالتے ہوئے وہاں سے پلٹ کر ہمارے مکان سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد امی نے بڑی اداسی سے مجھے دیکھا۔ میں ایک دم آگے بڑھ کر ان کے گلے سے لگ گیا۔ پھر گلے لگنے کے بہانے ان سے منہ چھپاتے ہوئے بولا۔ "امی وہ بہت اچھی ہے' بہت اچھی ہے امی' کیا وہ کسی طرح ہماری نہیں ہو سکتی۔"

انہوں نے ممتا بھرے انداز میں میری پیٹھ کو تھپکتے ہوئے کہا۔ "بیٹے اس وقت تم ایک ایسے ننھے بچے ہو جو آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور چاند کے لئے مچلتا ہے ٹھیک ہے کہ تم اسے بے انتہا چاہتے ہو۔ چاہتی تو میں بھی ہوں لیکن بعض حالات میں صبر کرنا پڑتا ہے۔ اگر تمہاری چاہت سچی ہے اور تم اس کے کسی کام آنا چاہتے ہو تو فوراً ہسپتال جاؤ۔ پتہ نہیں وہ کس کے لئے بے چین ہے۔ تم اسے سکون پہنچاؤ تو تمہارے دل کو بھی سکون ملے گا۔"

دس منٹ کے بعد میں اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ہسپتال کی طرف جا رہا تھا۔ اس

وقت میرے دماغ میں چھوٹو بھائی گھوم رہا تھا کیونکہ وہی ایک راستے کا پتھر تھا۔ اس وقت میرے دماغ میں یہ بات آرہی تھی کہ کسی طرح چھوٹو بھائی رفیق الدین کا قاتل ثابت ہو جائے اور یہ بھی کہیں سے ثبوت مل جائے کہ سلمان صاحب پر بھی چھوٹو بھائی نے حملہ کیا ہے تو میری محبت کی اس داستان میں جو ولن ہے وہ اپنے انجام کو پہنچے گا اور مجھے جمالو مل جائے گی۔

میں ایسی ہی اوٹ پٹانگ باتیں سوچتا ہوا جا رہا تھا۔ پھر مجھے اپنے آپ پر ہنسی آنے لگی کہ میں جمالو کو حاصل کرنے کے لئے چھوٹو بھائی کو ولن بنا رہا ہوں۔ یہ درست ہے کہ چھوٹو بھائی کا رویہ جمالو کے لئے درست نہیں تھا۔ بلکہ جمالو کے شایان شان نہیں تھا۔ وہ خود اس قابل نہیں تھا کہ جمالو کا شوہر بن کر رہ سکتا لیکن جمالو اسے چاہتی تھی اور ایک وفادار بیوی کی طرح ساری زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتی تھی۔ اپنے مزاج کے خلاف بھی بہت سی باتیں برداشت کرلیتی تھی۔ اس کے باوجود چھوٹو بھائی میری اس کہانی کا ولن تھا ایسا ولن یا ایسا مجرم جو کسی کو قتل نہیں کرسکتا۔ جس میں اتنی جسمانی صلاحیت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ سلمان صاحب کے گھر میں گھس کر ان پر حملہ کرتا اور انہیں زخمی کر دیتا۔ وہ ایک سیدھا سادا سا بزدل سا انسان تھا جسے اپنے کاروبار سے اور اپنی بیوی سے لگاؤ تھا اور بیوی کی خاطر ہی وہ دنیا والوں سے جلتا تھا۔

میں نے ہسپتال تک اس پہلو پر اچھی طرح غور کیا کہ چھوٹو بھائی کس طرح مجرموں کی فہرست میں آسکتا ہے ویسے میں چاہتا تو کسی طرح کیس کو توڑ موڑ کر اسے مجرم بنا سکتا تھا۔ کم از کم اتنے سارے شبہات پیدا کر دیتا کہ رفتہ رفتہ اس پر قانون کی گرفت سخت ہونے لگتی اور جمالو سے اس کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگتی لیکن میں نے کبھی دن کو رات اور رات کو دن نہیں کہا۔ مجھے بچپن سے سچائی کی تعلیم ملی ہے۔ تو میں جمالو کی محبت کی خاطر ایک بے گناہ آدمی کو قانون کی گرفت میں نہیں لا سکتا تھا۔

میں ہسپتال پہنچا تو وہاں سے چھوٹو بھائی نکل کر واپس جا رہا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کیا پھر مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "بھئی آپ کہاں جا رہے ہیں میں سلمان صاحب کو دیکھنے آیا ہوں۔ سنا ہے کہ ان پر کسی نے حملہ کیا ہے۔"

چھوٹو بھائی نے کہا۔ "اچھا ہوا آپ آ گئے۔ اس گمنام شخص نے جو دھمکی دی تھی اس نے اس پر عمل کیا ہے۔ سلمان صاحب کی ابھی زندگی باقی تھی اس لئے وہ بچ گئے۔"

میں نے کہا۔ "آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آیئے سلمان صاحب سے دو باتیں کر لیں۔ اس کے بعد پھر میں اپنی موٹر سائیکل پر آپ کو گھر پہنچا دوں گا۔"

وہ میرے ساتھ پھر واپس اس کمرے میں آیا۔ جہاں سلمان صاحب بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے سر پر اور سر سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ "شہریار صاحب آیئے اور میرا حلیہ دیکھئے۔ بدمعاشوں نے آخر حملہ کر ہی دیا۔"

میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ کیسے ہوا۔ کب ہوا؟"

"بس شام کے وقت میں چائے پی کر اپنے مکان کے پیچھے والے باغ میں ٹہلنے جا رہا تھا کہ دروازہ کھلتے ہی دو آدمیوں نے اچانک حملہ کیا مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا ایک شخص نے اچانک ہی میرے منہ پر ایک بھرپور گھونسہ مارا میں اس گھونسے کو سہہ سکتا تھا لیکن وہ اپنی انگلیوں میں نکل پہنے ہوئے تھا۔ نکل کو ہم اپنی زبان میں فولادی گھونسہ کہہ سکتے ہیں وہ فولاد کا بنا ہوا تھا' میرے چہرے پر پڑا تو آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا اور انہیں پہچاننے کی کوشش کرتا کہ دوسرا گھونسہ میرے جبڑے پر پڑا۔ میں ایک دم گر پڑا۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ پھر یہ کہ ان کے فولادی گھونسوں نے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلا دیا تھا۔ میں اب انہیں صورت شکل سے پہچان نہیں سکوں گا کیونکہ تیسرے گھونسے کے بعد تو میں بے ہوش ہو گیا تھا۔"

چھوٹو بھائی نے کہا۔ "یہ تو غنیمت ہے کہ وہ لوگ صرف زخمی کر کے چھوڑ گئے۔ ورنہ خط کے مضمون کے مطابق تو وہ سلمان صاحب کی جان لینے والے تھے۔"

سلمان صاحب نے بھی حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اسی بات پر تعجب ہے کہ وہ مجھے آسانی سے قتل کر سکتے تھے لیکن زخمی کرنے کے بعد چلے گئے۔"

میں نے کہا۔ "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ دھمکی دینے والا اتنی جلدی

اپنی دھمکی پر عمل کرے گا۔"

چھوٹو بھائی نے کہا۔ "بھئی وہ عمل کیوں نہ کرتا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ سلمان صاحب میری بیوی کو گھر تک پہنچانے کے لئے گئے تھے۔ دیکھئے میں تو اس بات کا برا نہیں مانتا۔ سلمان صاحب نہایت شریف آدمی ہیں اور عزت دار ہیں۔ میں کسی قسم کا شک نہیں کرتا لیکن پتہ نہیں وہ کون دیوانہ ہے پاگل ہے کہ خواہ مخواہ میری بیوی کے پیچھے پڑ گیا ہے اور اس کے ساتھ جس کو دیکھتا ہے اس کی جان کا دشمن بن جاتا ہے۔"

سلمان صاحب نے تکلیف سے ذرا کراہتے ہوئے کہا۔ "اف میرے تو جبڑے ہل گئے ہیں۔ دانتوں میں درد ہو رہا ہے۔"

چھوٹو بھائی نے کہا۔ "آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں آپ کے دانتوں کی تمام تکلیف دور کر دوں گا۔"

میں نے پوچھا۔ "کیوں سلمان صاحب آپ نے پولیس کو تمام بیان دے دیا ہے؟"

"ہاں میں نے اپنا بیان لکھوا دیا ہے لیکن آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ذاتی طور پر معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو اچانک ہی میرے گھر میں گھس آئے تھے۔ بڑے بے باک اور حد درجے کے بدمعاش معلوم ہوتے ہیں۔"

میں نے ان کے بازو کو تھپک کر کہا۔ "آپ اطمینان رکھیں میں ان کی ساری بدمعاشی نکال دوں گا۔ ذرا میرے ہتھے چڑھ جائیں۔"

ان سے تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہو کر ہسپتال سے باہر آئے چھوٹو بھائی کو میں نے اسی لئے روکا تھا کہ اس کو گھر پہنچانے کے بہانے میں اس کے گھر جاؤں اور ایک بار جمالو کو دیکھ لوں اور بہر حال میں نے چھوٹو بھائی کو اس کے گھر کے سامنے پہنچا دیا۔ اس نے موٹر سائیکل سے اترتے ہوئے رسماً مجھے چائے کے لئے پوچھا مجھے رسماً انکار کرنا چاہئے تھا لیکن میں فوراً ہی چائے پینے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس طرح مجھے گھر کے اندر جانے کا موقع ملا۔ چھوٹو بھائی نے جمالو کو آواز دے کر چائے لانے کے لئے کہا۔ میں نے بھی اونچی آواز میں چھوٹو بھائی سے کہا۔ "بھئی ہمیں خدا کا

شکر ادا کرنا چاہئے کہ سلمان صاحب بخیریت ہیں۔ بس معمولی سی چوٹیں آئی ہیں انشاء اللہ کل تک انہیں ہسپتال سے چھٹی مل جائے گی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

ایسا کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جمالو سن لے اور مطمئن ہو جائے اس کی بے چینی کا خیال کرتے ہوئے میں نے اپنا فرض نبھایا تھا لیکن وہ میرے دل کی بے چینی کو شاید نہ سمجھ سکی یا سمجھتے ہوئے انجان بن گئی۔ کیونکہ وہ چائے لے کر میرے سامنے نہیں آئی۔ چھوٹو بھائی کے ہاتھ سے چائے بھجوا دی۔ میری حسرت دل ہی میں رہ گئی واپسی پر میں نے مایوس ہو کر سوچا کہ یہ بہت ہی بااصول اور نہایت ہی شریف عورت ہے۔ محبت کے پھندے میں نہیں آئے گی۔ اپنے شوہر کے سوا کسی دوسرے کے جذبات کو نہیں سمجھے گی اس کے آگے آدمی سر پھوڑ کر مر سکتا ہے مگر اسے شکار نہیں کر سکتا۔

گھر پہنچ کر میں نے بستر پر لیٹنے کے بعد اپنے دل کو سمجھایا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے شرما رہی ہو کیونکہ امی نے یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ مجھ سے منسوب ہونے والی تھی مگر تقدیر کے ہاتھوں چھوٹو بھائی کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔ شاید اسی سلسلے میں اس کے دل میں کوئی کسک پیدا ہوئی ہو اور وہ میرے سامنے آنے سے کتراتی ہو اگر ایسی بات تھی تو اس میں بھی رومانوی انداز تھا اور یہ میرے لئے باعث اطمینان تھا۔ میں اپنے دل کو بہلا کر ذرا خوش ہو گیا۔

دوسرے دن میری خوش فہمی ختم ہو گئی۔ میں سکول کا وقت ختم ہونے پر جب سکول کے سامنے پہنچا اور اس سے ملنا چاہا تو اس نے کاغذ کے پرزے پر لکھ کر بھیجا۔

"خدا کے لئے میرے حال پر رحم کریں۔ میں بدنام نہیں ہونا چاہتی۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ عزت و آبرو سے زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ آپ میرے راستے میں نہ آئیں۔ جب تک آپ سکول کے سامنے موجود رہیں گے میں باہر نہیں نکلوں گی اور اگر آپ نے یہی چلن رکھا تو میں گھر سے سکول نہیں آؤں گی اور یوں ہمارے گھر کے اخراجات پورے نہیں ہو سکیں گے۔ تعلیم حاصل کرنے والے بچے مجھ سے محروم ہو جائیں گے۔ کیا یہ سب آپ کو اچھا لگے گا؟"

اس کی اس مختصر سی تحریر میں کیا نہیں تھا۔ اس تحریر میں ایک عورت کے ارادے کی پختگی تھی۔ ہماری مشرقی تہذیب کا بھرپور عکس تھا اس بات کی وضاحت تھی

کہ چہرے کو نقاب سے ڈھانپ لینے سے پردہ نہیں ہوتا۔ چلمن کے پیچھے بھی پردہ نہیں ہوتا۔ پردہ تو عورت کے ارادے میں ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں کی حیا میں ہوتا ہے اور یہ سب کچھ جمال آفرین کو قدرت کی طرف سے انعام میں ملا تھا اور وہ اس کی بھرپور ترجمانی کر رہی تھی۔ میں نے شرمندہ ہو کر فیصلہ کیا کہ اب کبھی جمال آفرین کے سامنے نہیں جاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ یہ کیس کسی دوسرے آفیسر کے حوالے کر دیا جائے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے چھٹی لینے کے لئے اپنی بیماری کا بہانہ کیا اور سرکاری ڈاکٹر سے التجا کی کہ وہ مجھے بیماری کا سرٹیفکیٹ دے دیں اور اس میں سفارش کر دیں کہ آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے مجھے کم از کم مری یا کسی اور پہاڑی علاقے میں جانا چاہئے۔

ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کے ذریعے چھٹی لینے میں چار دن گزر گئے۔ ان چار دنوں میں سلمان صاحب ہسپتال سے واپس گھر چلے گئے تھے اور میں اس انتظار میں رہتا تھا کہ صبح و شام کسی وقت پھر جمالو اچانک ہی میرے گھر آئے گی۔ میں نے کئی بار پھر وہی دعا مانگی کہ جمالو کے ساتھ کوئی زبردست مجبوری ہو اور وہ میری مدد حاصل کرنے کے لئے میرے پاس چلی آئے یا کوئی ایسی بات پیدا ہو جائے کہ میں اس کے گھر کسی بہانے جا سکوں اور اس پر چھوٹو بھائی اعتراض نہ کرے اور جمالو بھی میرے سامنے آنے پر مجبور ہو جائے۔

ان چار دنوں میں پتہ نہیں کیسی اوٹ پٹانگ باتیں سوچتا رہا اور الٹی سیدھی دعائیں مانگتا رہا۔ چار دن کے بعد چھٹی مل گئی اور میں پندرہ دن کے لئے مری چلا گیا۔ وہ شہر چھوڑ کر جانے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر میں نے دل پر جبر کیا۔ اس سے بہت دور جا کر ہی اسے کسی حد تک بھلایا جا سکتا تھا اپنے دل کو سمجھایا جا سکتا تھا کہ پرائی چیز کی تمنا نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بے مقصد اور لاحاصل آرزو ہے اور کبھی پوری نہیں ہو گی۔

میں نے ہر طرح سے اپنے آپ کو سمجھایا مگر محبت بڑی منہ زور ہوتی ہے۔ کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی ایسے وقت مجھے پتہ چلا کہ اگر تعلیم نہ ہو، تہذیب نہ ہو، سچائی کا پاس نہ ہو اور سب سے آخری بات یہ کہ خدا کا خوف نہ ہو تو ہر شخص پلک جھپکتے ہی

مجرم بن جائے۔ خصوصاً ان حالات میں کہ جن حالات میں آدمی اپنے دل سے مجبور ہوتا ہے اپنی خواہشات سے مجبور ہوتا اور جمالو جیسا حسن انہیں دیوانہ بنا دیتا ہے۔ کئی بار میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں مجرمانہ طریقوں سے اسے حاصل کرلوں لیکن میرا ضمیر ایسا سوچتے ہی ملامت کرنے لگا تھا۔

میں تھک ہار کر پندرہ دن بعد واپس اپنے شہر آیا تو وہی ہارا ہوا آدمی تھا اور جمالو کے خیال کو ایک ذرا سا بھی اپنے دل سے نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ میں نے سوچا کہ چھوٹو بھائی کے ہاں جاؤں لیکن خیال آیا کہ میری چھٹیوں کے دوران دوسرا آفیسر اس کیس کو نمٹا رہا ہوگا۔ میرا وہاں جانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ پھر میں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر سوچا کہ اگر جمالو کسی طرح نظر نہ آئے تو میں اِدھر چلمن کی طرف چلا جاؤں جب مغرب کی اذان ہوگی اور کمرے کے اندر بلب روشن ہوں گے تو اس کی ہلکی سی جھلک تو نظر آ جائے گی۔

دل دیوانہ تھا۔ طرح طرح کے ارادے کرتا رہتا تھا۔ میں نے موٹر سائیکل لی اور سیدھا سلمان صاحب کے گھر پہنچ گیا تاکہ ان کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے کچھ جمالو کے متعلق بھی معلومات حاصل کرلوں لیکن وہاں پہنچا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سلمان صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ میں نے تعجب سے پوچھا۔ "کیا ہو گیا تھا انہیں۔ ان کو تو معمولی سی چوٹیں آئی تھیں۔"

ان کے کسی رشتہ دار نے مجھے بتایا کہ ہسپتال سے چھٹی ہو گئی تھی اور وہ سکول بھی جانے آنے لگے تھے۔ زخم بھر گیا تھا۔ پٹیاں اتر گئی تھیں اچھے بھلے صحت مند تھے۔ ہسپتال سے آنے کے پندرہ دن بعد وہ ایک تقریب میں گئے تھے۔ وہاں کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں مصروف تھے کہ اچانک ہی ان کے ہاتھ سے پلیٹ گر گئی اور وہ کھانے کی میز پر اوندھے ہو گئے۔ ان کے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے انہیں اٹھایا تو پتہ چلا کہ ان کا دم نکل چکا ہے۔

میں نے پوچھا۔ "کیا ہارٹ فیل ہوا تھا؟"

اس نے جواب دیا۔ "پہلے تو سب نے یہی سمجھا تھا مگر بعد کی رپورٹ سے پتہ چلا کہ انہیں زہر دیا گیا ہے۔"

"زہر؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "زہر کون دے سکتا تھا کیا جس تقریب میں بیٹھے وہ کھا رہے تھے ان کھانوں میں زہر تھا۔"

"نہیں' وہاں کچھ سمجھ دار لوگ بھی تھے۔ ان لوگوں نے فوراً ہی کھانے کی ان چیزوں پر قبضہ کرلیا تھا اور پولیس کے آنے تک کسی کو ان پلیٹوں کی طرف جانے نہیں دیا تھا۔ جس گلاس سے وہ پانی پی رہے تھے وہ گلاس بھی محفوظ کرلیا گیا تھا اور یہ سب پولیس والوں کی تحویل میں دے دیا گیا تھا۔"

میں فوراً ہی پلٹ کر اپنے دفتر پہنچا۔ میرے ساتھی آفیسر نے مجھے دیکھتے ہی خوشی سے چیخ کر کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم آگئے لو بھئی اپنا کیس سنبھالو۔ یہ اور زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔"

"میں نے کہا۔ "ہاں مجھے پتہ چلا ہے کہ سلمان راشد کو زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔"

"ہاں تمہاری معلومات درست ہیں لیکن شاید یہ تمہیں پتہ نہیں ہو کہ سلمان صاحب جو کھانا کھا رہے تھے وہ زہریلا نہیں تھا جس گلاس میں پانی پی رہے تھے اس میں بھی زہر نہیں تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ پھر زہر ان کے جسم میں کیسے پہنچا۔ بدن پر ایسا کوئی نشان نہیں ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ زہر انجیکٹ کیا گیا ہے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق زہر حلق کے ذریعے ہی معدے تک پہنچا ہے۔"

میں نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر زہر حلق کے ذریعے معدے تک پہنچا ہے تو پھر کھانے کو زہریلا ہونا چاہئے؟"

"اور کھانا زہریلا نہیں تھا۔ آگے چل کر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کہتی ہے کہ سلو پوائزن ہے یعنی سلمان صاحب کو آہستہ آہستہ زہر دیا گیا ہے۔ اس رپورٹ کے پیش نظر ان کے باورچی کو حراست میں لیا گیا ہے اور اس سے طرح طرح کے سوالات کئے گئے ہیں اور اس پر زیادتی بھی کی گئی اور باورچی خانے کو پوری طرح کھنگالا گیا۔ ہر طرح سے اطمینان کیا گیا لیکن نہ تو کہیں سے زہر برآمد ہوا اور نہ ہی وہ باورچی یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس نے اپنے مالک کو زہر دیا ہے۔ سلمان صاحب کے پورے خاندان والوں کا بیان ہے کہ وہ باورچی نہایت ہی ایماندار ہے اور سلمان صاحب کا بہت ہی

پرانا وفادار ملازم ہے اس سے ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔"

"تو پھر اس باورچی کی لاعلمی میں کوئی اور شخص وہاں آکر سلمان صاحب کے کھانے میں تھوڑا سا زہر ملا دیتا ہوگا۔"

"ایسا کون کرسکتا ہے؟ ایک بار کسی کو موقع مل سکتا ہے۔ دوسری بار موقع مل سکتا ہے لیکن ہر روز ان کے کھانے میں تھوڑا سا زہر ملا دیا جائے اور کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کسی بھی مجرم کے لئے ایسے مرحلے آسان نہیں ہوتے۔"

میں چپ چاپ سوچنے لگا۔ میرا دماغ اس گمنام شخص کی طرف جارہا تھا جس نے قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ پہلی بار اس نے سلمان صاحب کو زخمی کر کے چھوڑ دیا تھا۔ دوسری بار اس نے آہستہ آہستہ انہیں کچھ اس طریقے سے زہر دیا تھا کہ طریقہ کار سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

دوسرے دن میں نے جیل میں جا کر سلمان صاحب کے باورچی سے ملاقات کی اور اس سے کئی طرح کے سوالات کئے۔ ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا۔ سلمان صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ ان کا سر چکرانے لگتا ہے اور کبھی کبھی کوئی چیز کھاتے وقت کڑواہٹ سی محسوس ہوتی ہے۔ میں نے اپنی پکائی ہوئی چیزوں کو خود چکھا لیکن کڑواہٹ نہیں تھی۔ پھر یہ کہ پانچ چھ دن کے بعد انہوں نے ایک ڈاکٹر کے پاس جا کر شکایت پیش کی۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا کچھ دوائیں دیں مگر مالک کی یہ شکایت برقرار رہی کہ اب وہ بہت کمزوری محسوس کرنے لگے ہیں اور ان کا سر برابر چکراتا ہے۔ تب ڈاکٹر نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے خون اور پیشاب وغیرہ کو ٹیسٹ کروائیں۔ مالک کو چاہئے تھا کہ وہ فوراً ڈاکٹر کے مشورے پر عمل کرتے لیکن وہ ہمیشہ ہی اپنے علاج کے سلسلے میں لاپرواہ رہے تھے۔ اس بار بھی انہوں نے لاپرواہی دکھائی۔ تین چار دن تک ٹالتے رہے کہ وہ خون ٹیسٹ کرانے کے لئے جائیں گے اسی دوران ان کا انتقال ہوگیا یا انہیں ہلاک کردیا گیا۔

باورچی کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد میں دفتر میں آیا اور اس کیس کے فائل کو ابتدا سے پڑھنے لگا اور پڑھنے کے دوران ایک ایک کردار پر غور کرنے لگا۔ بہت دیر تک اس فائل کا مطالعہ کرتے رہنے کے بعد آخر میں نے اسے بند کردیا۔ اب میرے

ذہن میں ایک تدبیر آئی اور وہ یہ کہ میں اس بار خود مجرم کا شکار بنوں اور اپنے لئے اس کے دل میں رقابت پیدا کروں۔ اگر وہ رقابت کی بنا پر ہی ہلاک کرتا ہے اور جمالو کو کسی کے قریب برداشت نہیں کرسکتا تو اب میں جمالو کے قریب رہوں گا۔

دوسری صبح میں سکول کی طرف گیا۔ وہ سکول بند پڑا تھا۔ آس پاس کے لوگوں سے پتہ چلا کہ سلمان صاحب کے سوگ میں ایک ہفتے کے لئے ان کے تمام سکول بند رہیں گے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد میں موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے چھوٹو بھائی کے مکان کے سامنے پہنچ گیا۔ وہاں موٹر سائیکل کھڑی کی۔ پھر بے دھڑک دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھولنے والی جمالو تھی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی جلدی سے سر پر آنچل رکھا۔ پھر دوسری طرف منہ گھما کر بولی۔ "وہ گھر پر نہیں ہیں۔ اپنی دکان میں مل سکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "میں ان سے نہیں تم سے ملنے آیا ہوں۔"

"معاف کیجئے گا میں ان کی غیر موجودگی میں کسی سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔"

وہ دروازہ بند کرنا چاہتی تھی۔ میں فوراً ہی بیچ میں آگیا۔ وہ پیچھے ہٹ کر بولی۔

"یہ کیا حرکت ہے۔ کیا آپ زبردستی میرے مکان میں گھسنا چاہتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "ہاں! میں ایسا کیوں کروں گا۔ یہ سن لو۔ پہلی سچائی تو یہ ہے کہ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔ تمہیں بھولنا چاہتا ہوں بھلا نہیں سکتا۔ تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں حاصل نہیں کرسکتا۔ تم نے مجھے دیوانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ تمہارے بغیر جب میں زندہ نہیں رہ سکتا تو کیوں نہ اس مجرم کو دعوت دوں کہ وہ سلمان صاحب کی طرح اور رفیق الدین کی طرح مجھے بھی قتل کردے اور وہ اسی وقت قتل کرے گا جب میں اس کے دل میں رقابت پیدا ہوگی اور وہ مجھے تمہارے قریب دیکھا کرے گا۔"

میں بے تکان کہتا جارہا تھا اور وہ حیرانی سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میرا منہ تک رہی تھی۔ پھر بولی۔ "آپ پاگل ہوگئے ہیں۔ آپ یہاں سے چلے جائیے۔ ٹھنڈے دماغ سے غور کیجئے اور اپنی امی سے مشورہ لیجئے۔ بچکانہ باتیں ہیں کہ آپ میری خاطر خود کو اس پاگل، گمنام شخص کا نشانہ بنائیں گے۔ میں آپ کو ایسا کرنے کی ہرگز اجازت

نہیں دوں گی۔"

میں نے کہا۔ "تم اپنی ذات سے محبت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتیں۔ مگر مجھے مرنے کی اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری اجازت کے بغیر بھی تم پر مرتا رہا ہوں اور مرتا رہوں گا بلکہ بہت جلد مر کر دکھاؤں گا۔"

"آپ کے پاگل پن کا علاج میرے پاس نہیں ہے آپ جا سکتے ہیں۔"

"ہاں میں جا رہا ہوں لیکن اتنا سن لو کہ آج شام سے ہر روز میں تمہاری اس چلمن کے سامنے آ کر کھڑا رہوں گا اور تمہیں دیکھنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ تمہارا شوہر اور تم مجھے اس دروازے پر آنے سے روک سکتے ہو لیکن اس گلی میں کھڑے ہونے سے نہیں روک سکتے مجھے محبت کرنے کا حق ہے اور میں اپنا یہ حق ضرور حاصل کرتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر میں وہاں سے چلا آیا۔ اسے اپنی باتوں پر سوچنے اور تلملانے کے لئے چھوڑ دیا۔ میری یہ ترکیب بہت عمدہ تھی ایک تو یہ کہ جمالو کے قریب رہنے اور اس کا طلب گار بنتے رہنے سے وہ دیوانہ مجرم میرے پیچھے پڑ جاتا۔ اس طرح میں اس مجرم کے قریب پہنچنے لگتا۔ دوسری بات یہ تھی کہ جمالو جو اپنے سینے میں دل کی جگہ پتھر رکھتی تھی وہ اب میرے متعلق سوچنے پر مجبور ہو گی۔ وہ اس طرح کہ پہلے انسانیت کے ناطے یہ سوچے گی اور سہمے گی کہ سلمان راشد کی طرح میرا بھی انجام نہ ہو۔ ہمدردی کے طور پر ہی سہی۔ کسی نہ کسی بہانے میں اس کے خیالوں میں موجود رہوں گا اور وہ دھڑکتے ہوئے دل سے میرے متعلق سوچتی رہے گی اور بار بار چلمن کی طرف دیکھتی رہے گی۔ ہر شام اسے غیر شعوری طور پر میرا انتظار رہے گا۔

اس شام میں نے اپنی ضد پوری کی۔ جب اس دیوار کے پاس آیا تو بلب کی روشنی کے باعث چلمن کا سایہ دیوار پر پڑ رہا تھا میں وہاں پہنچا تو وہ سایہ مجھ پر پڑنے لگا میں نے دیکھا چلمن کے پاس کمرہ خالی خالی نظر آ رہا تھا۔ وہ موجود نہیں تھی۔ شاید اب چلمن کے سامنے آنا نہیں چاہتی تھی میں نے سوچا کہ کب تک نہیں آئے گی۔ ان کے گھریلو حالات سے اس حد تک واقف ہو گیا تھا کہ جمالو کی مجبوری کو سمجھ سکتا تھا اور مجبوری یہ تھی کہ وہ چلمن والا کمرہ جمالو کا تھا اور وہاں جمالو کی ضروریات کی ہر چیز تھی

وہ کسی دوسرے کمرے میں جا کر اپنی ضرورت پوری نہیں کر سکتی تھی کسی بھی چیز کے لئے اسے اس کمرے میں آنا ہی پڑتا۔

اور وہ آ گئی۔ پہلے مجھے چلمن کے پار اس دیوار پر اس کا سایہ نظر آیا وہ کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے سوچ رہی ہو جھجک رہی ہو۔ پھر وہ دبے قدموں آگے بڑھی۔ اسے اس بات کا ہوش نہیں تھا کہ دیوار پڑنے والے سائے کے ذریعے میں اس کی حرکتوں کو سمجھ سکتا ہوں۔ وہ چلمن کے پاس آئی تھی پھر چلمن کے پار مجھے دیکھتے ہی کمرے سے کوئی چیز اٹھا کر بھاگ گئی۔

یہ اس کی شوخی نہیں تھی۔ دل لگی نہیں تھی۔ حالات کی مجبوری تھی اور یہ مجبوری خاصا رومان پیدا کر رہی تھی۔ اسے میری طرف سے جھجکنے اور شرمانے پر مجبور کر رہی تھی۔ یہی شرم یہی جھجک یہی سوچ رفتہ رفتہ میرے لئے کوئی اور صورت اختیار کرنے والی تھی اور اس کا مجھے یقین تھا۔

اس روز جمالو کو چھیڑنے میں بڑا مزہ آیا میں دل ہی دل میں یہ دعا مانگ رہا تھا کہ اس کا شوہر چھوٹو بھائی کہیں نہ آدھمکے وہ آئے گا تو پھر میرے وہاں کھڑے رہنے پر اعتراض کرے گا۔ میں اس کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جمالو سے لڑتا رہتا تھا اس پر شک کرتا تھا۔ کبھی کبھی میرا دھیان اس طرف جاتا کہ ممکن ہے یہ سارا جرم وہی کر رہا ہو کیونکہ جب وہ جمالو پر شک کرتا تھا تو یقیناً اپنے رقیبوں کو بھی راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہو گا۔ اس نے ایسے منصوبے بنائے ہوں گے کہ جن پر عمل کر کے سانپ بھی مر جاتے ہوں گے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹتی ہو گی۔

میں نے اس پہلو سے بہت غور کیا کہ چھوٹو بھائی جیسا دبلا پتلا کمزور اور بزدل آدمی کیسے قاتل بن سکتا ہے۔

یوں سوچا جا سکتا تھا کہ اس نے کرائے کے بدمعاشوں سے رابطہ رکھا ہو گا ان کے ذریعے ہی اس نے سلمان راشد صاحب پر حملہ کرایا ہو گا اور ان کے ذریعے ہی زہر دیا ہو گا اور انہی کے ذریعے اس نے رفیق الدین کو بھی قتل کرایا ہو گا۔ ایسا ممکن ہے۔

ممکن ہو سکتا تھا' لیکن ایک نکتہ ایسا تھا جس کو سمجھنا ضروری تھا اور وہ یہ کہ

سلمان راشد کے کھانے پینے کی چیزوں میں زہر کس طرح ملایا گیا اور روز تھوڑا تھوڑا زہر کس نے دیا ہوگا۔ چھوٹو بھائی یا اس کا کوئی آدمی روز سلمان راشد کے کچن میں نہیں جاسکتا تھا۔ روز یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ پھر وہ ہاتھ کس کا ہے جو نامعلوم طریقے سے سلمان راشد کے حلق سے روز تھوڑا تھوڑا زہر اتارتا رہا۔ اس نکتے پر سوچتے وقت چھوٹو بھائی پر شبہ کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا اس کے باوجود اس پر شبہ قائم رہتا تھا۔

دوسری شام کو پھر میں چلمن کے پاس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اسی وقت امی نے مجھے بلا کر کہا۔ "تم وہاں نہیں جاؤ گے۔"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "کہاں نہیں جاؤں گا؟"

"وہیں جہاں تم کل گئے تھے۔"

میں نے پھر حیرانی سے انہیں دیکھا۔ "میں کل کہاں گیا تھا یہ آپ کیسے جانتی ہیں؟"

"ایسے کہ جمال آفرین میرے پاس آئی تھی وہ رو رہی تھی اور شکایتیں کر رہی تھی۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہی شکایت کی ہوگی کہ میں اسے بدنام کر رہا ہوں۔"

وہ سخت لہجے میں بولیں۔ "کیا یہ اچھی بات ہے کہ تم پرائی عورت کو بدنام کرنا چاہتے ہو اور یہ تمہاری نظروں میں جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ امی میں اپنے فرض سے مجبور ہو کر ایسا کر رہا ہوں۔"

"میں سب سمجھتی ہوں۔ جمال آفرین کو اس بات کی فکر ہے کہ تم اس کی وجہ سے خود کو خطرے میں ڈال رہے ہو اور یہ میں سن چکی ہوں کہ اس کی وجہ سے دو قتل ہو چکے ہیں اور وہ یہ اندیشہ ظاہر کر رہی تھی کہ خدانخواستہ تیسرا قتل تمہارا ہوگا۔ نہیں بیٹے' میرے بڑھاپے پر رحم کرو۔ میں نے تمہیں بڑی مصیبتوں سے پالا ہے۔ اعلیٰ تعلیم دلائی ہے تمہیں اس قابل بنایا ہے۔ اب اتنی بڑی دنیا میں مجھے تنہا چھوڑنے کے لئے اپنے کسی دشمن کو نہ للکارو۔"

امی اپنی ممتا کے سامنے قانونی فرائض کو بھی نہیں سمجھ سکتی تھیں انہیں سمجھانا گویا وقت ضائع کرنا ہوتا۔ اس لئے میں نے جھوٹا وعدہ کر لیا کہ اب اِدھر چلمن کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ اس وقت میں ایک کیس کے سلسلے میں تحقیقات کے لئے جا رہا ہوں۔

میں ان سے جھوٹ بول کر پھر چلمن کے سامنے پہنچ گیا۔ چلمن سے میرا فاصلہ کوئی چھ گز کا رہتا تھا اور اندر کمرے کا سارا منظر نظر آ رہا تھا۔ کمرے کا جو حصہ چھپا ہوتا تھا وہاں سے گزرنے والے کا سایہ سامنے والی دیوار پر پڑتا تھا۔ اس طرح میں جمالو کی بہت سی حرکات و سکنات کو باہر سے دیکھ سکتا تھا۔ اس روز بھی وہ پریشان رہی۔ شاید اسے توقع تھی کہ امی کے سمجھانے کے بعد میں اِدھر نہیں آؤں گا' لیکن اس کی توقع کے خلاف میں پھر نظر آ رہا تھا۔ وہ شاید شرماتے ہوئے یا پھر بدحواسی میں ایسی ایسی حرکتیں کرتی تھی کہ وہ حرکتیں ادائیں بن جاتی تھیں۔ دل لوٹ لیتی تھی۔ رومانس کے لئے راستے ہموار ہو جاتے تھے اور وہ سمجھ نہیں سکتی کہ اس کی ایسی حرکتوں سے باہر کھڑے ہونے والے کے دل پر کیا گزر رہی ہے کس طرح مزید پُرکشش بنتے ہوئے اور بھی دل و دماغ پر چھا رہی ہے۔

دوسرے دن میں دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی میں نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے ایک بھاری بھرکم سی آواز سنائی دی۔ اس آواز کو سنتے ہی پتہ چلا کہ کوئی اصلی آواز میں نہیں' بلکہ آواز بنا کر بول رہا ہے اور وہ بول رہا تھا "مسٹر شہریار تمہارا آخری وقت آ پہنچا ہے میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہاری بوڑھی ماں تمہارے بعد اس دنیا میں اکیلی رہ جائے۔ اگر تم اپنی ماں کی خاطر زندہ رہنا چاہتے ہو تو آئندہ جمالو کی گلی سے بھی نہ گزرنا ورنہ انجام کیا ہوگا یہ تمہیں پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے۔"

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا اور اسے باتوں میں الجھا کر معلوم کرتا کہ اس نے کہاں سے فون کیا ہے۔ دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا۔ میں ہیلو ہیلو کہہ کر چیختا رہا۔ کریڈل کھٹکھٹاتا رہا مگر رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ میں نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ میری تدبیر کا خاطر خواہ نتیجہ نکل رہا تھا۔ وہ دشمن اب میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ میں اس کی

آواز پر غور کرنے لگا۔ میری نگاہوں کے سامنے چھوٹو بھائی کی صورت تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا وہی آواز بنا کر بول رہا تھا۔ اگر وہ اس طرح سے گھمبیر آواز بنائے اور حلق کے بل پر بولے تو کیا اس کی آواز ایسی ہی ہوگی جیسی کہ میں نے ابھی فون پر سنی تھی۔

میں چھوٹو بھائی کا رقیب تھا کیونکہ جمالو سے دلچسپی لے رہا تھا اور چھوٹو بھائی میرے راستے کا پتھر تھا کیونکہ وہ جمالو کا مجازی خدا تھا۔ ایسی صورت میں وہ میرا دشمن تو تھا ہی میں بھی غیر شعوری طور پر اسے دشمن سمجھ کر اس کے متعلق سوچنے لگتا تھا کہ یہ ساری مجرمانہ حرکتیں چھوٹو بھائی کی ہی ہو سکتی ہیں۔ اس دشمنی اور رقابت کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں کسی دوسرے تیسرے شخص پر شبہ کر نہ سکا ہمیشہ میرا دماغ چھوٹو بھائی کے گرد گھومتا رہا۔

☆======☆======☆

شام کو میں دفتر سے اٹھ کر چھوٹو بھائی کے ڈینٹل کلینک میں گیا۔ چھوٹو بھائی نے مجھے دیکھتے ہی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے اپنے ویٹنگ روم میں بیٹھنے کے لئے کہا۔ کیونکہ اندر وہ ایک مریض کے دانتوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ دانتوں کا معائنہ کرنے کے دوران وہ پارٹیشن کے دوسری طرف سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ میں اسے باتیں کرنے پر مجبور کر رہا تھا کیونکہ میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ اگر چھوٹو بھائی کی یہ آواز گھمبیر تا میں بدل جائے تو کیسے لگے گی۔

میں صحیح اندازہ نہ لگا سکا۔ اس نے میرے لئے سامنے والے ہوٹل سے چائے منگوائی۔ اس دوران وہ مریض سے نمٹ چکا تھا اور میرے سامنے آکر بیٹھ گیا تھا۔ میں نے چائے پینے کے دوران پوچھا۔ "اب تو سکون ہوگا وہ دشمن اب آپ کو یا جمالو کو دھمکی آمیز خط نہیں لکھتا ہوگا؟"

وہ سر ہلا کر بولا۔ "ہاں ابھی سکون ہے ' رفیق الدین اور سلمان راشد کے قتل کا چرچا کچھ ایسا ہوا ہے اور اس قتل کے سلسلے میں میری بیوی کے عشق کی داستان ایسے مشتہر ہوئی ہے کہ ایک طرف میری بدنامی تو ہوئی لیکن دوسری طرف یہ فائدہ ہوا کہ اب کوئی میری بیوی سے عشق کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔"

میں نے کہا۔ "محبت تو اندھی ہوتی ہے عشق آگ میں کود جاتا ہے۔ اگر ایسا ہی دیوانہ عاشق پھر کوئی جمالو کے پیچھے پڑ جائے تو؟"

وہ لاپروائی سے بولا۔ "میرے باپ کا کیا جاتا ہے وہ اپنی جان سے جائے گا اور اگر اس سلسلے میں تیسرا قتل ہوا تو پھر یہ دہشت اور بیٹھ جائے گی۔ اس کے بعد تو مجھے یقین ہے کہ کوئی میری بیوی کی طرف نظریں اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

میں نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہوں اچھی تدبیر ہے۔"

وہ ایک دم سے چونک گیا۔ کسی قدر پریشان ہو کر اس نے پوچھا۔ "کیا مطلب ہے، کیسی تدبیر؟"

"مطلب یہ کہ وہ دیوانہ عاشق یہی چاہتا ہے کہ قتل کرتے ہوئے ایسی دہشت پھیلا دے کہ پھر کوئی آپ کی بیوی کی طرف نظریں اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور ہمیشہ کے لئے اطمینان ہو جائے۔"

اس نے ذرا ناگواری سے کہا۔ "اسے کیا خاک اطمینان ہو گا۔ اب ہر طرف سے مطمئن ہو جائے گا تو پھر میرے پیچھے پڑ جائے گا کہ میں اس کی خاطر جمالو کو چھوڑ دوں، ہو سکتا ہے کہ وہ آخری قتل میرا کرے کیونکہ میرے بعد تو کوئی اس کا رقیب یا دشمن نہیں رہے گا۔"

میں نے کہا۔ "آپ نے ایک جمالو کی خاطر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال رکھا ہے اور یہ بات یقینی بھی ہو سکتی ہے کہ وہ آپ کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔ تو ایسی صورت میں آپ جمالو کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔"

اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکا سا غصہ جھلک رہا تھا۔ میں نے جلدی سے کہا۔ "دیکھئے، برا ماننے کی بات نہیں ہے۔ میں ایک بات سمجھا رہا ہوں کہ دنیا میں عورتوں کی کمی نہیں ہے۔ ایک کے بعد ہزار عورتیں مل جاتی ہیں لیکن ایک کے بعد دوسری زندگی نہیں ملتی۔ یہ میرا سمجھانے کا کام تھا۔ میں نے سمجھا دیا۔ ویسے آپ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ........."

میں بات ادھوری چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا۔ "ہمارے درمیان کچھ تلخی ہو گئی۔ میری طرف سے اگر کوئی بات ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

میں نے کہا۔ "نہیں میں نے ہی شاید آپ کو غصہ دلا دیا۔ بہر حال ہم پھر بھی دوست ہیں۔" یہ کہہ کر میں نے اس سے مصافحہ کیا پھر وہاں سے سیدھا چلمن کی طرف چلا آیا۔ کیونکہ شام ہو چکی تھی۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور جمالو کی ادائیں مجھے پکار رہی تھیں۔

لیکن چلمن کے سامنے پہنچتے ہی میرا سارا رومانس غارت ہو گیا۔ میں نے آنکھیں

پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ چلمن کے پیچھے جو سایہ نظر آتا تھا وہ کچھ بدلا ہوا سا تھا۔ وہ جمالو نہیں تھی میں نے پھر غور سے پلکیں جھپک جھپک کر دیکھا تو ایک دم میرے ذہن کو شدید جھٹکا سا لگا کیونکہ چلمن کے پیچھے میں نے اپنی امی کو پہچان لیا تھا۔

میری نظریں جھک گئیں۔ پردہ کیا ہوتا ہے۔ اس لمحے مجھے پتہ چلا۔ اس لمحے مجھے یہ معلوم ہوا کہ چادر اور چلمن زیادہ ضروری نہیں ہیں۔ کیونکہ پردہ اور شرم مرد کی آنکھوں میں ہونی چاہئے۔ جب ہماری نظریں اپنی ماں کے سامنے جھک سکتی ہیں بہن اور بیٹی کے سامنے جھک سکتی ہیں تو کسی دوسری عورت کے سامنے ان آنکھوں کی شرم کہاں چلی جاتی ہے۔ جب وہ شرم چلی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا پردہ بھی چلا جاتا ہے۔ ورنہ عورت کو ہزار چلمنوں کے پیچھے رکھا جائے تب بھی ہماری آنکھیں تیر کی طرح اس عورت تک پہنچ جائیں گی اور پہنچ جایا کرتی ہیں۔

چلمن کے پیچھے سے امی کی آواز سنائی دی۔ "بیٹے اِدھر آؤ۔"

میں کانپتے ہوئے قدموں سے دھیرے دھیرے چلتا ہوا چلمن کے قریب پہنچ گیا۔ انہوں نے کہا۔ "اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک تم پردے کی شرم نہیں رکھو گے۔ اس وقت تک میں روز شام کو یہاں آ کر اس چلمن کے پیچھے بیٹھوں گی اور دیکھوں گی کہ ایک بیٹا اپنی ماں کو چلمن کے پیچھے کیسے دیکھتا ہے۔ اگر تمہیں ذرا بھی شرم آئی ہو تو سیدھے گھر جاؤ۔ میں جمالو سے بات کرنے کے بعد ابھی آ جاؤں گی۔"

میں کچھ نہ کہہ سکا۔ شرمندگی سے سر ایسا جھکا ہوا تھا کہ اٹھا نہیں سکتا تھا۔ میں جھکے ہوئے سر کے ساتھ وہاں سے چلا آیا۔ میں نے تہیہ کر لیا کہ اب کبھی چلمن کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ ویسے اب اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی کیونکہ میں نے اس دیوانے عاشق کو یا دشمن کو اپنے پیچھے لگا لیا تھا۔

میں سوچتا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔ وہاں تھوڑی دیر تک ایک کرسی پر بیٹھا سگریٹ کا کش لگاتا رہا اور شرمندگی سے کبھی امی کے متعلق سوچتا رہا اور کبھی جمالو کے متعلق کہ اب اسے کبھی نہیں دیکھ سکوں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی میں سمجھ گیا کہ امی واپس آ گئی

ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر سہم کے دروازے کی چٹخنی گرائی۔ اسے کھولنا ہی چاہتا تھا کہ یکبارگی زور سے دروازے کو ایسا جھٹکا دیا گیا کہ وہ دروازہ میرے منہ پر لگا میں لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ میں سنبھل کر آگے بڑھتا۔ دو آدمیوں نے آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ کیا۔ ایک کے ہاتھ میں چھوٹا سا لکڑی کا مضبوط ڈنڈا تھا۔ وہ ڈنڈا میرے سر پر پڑا تو آنکھوں میں تارے ناچ گئے میں نے باقاعدہ اپنے محکمے کی ٹریننگ حاصل کی تھی۔ اتنی آسانی سے زیر نہیں ہو سکتا تھا۔ شدید تکلیف کے باوجود میں آگے بڑھ کر دشمن سے لپٹ گیا۔ خیال تھا کہ اسے لپیٹ کر اور تیزی سے گھما کر دوسرے دشمن پر پھینک دوں لیکن اس سے پہلے ہی دوسرے دشمن نے پیچھے سے ایک ڈنڈا میرے سر پر رسید کیا تو اب تکلیف برداشت نہ ہوئی۔ میری گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ جسے میں نے اپنی گرفت میں لیا تھا اسے دیکھا وہ اپنی انگلیوں میں فولادی نکل پہنے ہوئے تھا یعنی وہی فولادی گھونسہ جس سے سلمان راشد کو بری طرح زخمی کیا گیا تھا۔

میرا سر چکرا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے اس قدر اندھیرا چھا رہا تھا کہ سامنے والا آدمی بھی اب میری آنکھوں کے سامنے گم ہو رہا تھا۔ تب ہی میرے جبڑے پر شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ ایسا لگا کہ جبڑے اپنی جگہ سے ہل کر گر پڑے ہوں اور میرا چہرہ آدھا رہ گیا ہو۔ پھر اسی طرح دوسرا حملہ ہوا۔ اس کے بعد تو مجھے ہوش نہ رہا۔ میں تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ہسپتال کے ایک بستر پر دیکھا۔ بستر کے ایک طرف امی کھڑی رو رہی تھیں اور ان کے ساتھ چھوٹو بھائی کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ دوسری طرف ڈاکٹر میری نبض تھامے ہوئے تھا اور اس کے ساتھ نرس کھڑی ہوئی تھی۔ پھر اس نے مجھے مسکر کر دیکھا اور میری امی سے بولا۔ "لیجئے آپ پریشان ہو رہی تھیں آپ کا بیٹا ہوش میں آگیا ہے اور میں نے کہا تھا نا گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر نرس کے ساتھ چلا گیا۔ امی فوراً ہی میرے اوپر آئیں اور میرے چہرے کو چوم لیا۔ پہلے وہ میری پیشانی چومتی تھیں لیکن وہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سر سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ وہ مجھے چومنے کے

دوران کہتی رہیں۔ "میں اسی دن کے لئے منع کرتی تھی کہ دشمنوں کو نہ چھیڑو۔ بیٹا میں جانتی ہوں کہ تم بہادر ہو اور تمہارے ساتھ قانون ہے لیکن تم ایسے مجرموں سے نمٹ سکتے ہو جو نظر آتے ہیں جو نظر نہ آتے ہوں ان کا تم کیا بگاڑ لو گے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ کس نے تم پر حملہ کیا۔ وہ کون لوگ تھے۔ کیا تم جانتے ہو؟"

میں نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔ "امی آپ اطمینان رکھیں۔ اب کوئی مجھ پر ہاتھ نہیں اٹھا سکے گا۔ میں ہسپتال سے نکلتے ہی اس دشمن سے نمٹ لوں گا۔"

چھوٹو بھائی نے قریب آکر میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ "مسٹر شہریار میں آپ سے کیا کہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ نے خواہ مخواہ موت کو دعوت دی ہے۔ آپ کی یہ ضد ہے کہ آپ میرے گھر کی عزت سے کھیلیں گے اور میں ایک ماں کے دکھ کو بھی سمجھتا ہوں ان کے آنسو دیکھ نہیں سکتا میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کی امی کی خاطر میں جمالو کو آپ کے لئے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤں گا مگر آئندہ آپ ایسی حرکت نہ کریں۔"

امی نے چھوٹو بھائی سے کہا۔ "نہیں تم بھی میرے بیٹے جیسے ہو اور تمہارے گھر کی عزت میری عزت ہے۔ میں کبھی یہ نہیں چاہوں گی کہ میرا بیٹا آئندہ اِدھر کا رخ کرے۔ دوسری بات یہ کہ تم اتنی اچھی بیوی کو کیوں چھوڑو گے۔ کبھی ایسی بات نہ کرنا۔ شریف آدمی ساری عمر اپنی بیوی کا ساتھ نبھاتے ہیں۔"

میں چپ چاپ ان کی باتیں سنتا رہا۔ پھر تکلیف سے کراہنے لگا۔ میرے جبڑے دُکھ رہے تھے اور ایک طرف دانت میں بڑی سخت تکلیف تھی چھوٹو بھائی نے پوچھا۔ "کیا ہوا؟ کیا تکلیف زیادہ ہے؟"

میں نے کہا۔ "ہاں' میرے جبڑے دکھ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کہیں سے میرے دانت ہل گئے ہیں۔ بڑی تکلیف ہو رہی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہسپتال سے چھٹی ہو گی تو میں آپ کے دانتوں کی ساری تکلیف دور کر دوں گا۔ بس دس پندرہ منٹ لگیں گے اور آپ کے دانت پھر سے مضبوط ہو جائیں گے۔"

وہ تھوڑی دیر تک اپنی مہارت اور تجربے کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس کے بعد

امی کے ساتھ ہسپتال سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سوچا۔ یہ کیا یہ تو بالکل اسی طرح کا واقعہ ہو رہا ہے۔ جیسا سلمان راشد کے ساتھ ہوا یعنی اسے بھی زخمی کر کے دو بدمعاشوں نے چھوڑ دیا تھا اور زخمی اس طرح کیا تھا کہ جبڑے پر زیادہ ضربیں لگائی تھیں تا کہ دانت ہل جائیں یا دُکھنے لگیں میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ان دو بدمعاشوں نے میرے جبڑے پر سخت ضربیں لگائی تھیں اور مجھے بے ہوش کرنے کے بعد بھاگ گئے تھے۔ وہ چاہتے تو مجھے قتل کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اب میں سلمان راشد کی طرح چھوٹو بھائی کے پاس اپنے دانتوں کے علاج کرانے کے لئے جانے والا تھا۔ علاج تو میں کسی بھی دندان ساز کے ہاں جا کر کرا سکتا تھا لیکن تعلقات کی بات ہوتی ہے۔ سلمان راشد کا تعلق بھی جمالو کے ذریعے چھوٹو بھائی سے تھا۔ اچھا میل جول رہا تھا۔ اسی طرح میرا بھی تعلق چھوٹو بھائی سے تھا۔ تو میں چھوٹو بھائی کے پاس ہی جاتا۔ اس بات کو شاید چھوٹو بھائی بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ سلمان راشد ہو یا شہریار وہ تعلقات کی بنا پر اسی کے پاس اپنے دانتوں کی تکلیف دور کرانے آئیں گے۔

میں اسی نکتے پر غور کرنے لگا کہ میرے اور سلمان راشد کے واقعات بالکل ایک جیسے ہیں اور مجھے اب اس مقتول کی طرح چھوٹو بھائی کے پاس جانا ہو گا کیونکہ جانا ہو گا کیا ضروری ہے کہ میں اس کے پاس دانتوں کی تکلیف دور کرانے جاؤں۔ کیوں نہ میں کسی دوسرے ماہر دندان ساز کے پاس جاؤں۔

میں بہت دیر تک اس مسئلے پر غور کرتا رہا۔ پھر میرے دماغ نے سمجھایا کہ یہی موقع ہے مجھے چھوٹو بھائی کے پاس جانا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کیا تماشا ہوتا ہے۔

دوسرے دن مجھے ذرا آرام ملا تو میں نے ہسپتال میں ہی بیٹھ کر اس کیس کی رپورٹ کو ایک نئے زاویے سے لکھا۔ پھر آئندہ بھی کیا ہونا چاہئے۔ اس کی پوری تفصیل پیش کی اور وہ تحریری رپورٹ میں نے ڈائریکٹر آف انٹیلی جنس کے پاس پہنچا دی۔ مجھے ہسپتال سے چھٹی نہیں ملی تھی۔ میں چپ چاپ وہاں سے نکل کر دفتر پہنچ گیا تھا۔ میرے آفیسر نے تمام رپورٹ پڑھنے کے بعد حیرانی سے مجھے دیکھا۔ پھر کہا۔ "آپ کی باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں لیکن رپورٹ کے اس آخری حصے پر عمل کرنا مشکل ہے۔"

"کیوں مشکل ہے؟"

"اس لئے کہ سلمان راشد کے رشتہ دار اس بات پر اعتراض کریں گے۔ وہ نہیں چاہیں گے کہ لاش کو دوبارہ قبر سے نکالا جائے۔"

"جناب مجرم تک پہنچنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔ اگر مقتول کے رشتہ دار اعتراض کر سکتے ہیں تو پھر انہیں بتایا نہ جائے۔ چپ چاپ قبر سے لاش کو نکال کر بھی ہم اپنی تسلی کر سکتے ہیں۔ میری رپورٹ کی روشنی میں یہ نہایت ضروری ہے۔"

میرے آفیسر نے کچھ سوچنے کے بعد سر ہلا کر کہا۔ "اچھی بات ہے میں تمہاری بات پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ تمہاری رپورٹ پر کس حد تک عمل ہو سکتا ہے۔"

میں ہسپتال واپس آ گیا۔ اسی شام ڈاکٹر نے چھٹی دے دی۔ پھر اس کے تین دن کے دوران میں چھوٹو بھائی کے کلینک جاتا رہا اور وہ میرے دانتوں کا معائنہ کرتا رہا۔ تین دن بعد جب جبڑے کی تکلیف کم ہو گئی۔ دانتوں میں درد نہ رہا تو چھوٹو بھائی نے کہا کہ دوسرے دن صبح وہ میرے دانتوں میں بھرائی کرے گا جس کے بعد ہلنے والے دانت اپنی جگہ مضبوطی سے جم جائیں گے اور مجھے آئندہ دانتوں کی تکلیف نہیں ہو گی۔

دوسرے دن میں وقت مقررہ پر وہاں پہنچا۔ میں جب ڈینٹل کلینک کے اندر گیا تو اس وقت انٹیلی جنس اور پولیس کے آدمی کلینک کے قریب پہنچ چکے تھے جب چھوٹو بھائی نے میرے دانتوں میں بھرائی کرنے کے لئے ایک مسالہ تیار کیا جسے ان کی زبان میں سیمنٹ کہتے ہیں تو اس کے تیار ہوتے ہی میں نے اپنی جیب سے ریوالور نکال کر اسے نشانے پر لیتے ہوئے کہا۔ "بس جو کچھ تم نے تیار کیا ہے اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹو اور دروازے کو کھول دو۔"

وہ ایک دم سے گھبرا کر بولا۔ "آپ مذاق کر رہے ہیں۔ یہ ریوالور کیوں دکھا رہے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "مجھے باتوں میں بہلانے کی کوشش نہ کرنا پیچھے ہٹ کر دروازہ کھولتے ہو یا نہیں؟ یہ کہتے ہی میں نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس کے پیٹ پر ایک لات

ماری تو وہ لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے جا کر لگ گیا۔ اس کے بعد میں نے کہا۔ "اگر تم اب بھی میرے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے تو میں گولی چلا دوں گا۔ چلو جلدی دروازہ کھولو۔"

وہ تھر تھر کانپ رہا تھا پھر اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے دروازے کو کھول دیا۔ دروازہ کھولتے ہی انٹیلی جنس کے دو آفیسر اور پولیس انسپکٹر کے ساتھ کچھ کانسٹیبل بھی اندر آ گئے۔ انسپکٹر نے آتے ہی چھوٹو بھائی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دی۔ وہ خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور اب وہ اس قابل نہیں تھا کہ کھڑا رہ سکتا۔ اس لئے وہ تھرتھراتے ہوئے زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

میں نے کہا۔ "چھوٹو بھائی ہم سب حیران تھے اور اس سلسلے میں یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ سلمان راشد کے حلق سے زہر کس طرح اترتا رہا کھانے پینے کی چیزوں میں زہر نہیں تھا۔ ان کے جسم پر بھی کوئی ایسا نشان نہیں تھا جس سے یہ سمجھا جاتا کہ زہر انجکشن کے ذریعے ان کے اندر پہنچایا گیا ہے۔ بات اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جب بالکل ویسا ہی واقعہ جو سلمان راشد کے ساتھ پیش آیا تھا میرے ساتھ بھی آنے لگا تو میں کھٹک گیا تم نے جس انداز میں سلمان راشد سے کہا تھا کہ وہ تمہارے پاس آ کر دانتوں کا علاج کرائے اسی دوستانہ انداز میں تم نے مجھے بھی اپنے ہاں بلایا ہے۔ میں نے بہت غور کیا تو میری سمجھ میں یہی آیا کہ دانتوں کی بھرائی کے لئے تم جو مسالہ استعمال کرتے ہو شاید اسی مسالے میں وہ زہر بھی ملایا جاتا ہو۔ جو بہت آہستہ آہستہ حلق کے ذریعے معدے تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلے میں میرے آفیسر نے ڈاکٹروں سے بات چیت کی۔ انہوں نے بتایا کہ ایک ایسا زہر ہے جو بہت آہستہ آہستہ اثر کرتا ہے اور کسی چیز کے ساتھ اسے خشک کر دیا جائے تو وہ خشک ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ تمہاری یہ تیار کی ہوئی سیمنٹ دانتوں کے خلا میں پہنچ کر خشک ہو جاتی ہے۔ دانتوں کو مضبوط کر دیتی ہے۔ اسی طرح وہ زہر بھی اس کے ساتھ خشک ہو جاتا ہے۔

چھوٹو بھائی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک طرف گھور رہا تھا۔ اس کے دیدے ساکت ہو گئے تھے اور چہرے سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس کا دم نکلنے والا ہو۔ میں نے کہا

"وہ زہر جو دانتوں کے اس مسالے کے ساتھ خشک ہو جاتا ہے۔ اس کی تاثیر یہ ہے کہ جب گرم کھانا یا گرم چائے دانت کے اس حصے کو جا کر لگتی ہے تو وہ زہر کچھ گرمی سے پگھلتا ہے اور تھوڑا سا دانتوں میں سے رستا ہے کھانے والے کو ہلکی سی کڑواہٹ کا احساس ہوتا ہے لیکن وہ سمجھ نہیں پاتا کہ ایسی کڑواہٹ کیوں محسوس ہوتی ہے۔ سلمان راشد نے بارہا اس کڑواہٹ کا ذکر کیا اور ڈاکٹری معائنہ بھی کرایا لیکن کوئی اس چال کو نہ سمجھ سکا۔ آخر میرے اصرار پر سلمان راشد کی لاش کو دوبارہ قبر سے نکالا گیا تھا اور اس کے اس دانت کا دوبارہ طبی معائنہ کرایا گیا تو پتہ چلا کہ دانتوں میں خشک سیمنٹ کے ساتھ زہر کی ایک ذرا سی مقدار اب بھی باقی رہ گئی تھی۔ اب اس دانت کے زہر سے اس سیمنٹ کا موازنہ کرایا جائے گا۔ اس سیمنٹ کی بھی میڈیکل چیکنگ ہوگی اور اس کے بعد تم اپنا انجام سمجھتے ہو۔"

پولیس والے چھوٹو بھائی کو پولیس اسٹیشن لے گئے۔ وہاں اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اس نے بیان دیا کہ وہ اپنی حسین بیوی کے آس پاس کسی بھی غیر مرد کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر چلمن ڈالنے کے باوجود وہ مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب رفیق الدین کسی بھی بہانے جمالو کے قریب ہونے لگا تو اس نے دو خطرناک قسم کے بدمعاشوں سے رابطہ قائم کیا۔ انہیں اچھا خاصا معاوضہ دیا۔ اس کی جو مالی حالت خراب تھی اور گھریلو اخراجات پورے نہیں ہوتے تھے تو اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے ڈینٹل کلینک کی ساری کمائی ان غنڈوں میں صرف کرتا تھا۔ وہ غنڈے پہلے ہی چھوٹو بھائی کو یہ کہہ چکے تھے کہ وہ لڑائی جھگڑا کر سکتے ہیں کسی کو جسمانی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں۔ قتل نہیں کر سکتے۔ وہ اتنا بڑا جرم کبھی نہیں کریں گے۔

چھوٹو بھائی نے ان سے کہا تھا۔ ٹھیک ہے۔ وہ رفیق الدین کو صرف زخمی کر دیں۔ اس کے بعد وہ خود اس رفیق الدین سے نمٹ لے گا چھانگا مانگا میں ان دو بدمعاشوں نے لوہے کی ایک راڈ سے رفیق الدین پر حملہ کیا تھا۔ وہ صرف اسے زخمی کرنا چاہتے تھے لیکن حملہ اتنا سخت ہوگیا۔ ہاتھ اتنے بھاری پڑے کہ رفیق الدین جاں بر نہ ہو سکا۔

اس کے بعد ان بدمعاشوں نے کان پکڑ کر کہا کہ اب وہ ایسا کوئی کام نہیں کریں گے۔ چھوٹو بھائی نے سوچا کہ جمالو کے قریب آنے والوں کو کس طرح دور رکھا جائے اور کس طرح انہیں عبرت ناک سزا دی جائے کہ دوسرے خوفزدہ ہو کر پھر اس کی بیوی کے قریب نہ آسکیں۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس نے دانتوں کے ذریعہ زہر دینے کا منصوبہ بنایا اس کے لئے اس نے کرائے کے بدمعاشوں سے معقول معاوضہ پر یہ طے کیا کہ وہ بدمعاش اس کے رقیبوں کو صرف زخمی کریں گے۔ لوہے کا نکل پہن کر رقیبوں کے جبڑوں پر ایسی ضربیں لگائیں گے کہ وہ کسی داندن ساز کے پاس جانے پر مجبور ہو جائیں۔ ایسے ہی منصوبہ کے مطابق اس نے سلمان راشد کو اور مجھ کو دوستانہ انداز میں اپنے کلینک میں آنے پر مجبور کیا تھا۔

اس کا مقدمہ عدالت میں شروع ہوا۔ پھر جلد ہی سزائے موت کے حکم پر ختم ہوگیا۔ اس حکم سے پہلے ہی اس نے جمالو کو طلاق دے دی تھی۔ میرے لئے راستہ ہموار ہوگیا۔ تین ماہ کے بعد ایک شام میں پھر چلمن کے سامنے پہنچ گیا۔

جی ہاں' اب مجھے شرم نہیں آئی کیونکہ چلمن کے پیچھے بلب کی روشنی میں دو عورتوں کے سائے تھے۔ ایک جمال آفرین تھی اور دوسری میری امی۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھی تھیں۔ امی اسے میرے لئے مانگ رہی تھیں۔ جب جمال آفرین نے سر جھکا لیا اور امی نے اس کے سر پر دوپٹہ رکھا تو میں خوشی سے کھل گیا۔ اسی لمحہ میں نے عزم کیا کہ اب یہ چلمن میری ہے۔ اب اس کے سامنے کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہوگا۔

درست ہے ہم ایسا دوسروں ہی کے متعلق سوچتے ہیں۔

☆------☆------☆

کشش لازوال

ایک ایسی کشش کا احوال جو کائنات میں توازن کا سبب بھی ہے اور تباہی بھی لا سکتی ہے۔

دنیا کی ہر مقناطیسی شخصیت، ہر مقناطیسی چیز ایک روز اپنی کشش کھو دیتی ہے لیکن ایک مومن کو قتل کرنے یا ایک لاکھ مومنوں کو ہلاک کر دینے کے باوجود کلام پاک کی کشش میں کمی کیوں نہیں آتی۔

خبردار! ہوشیار!

سال رواں کی 16 جولائی سے 21 جولائی تک نظام شمسی میں قیامت خیز دھماکہ ہونے والا ہے۔

اسے محض افسانہ نہ سمجھا جائے۔ دنیا کی تمام چھوٹی بڑی رصد گاہوں کے سائنس دانوں نے اور ماہرین فلکیات نے 91 سینٹی میٹر قطر والے ٹیلی اسکوپ سے خلا میں دیکھا ہے اور ہوائی میں "مونا کیا" کے اس ٹیلی سکوپ سے بھی مشاہدہ کیا ہے' جو دنیا کی سب سے بڑی دوربین کہلاتی ہے پھر خلا میں جو رصد گاہیں بنائی گئی ہیں' ان کے ذریعے بھی تصدیق کی گئی ہے کہ 21 سیارچے ایک ایک کر کے سیارہ مشتری کی سطح پر گریں گے۔ اس کے نتیجے میں دو کروڑ میگاٹن کے برابر دھماکا اور گونج پیدا ہوگی۔

دو کروڑ میگاٹن کا حساب اس طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ پوری دنیا کے اسلحہ خانوں میں تمام ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں سے جو مجموعی دھماکے ہوسکتے ہیں' ان سے بھی کئی گناہ زیادہ گونج مشتری کی سمت سے آئے گی۔ یہ وہ گونج ہوتی ہے کہ جس سے پہاڑ لرز جاتے ہیں۔ زمین زلزلے سے اور انسانوں کے سینے دہشت سے پھٹ جاتے ہیں۔

اور زمین والوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا یہ زمینی سیارہ اس مشتری کا سب سے قریبی ہمسایہ ہے' جس کی سطح پر 16 جولائی سے 21 جولائی تک قیامت گزرنے والی ہے۔

یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کائنات میں وہ 21 سیارچے کہاں سے آگئے؟

جواب یہ ہے کہ فلکیاتی تحقیقات کے مطابق ایک سیارہ ساڑھے چار ارب سال سے کائنات میں بھٹک رہا تھا۔ 1992ء میں وہ سیارہ' مشتری کے قریب سے گزرا تھا۔

قریب سے مراد یہ ہے کہ 25 ہزار کلومیٹر کی دوری سے گزرا تھا۔ سیارہ مشتری میں اتنی زبردست کشش ثقل ہے کہ وہ منجمد گیسوں والا سیارہ سامنے آتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ یعنی اس کے 21 ٹکڑے ہوگئے۔ جبکہ ایک دل کے ٹکڑے ہزار ہوتے ہیں' کوئی یہاں گرتا ہے' کوئی وہاں گرتا ہے' لیکن وہ 21 سیارچے ایک ہی جگہ سیارہ مشتری کی سطح پر گرنے والے ہیں۔

کوئی یہ بے یقینی سے کہہ سکتا ہے کہ مشتری 25 ہزار کلومیٹر کی دوری سے ان سیارچوں کو کیسے اپنی طرف کھینچ سکتی ہے؟ ایسی بے اعتمادی سے کہنے والے نے کبھی عشق نہیں کیا ہوگا۔ کبھی تاریخ نہیں پڑھی ہوگی کہ کس طرح قلوپطرہ نے نیل کے ساحل پر رہ کر ہزاروں میل دور رہنے والے رومن شہنشاہ اور اس کے سیارچے انتھونی کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا۔

نظام شمسی کے عوامل اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ وہ سب کی سمجھ میں نہیں آتے لیکن سمجھانے کا پاکستانی طریقہ ہو تو ہر پیچیدہ بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ ایک بچے نے ماں سے پوچھا۔ "امی "م" سے؟"

ماں نے جواب دیا۔ "مرغی۔"

باپ نے اخبار سے نظریں ہٹا کر کہا۔ "مرغا۔"

بیوی نے میاں کو ناگواری سے دیکھا پھر تکرار شروع ہوگئی۔ ایک کہتی رہی۔ "مرغی" دوسرا کہتا رہا "مرغا" پھر اس نے اخبار ایک طرف پھینک کر بیوی کے بازو کو پکڑ کر کھینچا اور کھینچ کر بیڈ روم میں لے آیا۔ آہستگی سے سمجھایا۔ "اری نیک بخت! کیوں وہاں بچے کے سامنے ایک حرف کو پیچیدہ بنا رہی تھی۔ اب یہ پیچیدگی آسانی سے تیری سمجھ میں آجائے گی۔ دیکھ اگر صرف "م" لکھا جائے اور آرٹسٹ سے لکھایا جائے تو وہ "م" سانپ کی طرح پھن اٹھائے نظر آئے گی۔ ایسے وقت "م" سے مرغا ہوتا ہے اور اگر م۔ ی۔ زیر۔ یٰ اور م ساکن "میم" پورے ہجے کے ساتھ لکھا جائے تو اس "میم" سے مرغی ہوتی ہے۔ مونث کی پہچان یہی ہے کہ آسانی سے اس کے ہجے کر دیئے جاتے ہیں۔"

ماہرین نفسیات اس لئے فیس زیاہ لیتے ہیں کہ انہیں انسانی دماغوں میں گھس کر

سمجھانے کا سلیقہ آتا ہے۔ بہرحال کوشش یہی ہوگی کہ نظام شمسی کی پیچیدگیوں کو بڑی وضاحت سے' نہایت آسانی سے اور پاکستانی طریقوں سے سمجھایا جاسکے۔

یہ جو سیارہ مشتری ہے' یہ محض ایک لفظ "سیارہ" کے باعث مذکر ہے۔ یہ لفظ ہٹا دیا جائے تو وہ مونث بن جاتی ہے۔ بے چاری پر قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ ایک دو نہیں پورے 21 سیارچے اس سے ٹکرانے والے ہیں۔ یہ تو غنیمت ہے کہ وہ نظام شمسی میں ہے۔ اگر پاکستان میں ہوتی تو 21 سیارچے نہیں' پورے 22 خاندان اس سے ٹکراتے۔

فلکیاتی رپورٹ کے مطابق نظام شمسی میں مشتری بزرگ ترین سیارہ ہے۔ یہ سیارہ منجمد گیسوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا 90 فیصد حصہ ہائیڈروجن اور دس فیصد حصہ ہیلیم گیس پر مشتمل ہے۔ یہاں مسلسل طوفان کی سی کیفیت رہتی ہے اس کی سطح پر لاتعداد شہابیے' فلکی اجسام اور 16 عدد چاند ہیں۔ پتا نہیں دو آنکھیں 16 چاند کو کیسے دیکھتی ہوں گی۔ لاہور کی مشتری بانو کے ساتھ صرف چار چاند لگے ہوتے ہیں اور اس پر آنکھ نہیں ٹھہرتی۔ یہ اچھا ہی ہے کہ اردو زبان میں کسی حسینہ کو چار چاند سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ورنہ دیکھنے والے اندھے ہو جاتے۔

اس وقت' مشتری بانو دلہن کے سرخ جوڑے میں تھی۔ سہاگ کی سیج پر سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنے دولہے کے انتظار میں اس کی سانسیں ایسے چل رہی تھیں جیسے مسلسل طوفان کی سی کیفیت میں ہو۔ اس کے چہرے کی رنگت اور مہندی والے ہاتھوں کی شادابی بتا رہی تھی کہ اس کے اندر بھی 90 فیصد ہائیڈروجن ہے اور جذبات میں لاتعداد شہابیے محوِ گردش ہیں۔

دولہا اور دلہن کو سہاگ کی سیج تک پہنچنے کے لئے بڑا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ابٹن اور مہندی کی رسموں سے گزرنا پڑتا ہے پھر نکاح قبول کرنے اور میکے سے سسرال جانے کے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں لیکن آخر میں سہاگ کی پھولوں بھری سیج پر بیٹھ کر دولہے کا جو انتظار کرنا پڑتا ہے وہ انتظار بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔

وہ بھی بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ بار بار سر اٹھا کر بند دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جب وہ دروازہ کھلتا ہے تو دلہنیں گھونگھٹ اور لمبا کر لیتی ہیں

اور شرم سے سمٹنے لگتی ہیں لیکن وہ دروازہ جب کھلا تو مشتری بانو آنے والے کو دیکھتے ہی خوشی سے کھل گئی۔ پھولوں کی سیج سے اچھل کر فرش پر آکر کھڑی ہوگئی۔ بڑی عجیب بات تھی۔ کیا دولہے کا استقبال یوں بھی ہوتا ہے؟

اور کیا دولہا ایسے آتا ہے جیسے وہ آیا تھا؟ یعنی وہ اپنے ساتھ ایک اور دلہن لایا تھا۔ آنے والی دلہن پورے سولہ سنگھار کئے ہوئے تھی۔ صرف کامدار سرخ گھونگھٹ اس کے سر پر نہیں تھا۔ مشتری بانو نے اس کا دوپٹا لے کر اپنا سرخ گھونگھٹ اس کے سر پر ڈال کر اسے مکمل دلہن بنا دیا پھر اسے اپنی جگہ پھولوں کی سیج پر بٹھا کر اس آنے والے کے ساتھ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ نئی دلہن نے دیکھا۔ وہ دروازہ بند ہو گیا تھا۔ عورت اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے۔ مگر اپنا شوہر کسی دوسری کو نہیں دیتی۔ مشتری بانو اپنا دولہا اس دوسری کو دے کر چلی گئی تھی۔ بڑی دل گردے والی' بڑی سخاوت والی تھی۔

وہ نئی آنے والی کون تھی؟ کوئی راز کبھی راز نہیں رہتا۔ کبھی نہ کبھی اس پر سے پردہ اٹھتا ہے۔ کائنات میں بھٹکنے والے نامعلوم سیاروں کو طاقتور دوربین سے دریافت کیا جاتا ہے تو پھر وہ نامعلوم نہیں رہتے۔ ویسے اس نئی دلہن کا تعلق بھی نظام شمسی سے تھا اور اس کا نام چاند بی بی تھا۔

مشتری بانو اور اس کے ساتھی نے ایسے انتظامات کئے تھے کہ دولہا دیر سے اپنی دلہن کے کمرے میں پہنچے۔ لہٰذا وہ دیر سے پہنچا۔ دروازہ کھول کر اندر آیا اس کے ایک ہاتھ میں بریف کیس تھا اور دوسرے ہاتھ میں ہاتھی دانت کے دستے والی چھڑی تھی۔ چاند بی بی نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس نے پلٹ کر دروازے کو اندر سے بند کرنے کے لئے اوپر کی طرف ہاتھ اٹھایا ہوا تھا اور ہاتھ سے ٹٹول کر چٹخنی تلاش کر رہا تھا جبکہ چٹخنی اوپر نہیں تھی۔ دروازے کے ہینڈل کے ساتھ ایک چھوٹی سی اٹیچ کی تھی۔ اس کو گھمانے سے وہ دروازہ اندر سے لاک ہو جاتا تھا۔

پھر اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل تک آیا اور اس اٹیچ کی تک پہنچ گیا وہ اسے گھما کر دروازے کو لاک کرتے ہوئے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ نئی کوٹھی تمہارے لئے خریدی ہے۔ اس لئے یہاں کے در و دیوار کے متعلق نہیں جانتا ہوں۔

کل تم مجھے یہاں کی ایک ایک تفصیل بتا دینا۔"

وہ دروازے کو لاک کر کے پلٹ گیا۔ اب اس کا رخ پھولوں کی سیج کی طرف تھا لیکن وہ سیج اور وہ دلہن نظر نہیں آ رہی تھی۔ دولہے کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ ان میں موتیا اتر آیا ہے۔ دونوں پتلیاں سفید ہو گئی تھیں۔ وہ چھڑی ٹیک ٹیک کر بستر کے پاس آتے ہوئے بولا۔ "میں شادی سے پہلے تمہیں بتا چکا ہوں کہ بالکل اندھا نہیں ہوں۔ مجھے بہت ہی دھندلا سا' تھوڑا تھوڑا سا دکھائی دیتا ہے۔ اب اتنے قریب آکر بہت دھندلا سا دکھائی دے رہا ہے کہ کوئی یہاں بیٹھا ہوا ہے۔"

پھر وہ مختصر سی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "یہاں کوئی اور نہیں ہے۔ میری دلہن ہے۔ میری شریک حیات مشتری بانو ہے۔"

اس نے چھڑی سے بستر کو ٹٹول کر اس کے سرے پر بریف کیس کو رکھا پھر اسے کھولا۔ اس کے اندر آدھے حصے میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں تھیں اور آدھے حصے میں ایک بڑی سی دوربین رکھی ہوئی تھی اس نے ٹٹول کر دوربین کو ایک ہاتھ سے اٹھایا پھر دوسرے ہاتھ سے بریف کیس کو بند کر کے بستر پر آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں جلدی میں تمہارے لئے ہیرے کی انگوٹھی خرید نہ سکا۔ یوں بھی جوہری میری بصارت کے پیش نظر ہیرے کی جگہ کوئی چمکدار پتھر دے سکتا تھا۔ میں نادانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب ہیرا چاہتا ہوں تو پھر ہیرا ہی حاصل کرتا ہوں۔ جیسا کہ تم اصلی ہیرا ہو اور تمہاری جگہ کوئی پتھر نہیں ہے۔"

چاند بی بی نے نظریں اٹھا کر اس کی محتاج آنکھوں کو دیکھا اور اس کے اس دعوے پر مسکرائی کہ وہ نقلی نہیں اصلی مال حاصل کر رہا ہے۔ اس نے کہا۔ "اس بریف کیس میں پورے ایک لاکھ روپے ہیں۔ ان سے تم اپنی پسند کے ہیرے کی انگوٹھی خرید سکو گی۔ یہ رقم دلہن کی منہ دکھائی کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے آنکھوں سے دوربین لگائی پھر اس کے لینس کو سیٹ کرنے لگا۔

اس کی بصارت اتنی ہی رہ گئی تھی کہ چاروں طرف سے اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ اس اندھیرے کے درمیان میں جیسے ایک ننھے سے سوراخ سے کچھ اجالے کا دھندلکا سا دکھائی دیتا تھا۔ سامنے کوئی ہو تو انسانی خاکہ سا جھلکتا تھا۔

دوربین سے دیکھنے پر دور والا چہرہ نزدیک آ جاتا تھا لیکن بصارتی کرن اتنی باریک تھی کہ جیسے وہ سوئی کے ناک سے جھانک کر دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں' ناک' نتھ' ہونٹ' کان اور کانوں کے جھمکے یوں دکھائی دیئے جیسے دوربین کے شیشوں پر پانی کے چھینٹے پڑ گئے ہوں اور سامنے کی ہر شے دھندلا گئی ہو۔ دلہن کی مستند شناخت نہیں تھی۔ حالات کے سیاق و سباق سے سمجھا جاسکتا تھا کہ نکاح مشتری بانو سے ہوا ہے۔ لہٰذا وہ دلہن مشتری بانو ہی ہے۔

دنیا کی تمام رصد گاہوں میں نوجوان سائنسدان کم ہوتے ہیں۔ بوڑھے زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ پچاس' ساٹھ اور ستر برسوں کے تجربات قابلِ اعتماد ہوتے ہیں لیکن ان بوڑھے سائنسدانوں کی بینائی کمزور ہوتی ہے۔ یہ کمزوری عینک سے اور طاقتور دوربین سے دور کی جاتی ہے۔ مگر ایسا کرنے کے باوجود بعض اوقات فلکیاتی مشاہدہ غلط ہو جاتا ہے۔ کوئی بھٹکا ہوا اجنبی سیارہ پوری توجہ کے باوجود ناقابلِ شناخت رہ جاتا ہے۔

سائنسدانوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ بے چارہ دولہا بھی دوربین کے ذریعے دیکھتے دیکھتے مشتری کی سطح پر اترنا چاہتا تھا مگر غلطی سے چاند پر اتر گیا۔

☆======☆======☆

اس رات ایک ڈارک روم میں بہت سے نیگیٹو کے پرنٹ تیار ہو رہے تھے۔ صفدر بخاری ایک ایک تصویر تیار کر کے مشتری بانو کو دے رہا تھا۔ مشتری اس تاریک کمرے کی سرخ مدھم لائٹ میں ان تصویروں پر ایک نظر ڈال کر انہیں ایک تنی ہوئی ڈوری پر کلپ کے ذریعے لٹکا دیتی تھی۔ تاکہ وہ گیلی تصویریں خشک ہوتی رہیں۔

ایک تصویر میں وہ اپنے نابینا شوہر ملک حیات شاہ کے ساتھ ایک رجسٹرار کے آفس میں تھی۔ دوسری تصویر میں اس کی اور نابینا شوہر کی کورٹ میرج ہو رہی تھی۔ تیسری اور چوتھی تصویروں میں وہ دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے کاغذات پر دستخط کر رہے تھے۔ ایسی کئی تصویریں تھیں' جن سے یہ کسی شک و شبہے کے بغیر ثابت ہو جاتا تھا کہ مشتری بانو اس نابینا ملک حیات شاہ کی شریک حیات بن چکی ہے۔ ان تصاویر کے علاوہ کورٹ کا میرج سرٹیفکیٹ بھی تھا۔ ان تمام دستاویزی ثبوت کے مطابق ابھی اسے

اپنے نابینا شوہر کے پہلو میں ہونا چاہئے تھا لیکن وہ ڈارک روم میں صفدر بخاری کے ساتھ تھی کیونکہ صفدر بخاری اس کا پہلا شوہر تھا۔

صفدر نے کبھی شہر بخارا نہیں دیکھا تھا۔ اس کے باپ دادا نے بھی اس شہر کا نام صرف سنا تھا۔ اس کا نام محمد صفدر تھا۔ یہ نام کچھ بھاری بھرکم سا نہیں لگتا تھا۔ اس نے دیکھا تھا کہ نام کے ساتھ پاکستان کے باہر کسی شہر کا حوالہ ہو تو شخصیت باوقار لگتی ہے۔ اس نے سوچا اپنا نام صفدر افغانی رکھے لیکن خانہ جنگی کے باعث افغانی پاکستان کے لئے مسئلہ بنے ہوئے تھے پھر سوچا کہ صفدر مشہدی کہلائے مگر خیال آیا کہ ماہ محرم میں شیعہ اور سنی حضرات میں تصادم ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا اسے غیر جانبدار رہنا چاہئے۔ اس کے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہیں تھی' جس کے ذریعے وہ بڑا آدمی بنتا اور دوسروں سے ذرا منفرد نظر آتا۔ ایسے لوگ اپنا نام تبدیل کر کے خود کو منفرد اور بھاری بھرکم بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ ایک بار وہ ملیریا بخار میں مبتلا ہوا۔ یہ بخار چڑھتا اترتا رہتا ہے۔ تیسرے دن صحت یاب ہونے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بخاری کہلائے گا۔ یہ نام صفدر بخاری اسے راس آگیا۔ اس نام سے شناختی کارڈ بنوانے کے دوسرے ہی دن مشتری بانو سے ایک دوست کی شادی میں ملاقات ہوئی اور مشتری پہلی ہی ملاقات میں اس کے عشق کے بخار میں مبتلا ہوگئی۔ ان دنوں وہ مشکلات میں تھی۔ کہتے ہیں کہ چھ ماہ قبل اس کے باپ نے مرنے کے بعد اس کے لئے چھ لاکھ روپے کا مکان اور ڈیڑھ لاکھ روپے نقد چھوڑے تھے۔ وہ اکلوتی تھی۔ اس تمام نقدی اور جائیداد کی حقدار تھی۔ ماں بچپن میں مرچکی تھی اور کوئی سگا نہیں تھا لیکن رشتے دار بہت تھے۔ ان میں سے 19 سیارچے جوان تھے اور مشتری کی سطح سے ٹکرانے کی کوششیں کرتے رہتے تھے۔ وہ ان سے کتراتی رہی تھی لیکن قدرت نے اسے بے حد پُرکشش بنایا تھا' پھر مرحوم باپ نے اس کے اندر ساڑھے سات لاکھ روپے کی کشش بھردی تھی۔ ان حالات میں 19 سیارچوں کا بھی قصور نہیں تھا۔ وہ بے پناہ کشش کے باعث کھنچے چلے آرہے تھے۔

ایسے وقت 20 واں سیارچہ صفدر بخاری بھی اس کی کشش ثقل میں آگیا تھا۔

وہ سیارچہ ایسا تھا' جس میں مشتری نے بھی کشش محسوس کی اور اس سے متاثر ہونے لگی۔ وہ جس دوست کی شادی میں گیا تھا' اس دوست کی بیوی' مشتری کی سہیلی

تھی۔ سہیلی نے بتایا کہ صفدر بخاری ایک امپورٹر ایکسپورٹر ہے۔ اچھا کھانے کمانے والا شخص ہے۔ اس کے دوست نے کہا۔ "میری بیوی کی سہیلی بڑی پیسے والی ہے۔ ایک مکان اور خاصا بینک بیلنس ہے۔ کوئی گارمنٹس فیکٹری قائم کرنا چاہتی ہے مگر ہم اسے مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ پہلے شادی کرلے۔ ایک جیون ساتھی ہوگا تو اس کا کاروبار سنبھالنے میں بڑا مددگار ثابت ہوگا۔"

دونوں کے ستارے خوب ٹکرائے تھے۔ صفدر بخاری کو بھی ایسی شریک حیات کی ضرورت تھی' جو اس کی خالی جیبوں میں کرنسی بھرتی رہے۔ اس نے یہ بھی سن لیا تھا کہ مشتری بڑی چالاک ہے' کسی کنگلے سے شادی نہیں کرے گی۔ اِدھر اس نے کبھی خود کو کنگلا ظاہر نہیں کیا تھا۔ بڑی بڑی ڈینگیں مارنے کا عادی تھا۔ فوٹو گرافی کا کام اچھی طرح جانتا تھا لیکن ہڈ حرام تھا۔ کسی فوٹو گرافر کی دکان میں صبح سے شام تک بیٹھنا گوارا نہیں تھا۔ ایک کیمرا لئے گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ کبھی حادثاتی یا وارداتی واقعات کی تصاویر اتارنے کا موقع مل جاتا تو اخبار والوں سے ایسی تصاویر کا اچھا خاصا معاوضہ مل جاتا تھا۔

ایک اوسط درجے کے امپورٹر' ایکسپورٹر سے اس کی دوستی تھی۔ اکثر اس کے دفتر میں جا کر بیٹھتا تھا۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو وہاں کا ٹیلی فون نمبر دیا ہوا تھا اور فون پر ایسے انداز میں گفتگو کیا کرتا تھا جیسے وہی اس دفتر کا اور کاروبار کا مالک ہو۔ اس نے دوسری ملاقات میں مشتری بانو کو بھی وہی فون نمبر دیا چونکہ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی۔ اس لئے تیسری ملاقات میں مشتری اس کے دفتر پہنچ گئی۔ وہاں صفدر بخاری کے دوست نے بتایا کہ اس کاروبار میں صفدر اس کا پارٹنر ہے۔

پھر ایک ملاقات سمندر کے کنارے ہوئی۔ مشتری نے پوچھا۔ "کیا اپنی کوٹھی نہیں دکھاؤ گے؟"

اس نے کہا۔ "سوسائٹی میں میری ایک کوٹھی تھی۔ اسے فروخت کر کے تمام رقم کاروبار میں لگا دی ہے۔ مجھ تنہا شخص کی رہائش کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں ایک دوست کے ساتھ ایک چھوٹے سے مکان میں کرایہ شیئر کر کے رہتا ہوں۔"

"تم شادی کرنا چاہتے ہو۔ مجھے دلہن بنا کر کہاں لے جاؤ گے؟"

"فی الحال کرائے کا ایک مکان لوں گا پھر قسطوں پر ایک بنگلا بک کراؤں گا۔"

میرے کاروبار سے جو منافع ملتا رہتا ہے' اس سے قسطیں ادا کرتا رہوں گا۔"

"میں چاہوں گی کہ وہ بنگلہ میرے نام سے بک کراؤ۔ کیا تم اعتراض کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔ شادی کے بعد میرا سب کچھ تمہارا ہی ہو گا۔"

"شادی سے پہلے کی بات کرو۔ تمہاری پیشانی پر یہ نہیں لکھا ہے کہ تم کتنے سچے اور مخلص ہو۔"

"میری جان مشتری! محبت کرنے کے لئے باہمی اعتماد لازمی ہوتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں' محبت اندھی ہوتی ہے۔ جذباتی ہوتی ہے لیکن میں اندھی ہوں اور نہ جذباتی ہوں۔ میں اپنے ابا کی زندگی گزارنے کا انداز دیکھ چکی ہوں۔ وہ سٹہ باز تھے۔ الٹے سیدھے دھندوں سے کچھ نہ کچھ کما لیا کرتے تھے' لیکن بظاہر ایسی اجلی اور شریفانہ ندگی گزارتے تھے کہ محلے پڑوس میں نہایت معزز اور شریف آدمی کہلاتے تھے۔"

"مجھے اپنے ابا کے جیسا سمجھ کر میری توہین کر رہی ہو۔"

"اگر تم ایسے نہیں ہو تو میرے ابا کی زندگی پر تمہیں افسوس کرنا چاہئے اور اپنی توہین نہیں سمجھنا چاہئے۔"

اس نے سوچا۔ یہ بڑی تیزی ہے اس نے باپ کی زندگی سے محتاط رہنے کا سبق سیکھا ہوا ہے۔ وہ انجان بن کر بولا۔ "پھر تو تمہارے ابا تمہیں مجبور اور دوسروں کا محتاج بنا کر گئے ہوں گے۔"

"ہاں ایسے لوگ دولت کمانے کی دھن میں کبھی دولت کما نہیں پاتے۔ کنگال رہتے ہیں اور کنگال ہی مرتے ہیں۔"

اس نے دل میں کہا۔ "یہ کم بخت اپنی جائیداد اور بینک بیلنس چھپا رہی ہے۔ بہت چالاک ہے لیکن مرد سے زیادہ چالاک نہیں ہو سکتی۔ میں اسے ایسا چکر دوں گا کہ ساری زندگی چکراتی رہے گی۔"

"کیا تم کسی رشتے دار کے ہاں رہتی ہو؟"

"ہاں میرے ایک چچا کا مکان خالی پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے رہنے کے لئے دیا ہے۔ میں خواتین کے کپڑے سلائی کر کے اپنے اخراجات پورے کرتی ہوں۔"

"اس لئے تم مجھ سے ایک خوشحال زندگی کی ضمانت چاہتی ہو؟ مجھے بتاؤ تم مجھ پر کس طرح اعتماد کرو گی؟"

"اس طرح کہ تمہارے دوست کے ساتھ کاروبار میں تمہاری جو پارٹنرشپ ہے' مجھے اس پارٹنرشپ کے معاہدے کے کاغذات دکھاؤ اور ایک نیا معاہدہ کرو' جس کی رو سے کاروبار میں تمہارے حصے کا منافع میں حاصل کروں گی۔ اس منافع کی رقم میرے بینک اکاؤنٹ میں رہا کرے گی۔ تم جب چاہو گے میں تمہارے اخراجات کے لئے معقول رقم دیتی رہوں گی۔"

"کیا محبت کرنے والی وفادار بیویاں اسی طرح اپنے شوہروں کے کاروبار اور آمدنی پر قبضہ جماتی ہیں؟"

"جو محبت اور جذبات میں اندھی نہیں ہوتیں' وہ اسی طرح احتیاطی تدابیر پر عمل کرتی ہیں۔ اکثر شوہروں کی نیک نیتی مشکوک ہوتی ہے۔ ان کی آمدنی بیویوں کے ہاتھوں میں رہے تو پھر وہ بڑی معقول ازدواجی زندگی گزارتے ہیں اور ایک گھر پیارا گھر کی مثال قائم کرتے ہیں۔"

"تمہاری باتیں ایک لحاظ سے درست ہیں لیکن ان میں ایک عورت کی خود غرضی بھی ہے۔ مجھے سوچنے کا موقع دو کہ تم کس حد تک خود غرض ہو اور کس حد تک میرے لئے مخلص ہو۔"

وہ چوبیس گھنٹوں کے لئے جدا ہو گئے۔ صفدر بخاری نے اپنے دوست کے پاس آ کر کہا۔ "یار! تم نے مشتری بانو کے بارے میں غلط کہا تھا کہ وہ جائیداد اور بینک بیلنس رکھتی ہے۔ وہ تو کپڑے سلائی کر کے گزارا کرتی ہے۔"

دوست نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "اگر وہ غریب ثابت ہو گئی تو کیا تم اس سے شادی نہیں کرو گے۔"

"ضرور کروں گا۔ اگر وہ غریب ہو گی تو مجھے اس پر اور زیادہ پیار آئے گا لیکن میں اپنی ہونے والی شریک حیات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے تم اس سے سچا عشق کرتے ہو؟"

"بے شک میں ہر حال میں اس کے ساتھ زندگی گزاروں گا لیکن یہ پسند نہیں کروں گا کہ اس کی جھوٹی دولت مندی لوگوں پر ظاہری کی جائے اور اس کے دور اور نزدیک کے کزن دولت کے لالچ میں اس کے پیچھے پڑے رہیں۔ ایسے لالچی رشتے دار اس کی جان بھی لے سکتے ہیں۔ تم ایک بینک مینجر ہو۔ تم لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ان سے کہہ سکتے ہو کہ مشتری بانو ایک غریب محتاج لڑکی ہے۔ اس کا کوئی بینک اکاؤنٹ نہیں ہے۔"

"کل صبح تم مجھ سے بینک میں ملو۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔"

اس نے دوسری صبح اس سے بینک میں ملاقات کی۔ دوست نے کہا۔ "مشتری خود کو ایک مفلس لڑکی ظاہر کرتی ہے لیکن کھوج لگانے والے رشتے داروں نے مختلف ذرائع سے اس کی حقیقت معلوم کی ہے۔ ان میں سے ایک نوجوان نے مجھ سے دوستی کی۔ وہ چاہتا تھا کہ مجھے دوست بنا کر اس کا بینک بیلنس معلوم کرے مگر ہم بینک والے قواعد و ضوابط کے پابند ہوتے ہیں۔ کسی کو کسی کا بینک بیلنس نہیں بتاتے۔ میں نے اسے بھی نہیں بتایا لیکن تمہیں بڑی راز داری سے بتا رہا ہوں۔ ابھی میں نے یہاں آکر بیلنس شیٹ دیکھی ہے۔ مشتری کے اکاؤنٹ میں آج کی تاریخ تک بائیس لاکھ ستر ہزار روپے ہیں۔"

صفدر بخاری کی اوپر کی سانس اوپر رہ گئی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"تم یقین نہیں کرو گے، تب بھی جو سچ ہے، وہ سچ ہی رہے گا۔ میری بیگم اور مشتری میں بڑی گہری دوستی ہے اور میری بیگم کو تم دونوں کی جوڑی بہت پسند ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس سے تمہاری شادی ہو جائے۔ اسی نے مجھے مجبور کیا کہ میں چپ چاپ راز داری سے تمہیں اس کا بینک بیلنس بتا دوں تاکہ تم شادی کے بعد گارمنٹس فیکٹری قائم کرنے کے سلسلے میں ٹھوس پلاننگ کر سکو۔"

صفدر بخاری کے اندر مسرتوں کی آندھی چل رہی تھی لیکن اس نے مسرتوں کو چھپانے کی کوشش کی اور سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے اس کی دولت مندی

سے کچھ نہیں لینا ہے۔ میں نے تو کل ہی تم سے کہا تھا کہ وہ غریب ہو گی تو مجھے اس پر اور زیادہ پیار آئے گا کیونکہ میں صرف اس کی ذات سے محبت کرتا ہوں۔"

"مجھے اور میری بیگم کو یقین ہے کہ تم اس سے سچی محبت کرتے ہو اور اس کے بارے میں صرف صحیح معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

"ہاں اب سمجھ میں آگیا۔ وہ خود کو غریب ظاہر کر کے یہ آزمانا چاہتی ہے کہ میں ایک غریب لڑکی سے شادی کروں گا یا نہیں؟ تم میرے دوست ہو اور میری نیت کو اچھی طرح سمجھتے ہو۔"

"صرف میں ہی نہیں، میری بیگم بھی سمجھتی ہے۔ اس لئے اس نے کل رات مشتری سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے جیسا مخلص جیون ساتھی اور کہیں نہیں ملے گا۔ تم اس کی غریبی کے باوجود اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔"

"ویسے مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ مشتری بانو کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی؟ وہ تو کہتی ہے کہ اس کے ابا سٹے باز تھے۔ ساری زندگی الٹے سیدھے دھندوں سے دولت مند بننے کی کوششیں کرتے رہے لیکن بیٹی کو مفلس اور محتاج چھوڑ کر مرے۔"

"ہاں، میری بیگم نے اس کے والد کے متعلق کچھ ایسی ہی باتیں بتائی ہیں لیکن بیگم بھی مشتری کے متعلق مکمل حالات سے واقف نہیں ہے جہاں تک اس کے کردار کا تعلق ہے تو وہ ایک بہت نیک نام اور اچھی لڑکی ہے۔ بہت سمجھ دار، بہت گہری اور بہت محبت کرنے والی ہستی ہے۔"

"مگر یار! وہ شادی سے پہلے چاہتی ہے کہ میں ایک معاہدہ کروں، جس کی رو سے وہ میرے کاروبار کا تمام منافع حاصل کرے گی اور اسے اپنے اکاؤنٹ میں رکھے گی اور مجھے صرف جیب خرچ دیا کرے گی۔"

"تم خود سمجھ دار ہو۔ وہ دودھ کی جلی ہے۔ اپنے باپ کی بے راہ روی دیکھ چکی ہے مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں صرف اپنا بنائے رکھنے کے لئے ایسا معاہدہ کرنا چاہتی ہے۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ تم ہمارے اس بینک میں اپنا کاروباری اکاؤنٹ کھول لو۔ کبھی تمہیں قرضے کی ضرورت پڑے گی تو میری کوششوں سے تمہیں قرضہ

مل جائے گا۔ ویسے آئندہ مشتری کے اکاؤنٹ میں تمہارے کاروبار کا منافع رہا کرے گا تو میں قرضے وغیرہ کے سلسلے میں تمہارے کام آتا رہوں گا۔"

صفدر بخاری اس سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد بینک سے چلا آیا۔ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے سوچنے لگا۔ "جب کوئی کاروبار ہی نہیں ہے تو میں مشتری کو مطمئن کرنے کے لئے پارٹنر شپ کے کاروبار کا معاہدہ کہاں سے لا کر دکھاؤں گا۔ ویسے معاہدہ تو جعلی بھی بن سکتا ہے مگر اسے منافع کی رقم کہاں سے لا کر دے سکوں گا۔"

وہ کنگال تھا۔ بڑی مشکلوں سے اپنے اخراجات پورے کرتا تھا۔ جھوٹی شان دکھانے اور بڑی بڑی ڈینگیں مارنے کا یہ نتیجہ سامنے آ رہا تھا کہ بائیس لاکھ ستر ہزار روپے کی اسامی ہاتھ سے نکل رہی تھی اور یہ تو صرف بینک بیلنس تھا۔ اس کے علاوہ پتا نہیں اس نے اور کتنے لاکھوں کی جائیداد بنائی ہوگی۔

اب اسے کسی طرح بھی حاصل کرنے کے لئے صفدر کے اندر طوفانی ہلچل پیدا ہوگئی تھی۔ وہ امپورٹر ایکسپورٹر دوست کے پاس آیا۔ اسے تمام حالات بتا کر بولا۔ "وہ بہت دولت مند ہے کسی طرح وہ میری بیوی بن جائے گی تو سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ میں اس کا شوہر بن جاؤں۔ مجھے بعد میں جو دولت ملے گی اس میں سے تمہیں بھی حصہ دوں گا۔"

"مجھے جائز کاروبار سے اچھی خاصی آمدنی ہوتی رہتی ہے پھر میں حرام کیوں کھاؤں؟ تم میرے دوست ہو۔ اس ناطے سے میں نے کئی بار تمہیں سمجھایا ہے کہ معقول آمدنی کے لئے کوئی اچھا سا کاروبار کرو یا میرے ساتھ رہ کر میرے کاروبار کو سمجھو لیکن تم یہاں صرف میرا ٹیلی فون استعمال کرنے اور ڈینگیں مارنے کے لئے آتے رہے۔ تمہارے کہنے سے میں نے تمہاری محبوبہ یا ہونے والی بیوی سے جھوٹ کہہ دیا کہ تم میرے بزنس پارٹنر ہو لیکن میں اتنا نادان نہیں ہوں کہ یہی بات معاہدہ کی صورت میں تمہیں لکھ کر دوں۔ پلیز مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرو۔"

اس نے مایوس ہو کر سر جھکا لیا۔ وہ دوست کام آنے والا نہیں تھا اور کہیں سے بات بنتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھ کر جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی

بجنے لگی۔ اس نے سوچا۔ "شاید میرا فون ہے۔ شاید مشتری نے مجھے یاد کیا ہوگا۔"

اس کے بزنس مین دوست نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا کر کہا۔ "ہیلو میں محمد یعقوب بول رہا ہوں۔"

اس نے خاموش رہ کر دوسری طرف کی باتیں سنیں پھر سخت لہجے میں کہا۔ "یہ کیا بکواس ہے۔ تم نے پانچ لاکھ روپے بینک میں جمع کیوں نہیں کرائے؟"

وہ پھر دوسری طرف کی باتیں سننے لگا اور کہنے لگا۔ "ہوں' اچھا' ہاں ٹھیک ہے۔ یہ تم نے اچھا کیا ہے۔ رقم کو سنبھال کر رکھو۔ میں شام کو سات بجے تک آؤں گا۔ یہاں چھ بجے جدہ سے ایک اہم فون آنے والا ہے۔ اسے اٹینڈ کر کے ہی آؤں گا۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا پھر بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔ "پتا نہیں یہاں کی پولیس کیا کرتی ہے۔ ڈاکو بڑی دلیری سے بینک لوٹ کر چلے جاتے ہیں اس کے بعد پولیس والے سگریٹ پھونکتے ہوئے اور پان چباتے ہوئے پہنچتے ہیں۔"

صفدر نے پوچھا۔ "کیا کہیں ڈاکا پڑا ہے؟"

"ہاں ـ تمہاری بھابی.......... بینک میں پانچ لاکھ روپے جمع کرنے جا رہی تھیں۔ ہمارے نصیب اچھے تھے کہ بینک میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ وہاں سے کچھ دور تھیں تب ہی فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں۔ وہاں بھگدڑ شروع ہوگئی۔ پتا چلا ڈاکو بینک سے رقم لوٹ کر ایک گاڑی میں فرار ہو رہے ہیں۔ انہیں روکنے کی کسی میں جرأت نہیں تھی۔ تمہاری بھابی فوراً ہی واپس ہو کر اپنی کار میں آگئیں۔ رقم واپس گھر لے گئیں۔"

صفدر نے کہا۔ "رقم تو آنی جانی چیز ہے شکر کرو' بھابی کی جان بچ گئی۔ اگر وہ بینک کے اندر ہوتیں تو فائرنگ کی زد میں آ سکتی تھیں۔"

وہ بول رہا تھا مگر اس کے دماغ میں پانچ لاکھ روپے چکرا رہے تھے۔ اگر یہ رقم اس کے ہاتھوں میں ہوتی تو وہ بڑی ہیرا پھیری سے مشتری کا اعتماد حاصل کر کے اسے اپنی شریک حیات بنا سکتا تھا۔

اس کے دماغ میں جلدی جلدی مختلف قسم کے منصوبے پکنے لگے پھر اس نے دوست سے پوچھا۔ "یعقوب! تمہیں بھابی کی سلامتی سے کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ کچھ

بتاؤ؟"

"میں اپنی وائف سے محبت کرتا ہوں۔ اس کی جان کے صدقے میں ایک بکرے کی قربانی دوں گا۔"

"دوست! میں بکرے سے زیادہ مسکین ہوں۔ بکرے کی جان لینے کی بجائے انسان کے کام آؤ۔ ابھی مجھے تین ہزار روپے کی سخت ضرورت ہے۔ بھابی کی جان کا صدقہ سمجھ کر دے دو۔"

"تم نے پہلے کے دو ہزار روپے اب تک واپس نہیں کیے۔ بہرحال تم میری وائف کی جان کا صدقہ مانگ رہے ہو۔ میں انکار نہیں کروں گا۔"

اس نے میز کی ایک دراز کھول کر تین ہزار روپے نکالے۔ صفدر بخاری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر رقم لیتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی وقت پر کام آنے والے دوست ہو۔ میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔"

وہ رقم جیب میں رکھ کر اس کمرے سے دوسرے کمرے میں آیا۔ وہاں ایک اکاؤنٹنٹ بیٹھا اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس نے صفدر کو جاتے دیکھ کر سلام کیا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ صفدر باہر آ کر ایک ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "سہراب گوٹھ چلو۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ ان دنوں سہراب گوٹھ میں آپریشن کلین اپ نہیں ہوا تھا۔ وہاں بازہ مارکیٹ قائم تھی۔ بیرونی ممالک کی اسمگل کی ہوئی چیزیں سستے داموں مل جایا کرتی تھیں لیکن وہ بازہ مارکیٹ ہیروئن کی پڑیا اور اسلحے کی فروخت کے باعث بدنام ہو گئی تھی۔

صفدر بخاری نے وہاں سے اڑھائی ہزار میں ایک ریوالور اور چھ بُلٹس خریدے پھر ریوالور کو لوڈ کر کے لباس میں چھپالیا۔ وہاں سے شام کے چار بجے بہن کے گھر آیا۔ بہنوئی اس وقت موجود نہیں تھا۔ اس نے بہن سے کہا۔ "میں نمبر ڈائل کرتا ہوں۔ تم ریسیور کان سے لگا کر رکھو۔ دوسری طرف سے کوئی بولے تو جواب میں کہنا کہ تم احمد علی کے محلے سے بول رہی ہو۔ احمد علی کی والدہ ایک بس سے ٹکرا کر بری طرح زخمی ہو گئی ہے۔ اسے لانڈھی کے ضیاء کلینک میں پہنچایا گیا ہے۔ پلیز آپ احمد علی

کو فوراً بھیج دیں۔"

بہن کچھ باؤلی قسم کی ایب نارمل سی تھی جو جیسا کہتا تھا، کسی بحث کے بغیر ویسا ہی کرتی تھی۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ صفدر نے نمبر ڈائل کیے پھر بہن کے پاس آ کر اس کے سر سے سر لگا کر ریسیور کی آواز سننے لگا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو۔ میں محمد یعقوب بول رہا ہوں۔"

اس باؤلی کو جیسا کہا گیا تھا، وہ ویسی ہی باتیں کہنے لگی پھر یعقوب کی آواز آئی۔ "میں ابھی احمد علی کو یہاں سے فارغ کر کے بھیج رہا ہوں۔"

صفدر نے بہن سے ریسور لے کر کریڈل پر رکھ دیا، پھر کہا۔ "شاباش، تم بہت اچھی ہو۔ کون کہتا ہے کہ ایب نارمل ہو؟"

"آپ کے بہنوئی طعنے دیتے ہیں کہ میرے سر میں بھیجا نہیں ہے اگر ہے تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ میری یادداشت بہت کمزور ہے۔ میں بہت سی باتیں بھول جاتی ہوں۔"

"بہت اچھا کرتی ہو۔ یہ فون والی بات بھی بھول جاؤ۔ اپنے میاں سے اس کا ذکر نہ کرنا۔"

وہ بہن کے گھر سے نکلا۔ ایک ٹیکسی کے ذریعے پھر اپنے دوست یعقوب کے دفتر میں پہنچ گیا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ آس پاس کے دفاتر بند ہو رہے تھے۔ اس عمارت کی تیسری منزل پر صرف دو کمرے تھے جس میں یعقوب نے دفتر قائم کیا تھا۔ وہ پہلے کمرے میں پہنچا تو اکاؤنٹنٹ احمد علی نہیں تھا۔ وہ ماں کے حادثے کی خبر سنتے ہی چلا گیا تھا۔ صفدر نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ یعقوب نے اپنے کمرے سے پوچھا۔ "کون ہے؟"

وہ کمرے میں آ کر بولا۔ "میں ہوں، تمہارے تین ہزار روپے کے احسان کا بدلہ چکانے آیا ہوں۔"

یہ کہتے ہی اس نے لباس سے ریوالور نکال کر اس کا نشانہ لیا۔ وہ حیرانی سے بولا "یہ کیا حرکت ہے؟ کیا یہ اصلی ہے؟ ایسا مذاق کیوں کر رہے ہو؟"

"تم سے تین ہزار لے سہراب گوٹھ گیا تھا۔ وہاں سے یہ لایا ہوں۔ ایک گولی

چلے گی تو اس کے اصلی ہونے کے یقین کرنے کا وقت گزر چکا ہو گا۔"

"تم یہ ریوالور دکھا کر مجھ سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہو؟ دیکھو اسے سامنے سے ہٹا کر باتیں کرو۔ ورنہ دھوکے سے گولی چل جائے گی۔"

"اس میں سے کوئی گولی دھوکے سے نہیں‘ میری مرضی سے چلے گی اور میری مرضی تب ہو گی جب تم اپنی مرضی سے پانچ لاکھ روپے نہیں دو گے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو؟ وہ رقم یہاں نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں رقم تک پہنچ جاؤں گا۔ اگر چاہتا تو پہلے تمہارے گھر جا کر تمہاری وائف سے پانچ لاکھ چھین کر اسے قتل کر دیتا لیکن اِدھر تم زندہ رہ کر مجھ پر شبہ کرتے اب اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو جیسا میں کہوں ویسا کرتے جاؤ۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میں ابھی فون پر تمہاری وائف سے کہہ رہا ہوں کہ تم اغوا کئے گئے ہو۔ پانچ لاکھ روپے تاوان ادا کرنے کے بعد ہی زندہ اپنے گھر پہنچو گے پھر تم فون پر اپنی وائف سے کہو گے کہ تمہیں اغوا کر کے کسی نامعلوم جگہ پہنچایا گیا ہے اگر وہ اس سلسلے میں پولیس سے رابطہ کرے گی یا کوئی چالاکی دکھائے گی تو اسے تمہاری لاش ہی ملے گی۔"

"کیا میری وائف تاوان کی رقم لے کر یہاں آئے گی؟"

"نہیں‘ میں یہاں تمہارے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ پر ٹیپ چپکا کر جاؤں گا۔ تم اپنی وائف سے کہو گے کہ ایک شخص اس کے پاس رقم لینے آ رہا ہے۔ میں جانتا ہوں‘ وہ تنہا رہتی ہے۔ صرف ایک ملازمہ تمہارے وہاں پہنچنے تک رہا کرتی ہے۔ اس سے کہو ملازمہ کو فوراً چھٹی دے کر مکان میں بالکل تنہا رہے۔ پندرہ منٹ کے بعد پھر فون کیا جائے گا۔ اگر وہ تنہا ہو گی تو اس سے کہا جائے گا کہ سامنے والے ڈرائنگ روم میں ایک بریف کیس کے اندر پانچ لاکھ روپے لے کر بیٹھے۔ بریف کیس کھلا رہے اور وہ اپنی دونوں آنکھوں پر ٹیپ چپکا لے تاکہ آنے والے شخص کو نہ دیکھ سکے۔ وہ شخص رقم لے جانے کے بعد فون پر اطلاع دے گا تو وہ اپنی آنکھیں کھول سکے گی۔"

"تم دوست ہو کر ایک پیشہ ور مجرم کی طرح بول رہے ہو۔"

"مجھ جیسے لوگ‘ جو محنت مزدوری نہیں کرتے اور ایک ہی واردات میں دولت

مند بن جانا چاہتے ہیں‘ ان کے دماغوں میں ایسی جرائم سے بھرپور تدابیر پکتی رہتی ہیں۔ بے کاری و بیروزگاری میں دن رات ایسے منصوبے سوچنے کا وقت ملتا رہتا ہے۔ اس لئے تو بڑی آسانی سے جرائم ہونے لگے ہیں۔"

اس نے ریسیور ایک ہاتھ سے اٹھایا۔ دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس کے حکم پر یعقوب نے اپنے گھر کے نمبر ڈائل کئے۔ رابطہ ہونے پر اس کی وائف کی آواز سنائی دی۔ صفدر بخاری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہم تمہیں یہ بری خبر سنا رہے ہیں کہ تمہارے شوہر محمد یعقوب کو اغوا کیا گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی تم پولیس سے رابطہ کرو گی یا تاوان کی رقم ادا کرنے کے دوران کوئی چالاکی دکھاؤ گی تو یعقوب تمہیں زندہ نہیں ملے گا۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "تم کون ہو؟ یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ....."

وہ بات کاٹ کر بولا۔ "یقین آ جائے گا‘ لو اپنے شوہر سے باتیں کرو۔"

اس نے ریسیور بڑھایا۔ یعقوب نے ریسیور لے کر کان سے لگاتے ہوئے کہا "شاہدہ! میں ہوں تمہارا یعقوب۔ یہ درست ہے کہ مجھے اغوا کیا گیا ہے۔ ابھی میں جہاں ہوں‘ وہاں کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکوں گا۔ میرے سامنے بھرا ہوا ریوالور ہے۔ تم مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو اس شخص کے احکامات کی تعمیل کرتی رہو۔ نہ پولیس سے رابطہ کرو اور نہ ہی اپنی ملازمہ کو راز دار بناؤ۔ اسے ابھی اور اسی لمحہ میں چھٹی دے کر مکان سے باہر جانے دو اور خود تنہا رہو۔"

"میں آپ کی جان بچانے کے لئے سب کچھ کروں گی لیکن یہاں تنہائی میں ڈر لگے گا۔"

"دل سے خوف نکال دو۔ ایک شخص تمہارے پاس آئے گا اور تم سے پانچ لاکھ لے جائے گا۔ تم احکامات پر عمل کرتی رہو گی تو وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

صفدر بخاری نے اس سے ریسیور چھین کر اپنے کان سے لگا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم اور تمہارا شوہر دونوں ہی زندہ سلامت رہو گے۔ ریسیور ایک طرف

رکھ کر ملازمہ کو بلاؤ اور اسے گھر جانے کی چھٹی دو۔"

بیگم نصرت نے ملازمہ کو آواز دی پھر کہا۔ "میں ابھی گھر لاک کر کے باہر جاؤں گی۔ تم جاؤ چھٹی کرو۔"

ملازمہ کی آواز آئی۔ "چولہے پر سالن چڑھا ہے میں اسے بھون کر چلی جاؤں گی۔"

"جب میں کہہ رہی ہوں کہ مجھے کہیں جانا ہے تو تم بھی فوراً جاؤ۔ میں بعد میں سالن بھون لوں گی۔"

"جی اچھا' میں جا رہی ہوں۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر بیگم یعقوب کی آواز سنائی دی۔ "ملازمہ چلی گئی ہے۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا ہے۔ بولو اب کیا کروں؟"

صفدر نے اسے ہدایات دیں کہ آئندہ کیا کرتے رہنا ہے پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ یعقوب نے پوچھا۔ "اب میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر جاؤ گے؟ کیا میری وائف آ کر مجھے یہاں سے لے جائے گی؟"

"اگر زندہ لے جائے گی تو تم اسے اور پولیس والوں کو میرا یہ کارنامہ بتا دو گے۔ تمہاری زبان بند رہے گی تو میں قانون کی گرفت میں کبھی نہیں آؤں گا۔ لہٰذا تمہیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جانا چاہئے۔"

یہ کہتے ہی اس نے ایک صوفے پر پڑے ہوئے چھوٹے سے کشن کو اٹھایا۔ ایسے اضافی کشن عام طور پر صوفوں کی پشت پر رکھے رہتے ہیں۔ اس نے ریوالور کو اس کشن سے لپیٹ لیا۔ اس کی نال کا رخ یعقوب کی طرف تھا۔ وہ گھبرا کر کرسی سے اٹھ کر بولا۔ "یہ.... یہ کیا کر رہے ہو؟"

ایسا کہتے ہی وہ چیخنا چاہتا تھا۔ اس سے پہلے ہی گولی چل گئی۔ فائر کی آواز ابھری لیکن کشن کے باعث اس کمرے کی چار دیواری تک محدود رہی۔ اس نے دوسرا فائر کیا۔ چونکہ اناڑی تھا۔ اس لئے پہلا نشانہ خطا ہوا۔ دوسری گولی شانے پر لگی۔ دہشت کے مارے یعقوب کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ میز کے پیچھے چھپنے کے لئے جھکنا چاہتا تھا۔ اسی وقت تیسری گولی اناڑی پن سے ہی اس کی پیشانی پر لگی اور وہ پیچھے

کی طرف الٹ کر فرش پر ٹھنڈا پڑ گیا۔

صفدر نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے۔ دراز کھول کر دیکھا۔ اس میں کچھ نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس نے گڈیوں کو جیبوں میں بھر لیا۔ ریسیور اور میز وغیرہ سے انگلیوں کے نشانات مٹا دیئے پھر وہاں سے نکل کر دفتر کے بیرونی دروازے کو بند کر کے تالا لگا دیا۔

وہ منصوبے کے مطابق مقتول دوست کے مکان کے سامنے پہنچا۔ مکان کے اندر اور باہر اس کے حکم کے مطابق ہی تمام لائٹیں بجھا دی گئی تھیں۔ وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا بیرونی دروازے پر آیا۔ بیگم یعقوب نے اسے کھلا رکھا تھا۔ وہ دبے قدموں سے چلتا ہوا نیم تاریکی میں اندر آیا۔ دور سے سڑک کی ہلکی روشنی آ رہی تھی۔ بیگم یعقوب آنکھوں پر ٹیپ چپکائے اپنے سامنے سینٹر ٹیبل پر کھلا ہوا بریف کیس رکھے بیٹھی تھی۔

دبے قدموں چلنے کے باوجود جوتوں کی چاپ سنائی دی۔ بیگم یعقوب نے پوچھا۔

"کون ہے؟"

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "خاموش رہو اور زندہ رہو۔ ایک گھنٹے کے اندر تمہارا شوہر بھی تمہیں زندہ سلامت ملے گا۔"

وہ خاموش بیٹھی رہی۔ اس نے نیم دھندلی سی روشنی میں بریف کیس کے اندر نوٹوں کی گڈیاں دیکھیں۔ اس بریف کیس کو بند کیا پھر اسے بغل میں داب کر دروازے تک آیا۔ وہاں سے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "پانچ سو تک گنتی پڑھتی رہو گنتی پوری ہو جائے تو آنکھوں سے ٹیپ ہٹا دینا۔ ابھی تمہارا شوہر پہنچنے والا ہے۔"

وہ اس مکان سے نکل آیا۔ جس دوست کے ساتھ وہ ایک مکان کے کرائے میں حصے دار بن کر ایک کمرے میں رہتا تھا' وہ دوست رات کے نو بجے سے صبح پانچ بجے تک کے لئے ڈیوٹی پر جاتا تھا اور دروازے پر تالا لگا دیا کرتا تھا۔ اس تالے کی دوسری چابی صفدر کے پاس رہتی تھی وہ رات کے نو بجے کے بعد اس مکان میں آیا تاکہ دوست کو اس خزانے کا علم نہ ہو' جو وہ ساتھ لایا تھا۔ اس نے دروازے کو اندر سے بند کر کے بریف کیس کی رقم گنی۔ پورے پانچ لاکھ روپے تھے۔ دفتر کے دراز سے جو گڈیاں چھپا کر لایا تھا وہ چالیس ہزار سے کچھ زیادہ تھے۔ اس رات وہ خاصا مالدار ہو گیا

تھا۔ اس نے تمام رقم کو بستر کے نیچے چھپا دیا پھر آئینے کے سامنے آکر خود کو دیکھنے اور حیرانی سے سوچنے لگا کہ آج اس نے اتنی بڑی واردات کیسے کی؟ اگرچہ دولت حاصل کرنے کے لئے تصور میں وہ کسی سے رقم چھین لیتا تھا' بینکوں میں ڈاکے ڈالا کرتا تھا اور اسمگلنگ کے ذریعے لاکھوں کروڑوں روپے حاصل کیا کرتا تھا مگر وہ عملی طور پر بھی ایسا کر گزرے گا' اس نے یہ کبھی نہ سوچا تھا۔

☆======☆======☆

مشتری کی کشش نے سوچنے کی مہلت نہیں دی تھی۔ سائنسدانوں کی رپورٹ کے مطابق سیارچے 60 کلو میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے آکر مشتری کی سطح سے ٹکرائیں گے۔ اسی رفتار سے سیارچہ صفدر' مشتری کی سمت کھنچا جا رہا تھا۔ وہ پانچ لاکھ روپے جیسی بڑی رقم اپنے باپ کو بھی کبھی نہ دیتا لیکن مشتری کو اس لئے دینا چاہتا تھا کہ ان پانچ لاکھ کے ذریعے اس کے بائیس لاکھ ستر ہزار روپے اپنی طرف کھینچ سکتا تھا۔

اس نے کمرے سے نکل کر دروازے کو مقفل کیا پھر مکان سے باہر آکر دروازے پر تالا لگایا۔ اس کے بعد پی سی او میں آکر اپنے بینک منیجر دوست سے رابطہ کیا پھر اس سے کہا۔ "میرے پاس مشتری کا کوئی کونٹیکٹ نمبر نہیں ہے۔ کیا تم اسے پیغام پہنچا سکتے ہو کہ میں ابھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے اپنے گھر پر بلائے یا تمہارے ہاں آکر مجھ سے ملاقات کرے۔"

بینک منیجر دوست نے کہا۔"پندرہ منٹ بعد پھر فون کرو۔ میں مشتری کا جواب تمہیں سنا سکوں گا۔"

وہ وہیں پی سی او میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ پندرہ منٹ کے بعد دوبارہ رابطہ کرنے پر دوست نے اسے ایک فون نمبر نوٹ کرایا پھر کہا۔ "اس نمبر پر تم اس سے باتیں کر سکو گے۔"

اس نے نوٹ کئے ہوئے نمبر پر رابطہ کیا تو اس کی آواز سنائی دی۔ وہ سرد آہ بھر کر بولا۔ "یوں لگتا ہے جیسے میں صدیوں کے بعد تمہاری رس بھری آواز سن رہا ہوں۔"

اس کی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولی۔ "ہاں آگے بولو!"

"میں ابھی تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ بہت ضروری کام ہے۔"

"اس وقت ساڑھے دس بجے ہیں۔ تم آؤ گے تو آدھی رات ہونے لگے گی۔ بہتر ہے صبح ملاقات کرو۔"

"یہ ملاقات ابھی ضروری ہے۔ اگر تنہائی میں ملاقات نہ کرنا چاہو تو اپنی سہیلی کے ہاں چلی آؤ۔"

"ملاقات اتنی ہی ضروری ہے تو میرے گھر چلے آؤ اور پتا نوٹ کرو۔"

اس نے پتا نوٹ کیا پھر کہا۔ "میں ایک گھنٹے کے اندر پہنچ رہا ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا پھر اپنے مکان میں آیا۔ اپنے کمرے کے دروازے کو بند کر کے تمام نوٹوں کو بستر سے نکال کر دوبارہ بریف کیس میں رکھا۔ بڑی تیزی سے غسل کیا پھر لباس تبدیل کیا۔ جلدی کے باوجود یہ سب ضروری تھا کیونکہ معشوق سے ملنے جا رہا تھا۔ اس نے لباس پر پرفیوم اسپرے کیا پھر کمرے کے اور مکان کے دروازوں کو مقفل کر کے بریف کیس اٹھائے باہر آیا۔ اس کے بعد ایک ٹیکسی والے کے پاس آکر کہا۔

"بہادر آباد چلو"

بہادر آباد میں لکھ پتی اور کروڑ پتی لوگ رہا کرتے ہیں۔ مشتری بانو بھی جس کوٹھی میں رہتی تھی اس کی قیمت پندرہ لاکھ روپے ہوگی۔ وہ احاطے کے گیٹ کے باہر ٹیکسی سے اتر گیا۔ نائٹ چوکیدار سے بولا۔ "میں مس مشتری بانو سے ملنے آیا ہوں۔ میرا نام صفدر بخاری ہے۔"

چوکیدار کو مشتری نے پہلے ہی یہ نام بتا دیا تھا۔ اس نے گیٹ کا چھوٹا ضمنی دروازہ کھول دیا پھر کال بیل کے بٹن کو دبا دیا۔ وہ کوٹھی کے برآمدے میں پہنچا۔ دروازے پر لگے ہوئے اسپیکر سے آواز آئی۔ "اندر چلے آؤ۔ دروازہ کھلا ہے۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر آیا۔ وہ ڈرائنگ روم میں تھی۔ شب خوابی کے لباس میں بدن جاگتا ہوا سا لگ رہا تھا اور یہ احساس دلا رہا تھا کہ شب خوابی کا لباس اس کے لئے ہے' جو شوہر بن کر آئے گا۔ وہ بولی۔ "آؤ بیٹھو۔ مجھ سے ایسا کیا ضروری کام پڑ گیا ہے؟"

وہ بریف کیس کو سینٹر ٹیبل پر رکھ کر بولا۔ "تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔ آج

میں نے تمہاری خاطر اپنے پارٹنر سے جھگڑا کیا ہے۔ وہ اس بات پر راضی نہیں ہو رہا تھا کہ میں اپنے حصے کا منافع تمہارے نام لکھ دوں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس طرح تین پارٹنر ہو جائیں گے اور وہ کاروبار میں کسی تیسرے کا متحمل نہیں ہے۔"

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"کہنا کیا تھا؟ میں نے کہا۔ میں ہر حال میں مشتری بانو سے تحریری معاہدہ کروں گا اور اپنا منافع اپنے ہونے والی بیوی کے نام لکھوں گا۔ اگر اسے منظور نہیں ہے تو کاروبار میں لگائی ہوئی میری رقم واپس کر دے۔ وہ بھی شاید مجھے اپنے کاروبار سے الگ کرنے کی پلاننگ کر چکا تھا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی میرے پانچ لاکھ روپے واپس کر دیئے۔"

مشتری نے کن انکھیوں سے بریف کیس کو دیکھا پھر پوچھا۔

"اچھا تو تمہارے پانچ لاکھ تمہیں واپس مل گئے ہیں؟"

"ہاں میں تمہیں پارٹنر شپ کے کاغذات دکھانا چاہتا تھا۔ اپنے حصے کا منافع تمہارے نام لکھنا چاہتا تھا لیکن یہ سب کچھ نہ کر سکا۔ تمہارا اعتماد حاصل کرنے کے لئے یہ پانچ لاکھ روپے تمہارے لئے لایا ہوں۔"

وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "تم واقعی ثابت کر رہے ہو کہ مجھ سے سچی محبت کرتے ہو اور شادی کے بعد صرف میرے ہی بن کر رہو گے لیکن.........."

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ صفدر نے پوچھا۔ "لیکن کیا؟ یہ رقم کیا قبول نہیں کرو گی؟"

"ضرور کروں گی لیکن کل ایک اسٹامپ پیپر لے آؤ اور اس پر لکھ دو کہ تم نے آج کی تاریخ میں مجھے پانچ لاکھ روپے دیئے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے ہماری شادی نہ ہو سکی تو میں یہ رقم تمہیں واپس کر دوں گی اور اگر شادی ہو جائے گی تو ایک شریک حیات کے رشتے سے یہ رقم میرے اکاؤنٹ میں رہے گی۔"

"میں اپنی خوشی سے اپنی ساری کمائی تمہیں دے رہا ہوں۔ اس سلسلے میں لکھنا کیا ضروری ہے؟"

"میں ہمیشہ پکا کام کرتی ہوں۔ خود غرض کہلانا نہیں چاہتی۔ تمہاری تحریر ہم دونوں کے پاس رہے گی اور یہ ثبوت رہے گا کہ یہ پانچ لاکھ میں نے تم سے لئے ہیں اور یہ تمہارے ہی رہیں گے۔"

صفدر نے سوچا' یہ حسینہ خود غرض نہیں ہے۔ میری اتنی بڑی رقم کو تحریری معاہدے کے ذریعے میری ہی رکھنا چاہتی ہے۔ وہ بولا۔ "اچھی بات ہے' کورٹ کے کاغذات پر کیا لکھنا ہو گا؟ ایک مختصر سا مضمون ابھی لکھوا دو۔ میں یہ مضمون اسٹامپ وینڈر کے منشی سے قانونی الفاظ میں لکھوا لوں گا۔"

وہ بولی۔ "مضمون کوئی خاص نہیں ہے۔ بس اتنا لکھوا کر اپنے دستخط کرو کہ تم نے اپنے بزنس پارٹنر یعقوب سے پارٹنر شپ ختم کر لی ہے۔ کاروبار میں لگائے ہوئے پانچ لاکھ روپے تمہیں یعقوب نے واپس کر دیئے ہیں اور یہ رقم تم میرے پاس امانت کے طور پر رکھ رہے ہو۔"

صفدر نے کہا۔ "اس میں یعقوب کا اور کاروبار کا ذکر کیا ضروری ہے۔ میں صرف اتنا لکھ دوں گا کہ اپنے پانچ لاکھ تمہیں دے رہا ہوں۔"

وہ انکار میں سر ہلا کر بولی۔ "نہیں' یہ وضاحت ضروری ہے کہ جو رقم میرے پاس امانت رکھ رہے ہو' اسے کہاں سے لے کر آئے ہو۔ دیکھو میرے ابا بڑے نوسر باز تھے۔ بڑی ہیرا پھیری اور شرافت سے دوسروں کو اُلو بناتے تھے۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں لیکن بھروسہ کرتے کرتے کروں گی۔"

وہ ابتدا ہی سے ڈینگیں مارتا رہا تھا کہ امپورٹ ایکسپورٹ کے کاروبار میں یعقوب کا پارٹنر ہے اب یہی بات لکھنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ دوسرے دن اس نے پکے کاغذات پر یہ سب کچھ اس لئے لکھ دیا کہ یعقوب کے قتل کا الزام اس پر نہیں آ سکتا تھا۔ اس کے خلاف کوئی ثبوت' کوئی چشم دید گواہ نہیں تھا۔

اس تحریر کی ایک نقل اس نے اپنے پاس رکھی اور اصل مشتری کو دے دی پھر دوپہر کو یعقوب کے دفتر گیا۔ وہاں پولیس والے تھے۔ اس نے اکاؤنٹنٹ احمد علی سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے۔ اس نے انسپکٹر سے صفدر کو متعارف کرایا پھر بتایا کہ کسی نے یعقوب کو قتل کر دیا ہے۔ صفدر مگرمچھ کے آنسو رونے لگا۔ پولیس والوں نے احمد علی

اور صفدر کو تھانے میں لے جا کر ان کے بیانات قلمبند کرائے۔ یعقوب کی بیوہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس نے بیان دیا کہ مقتول یعقوب اپنے اکاؤنٹنٹ اور اپنے دوست صفدر کی اکثر تعریفیں کیا کرتا تھا پھر صفدر اور احمد علی کے خلاف کوئی ثبوت اور گواہ نہیں تھے۔ ان دونوں کے پتے نوٹ کر کے چھوڑ دیا گیا لیکن تاکید کی گئی کہ وہ تفتیش مکمل ہونے اور قاتل کے گرفتار ہونے تک شہر سے باہر نہ جائیں۔

تفتیش جاری رہی۔ قاتل گرفتار ہونے والا نہیں تھا۔ وہ دولہا بن گیا تھا۔ مشتری سے اس کی شادی ہوگئی۔ شادی کی رات صفدر بخاری نے اس حسینہ کا گھونگھٹ اٹھا کر اس کے حسن کی تعریفیں کیں اور کہا۔ "آج تک کسی حسینہ نے مجھے اپنی طرف مائل نہیں کیا۔ تم میری زندگی کی پہلی حسین ساتھی ہو۔ سہاگ رات سے نئی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لئے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ تم بھی اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔ کیا تم مجھ سے پہلے کسی اور سے بھی متاثر ہوئی تھیں؟"

وہ بولی۔ "میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ تم پہلے شخص ہو جس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوئی ہوں۔ میں دل و جان سے تمہیں چاہتی ہوں۔ اسی لئے تم سے نکاح پڑھوایا ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ نکاح سے پہلے 19 سیارچے میری زندگی میں آچکے ہیں۔ تم بیسویں سیارچے ہو۔"

وہ ذرا سٹپٹایا۔ نئی دلہن سے ایسی کسی بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ مسکرا کر بولا۔

"تم بھی خوب مذاق کرتی ہو۔ ایک دو نہیں 19 عاشقوں کا ذکر کر رہی ہو!"

"یہ مذاق نہیں، حقیقت ہے۔ میرے دور اور نزدیک کے رشتے داروں میں 19 نوجوان میرے دیوانے تھے۔ اب کچھ دیوانے ہیں اور کچھ میری خاطر جان پر کھیل گئے ہیں۔ یعنی ان میں سے دو مر گئے۔ تیسرا پاگل ہوگیا۔ چار عاشق ایسے ہیں جو میری خاطر دولت کمانے کے لئے منشیات کا دھندا کرتے ہیں۔ ان چاروں نے اب تک مجھے دس لاکھ روپے دیئے ہیں لیکن افسوس اس دھندے میں خود نشے کے عادی ہوگئے ہیں۔ باقی بارہ عاشقوں کو میں نے کہہ دیا ہے جو میرے لئے ایک کوٹھی اور ایک کار خریدے گا اور میرے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ جمع کرائے گا میں اس سے شادی کروں

گی۔"

صفدر نے پوچھا۔ "کیا اسی طرح تم اپنا بینک بیلنس بڑھا رہی ہو۔ میں حیران ہوں کہ تم اپنے لالچ کو کتنی بے حیائی سے بیان کر رہی ہو۔"

"تم الٹی بات کر رہے ہو۔ لالچی میں نہیں ہوں بلکہ وہ ہیں، جو سچا عاشق ظاہر کرتے ہیں لیکن ان کی نظریں میری دولت اور جائیداد پر رہتی ہیں۔ وہ صرف پانچ لاکھ مجھے دے کر میرے شوہر بن کر میرے بائیس لاکھ ستر ہزار کے بینک بیلنس اور لاکھوں کی جائیداد کے بالواسطہ حقدار بننا چاہتا چاہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے حادثاتی موت مار دیں اور شوہر کی حیثیت سے مرحومہ بیوی کی دولت اور جائیداد کے مالک بن جائیں۔"

صفدر نے کہا۔ "میں نے تمہیں پانچ لاکھ دیئے ہیں۔ تم مجھے لالچی ہونے کا طعنہ دے رہی ہو؟"

"میں بے جھجک اپنے 19 عاشقوں کا ذکر کر چکی ہوں۔ اگر تم لالچی نہیں ہو تو غیرت میں آؤ اور مجھے طلاق دے دو۔"

صفدر تھوڑی دیر تک اس کا منہ تکتا رہا پھر بولا۔ "تم کئی بار اپنے والد کا ذکر کر چکی ہو۔ باپ کی بے راہ روی کے باعث تمہارے اندر مرد کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ تم سب کو لالچی اور قابلِ نفرت سمجھتی ہو۔ جبکہ میں نے خلوص نیت سے تمہیں اپنی شریک حیات بنایا ہے۔"

"ایک خلوص وہ ہوتا ہے جو خدا بندے کے دل میں پیدا کرتا ہے اور ایک خلوص یہ ہے جو میں اپنے چاہنے والوں کے دل میں پیدا کرتی ہوں۔ میں نے تمہارے دل میں بھی یہ جذبہ پیدا کیا اور تم بڑے خلوص سے میرے لئے ایک ہی دن میں پانچ لاکھ لے آئے جبکہ تمہارا نہ کوئی کاروبار تھا اور نہ کسی سے پارٹنر شپ تھی۔"

وہ ذرا چونکا پھر سنبھل کر بولا۔ "کیا تم مجھے جھوٹا اور فریبی سمجھ رہی ہو۔ کیا کسی کاروبار کے بغیر میں نے اتنی بڑی رقم کہیں سے چوری کی ہے۔"

"اگر تم سچے ہو تو اخبارات جھوٹے ہیں۔ میں نے ایک ہفتہ پہلے یہ خبر پڑھی کہ یعقوب کو قتل کیا گیا ہے۔ میں انتظار کر رہی تھی کہ تم کسی ملاقات میں مجھے سابقہ پارٹنر

کے قتل کی المناک خبر سناؤ گے۔"

"جب وہ پارٹنر نہ رہا۔ اس سے کوئی تعلق بھی نہ رہا اس کا ذکر تم سے یا کسی سے کیوں کرتا؟"

"ذکر کرنے سے یہ بات عام ہوتی کہ تم مقتول کے پارٹنر تھے۔ جبکہ اخبارات میں پولیس کے اور اکاؤنٹنٹ احمد علی کے بیانات کے مطابق مقتول یعقوب کا کوئی بزنس پارٹنر نہیں تھا اور مقتول کی بیوہ کے بیان کے مطابق کسی نے اس کے شوہر کو اغوا کیا تھا اور اس سے تاوان کے طور پر پانچ لاکھ روپے وصول کرنے کے باوجود اس کے شوہر کو قتل کر دیا تھا۔"

صفدر نے سوچا تھا' اس ملک کی اکثریت اخبارات نہیں پڑھتی۔ مشتری بھی نہیں پڑھتی ہوگی اور اگر پڑھتی بھی ہوگی تو اخبارات میں اکثر قاتل اور مقتول کی خبریں شائع ہوتی ہیں۔ یعقوب کا کوئی پارٹنر نہیں؟ ایسی تفصیلات شاید شائع نہیں ہوں گی لیکن اس سلسلے میں اس نے خود کئی غلطیاں کی تھیں۔ پہلی غلطی تو یہ کہ جس دن اسے قتل کیا' اسی رات پانچ لاکھ روپے مشتری کے حوالے کئے۔ مقتول کی بیوی کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اتنی بڑی رقم کہاں سے اور کیسے لایا تھا؟

اس سے پوچھا۔ "کیا تم مجھ پر شبہ کر رہی ہو کہ قاتل اور تاوان کی رقم وصول کرنے والا میں ہوں۔"

"مجھے پانچ لاکھ مل گئے۔ میں آم کھاؤں گی' اس جھگڑے میں نہیں پڑوں گی کہ یہ کس درخت سے آئے اور کس طرح توڑ کر لائے گئے۔"

صفدر ذرا مطمئن ہوا اور بولا۔ "اب میں تسلیم کرنے لگا ہوں کہ تم بہت زیادہ سمجھ دار ہو اور یہ اصول جانتی ہوں کہ ہمیں صرف آم کھانے چاہئیں۔ پیڑ نہیں گننے چاہئیں۔"

"یہ صرف تمہاری بات نہیں ہے۔ میں دوسرے سیارچوں سے بھی یہ نہیں پوچھتی ہوں کہ وہ کہاں سے رقم لاتے ہیں۔ کبھی دس ہزار' کبھی پچیس ہزار اور کبھی پچاس ہزار تک لاتے ہیں۔ یوں قسطوں میں میرے پاس پانچ لاکھ روپے جمع کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔"

"لیکن اب تو ہماری شادی ہو چکی ہے۔ وہ جو بارہ عاشق باقی رہ گئے ہیں' وہ تمہیں پانچ لاکھ دے کر ساری زندگی تمہاری دولت سے عیش کرنا چاہتے تھے۔ میں تمہارا شوہر بن چکا ہوں کیا وہ لوگ تم سے مایوس نہیں ہوئے ہیں؟"

"انہوں نے مجھ سے یہی شکایت کی تھی کہ میں انہیں دھوکا دے کر تم سے شادی کر رہی ہوں لیکن میں نے جواباً انہیں سمجھایا ہے کہ میں اپنی زبان پر قائم ہوں۔ جو پانچ لاکھ روپے پورے کرے گا اس سے شادی کروں گی۔ تم نے پہلے یہ رقم پوری کی' اس لئے تم سے شادی ہو گئی۔ تمہارے بعد جو رقم پوری کرے گا' اس سے شادی کرنے کے لئے تم سے طلاق لوں گی۔"

وہ چونک کر بولا۔ "یہ کیا بکواس ہے تم مجھ سے طلاق لو گی؟ کیا شادی بیاہ کو کھیل سمجھ رہی ہو؟"

"یہ کھیل میں نہیں کھیل رہی ہوں۔ تم سب کھیل رہے ہو؟ کیا میں نے کسی عاشق سے یہ کہا ہے کہ وہ میری دولت کے سائے میں عیش کرنے کے لئے منشیات دھندا کرے۔ کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ میرا شوہر بننے کے لئے کسی کو قتل کرو۔ شادی بیاہ کھیل نہیں ہے لیکن تم سب میرے بینک بیلنس سے شادی کر رہے ہو۔ میں تو محض ایک سیڑھی ہوں جس پر چڑھ کر تم لوگ کسی خزانے تک پہنچنا چاہتے ہو۔"

"ٹھیک ہے' میں تمہاری کڑوی باتیں تسلیم کرتا ہوں لیکن تم نے کبھی یہ سوچا کہ تمہارے پاس لالچ سے آنے والوں میں تمہارے لئے کوئی خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ تمہیں قتل بھی کر سکتا ہے؟"

وہ ہنسنے لگی پھر بولی۔ "ایک دن تو مرنا ہی ہے لیکن جب بھی مروں گی عاشقوں کو ساتھ لے کر مروں گی۔ میرے بینک کے لاکر میں تمہاری وہ تحریر پکے کاغذ پر ہے کہ تم یعقوب کے بزنس پارٹنر تھے اور اس سے اپنے پانچ لاکھ واپس لے کر آئے ہو۔ اس کاغذ پر اسی دن کی تاریخ درج ہے' جس دن یعقوب کا قتل ہوا تھا اور اس کی بیوہ سے کوئی تاوان کے پانچ لاکھ روپے لے گیا تھا۔ تمہاری اس تحریر کے ساتھ میرا ایک خط منسلک ہے۔ میں نے لکھا ہے کہ صفدر بخاری کی یہ کمزوری میرے پاس ہے۔ وہ مجھے قتل کر سکتا ہے۔ یا میری موت کو حادثاتی بنا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر میں طبعی موت نہ مروں

تو میرا قاتل یقینی طور پر صفدر بخاری ہو گا۔"

صفدر بخاری کو چپ سی لگ گئی۔ اس کے سامنے سہاگ کی سیج پر مشتری بانو دلہن بنی بیٹھی تھی۔ ایک تو وہ یوں بھی حسن و شباب سے مالا مال تھی۔ دوسرے مالدار بھی تھی۔ تیسری بات یہ کہ دلہن کے روپ میں اور غضب ڈھا رہی تھی۔ پہلے سے زیادہ پُرکشش ہو گئی تھی۔ کشش کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر سیارچے 60 کلو میٹر فی سکینڈ کی رفتار سے مشتری کی سمت کھنچے چلے آئیں تو پھر انہیں اپنے انجام کے متعلق سوچنے کی فرصت مل ہی نہیں سکتی۔ صفدر کو بھی سوچنے کی فرصت نہیں ملی تھی اور جب سوچنے کا وقت گزر گیا تو سامنے برا انجام نظر آ رہا تھا۔

اعمال و اطوار انسانی کو سمجھنے کے لئے نظام شمسی کو کسی حد تک ضرور سمجھنا چاہئے۔ دنیا کے تمام سائنسدانوں نے متفقہ طور پر جو پیش گوئی کی ہے اس کے مطابق سیارچے 60 کلو میٹر فی سکینڈ کی رفتار سے آ کر جب مشتری سے ٹکرائیں گے تو وہ اس دھماکہ خیز ٹکراؤ کے نتیجے میں مشتری کے اندر 300 میل تک دھنستے چلے جائیں گے۔ ان کے دھنسنے سے مشتری کے اندر سے کنکر، پتھر اور منجمد گیسوں کا الاؤ پگھل کر نکلے گا لیکن وہ تمام سیارچے سینکڑوں میل کی گہرائی تک مشتری کے اندر دھنس چکے ہوں گے وہ پھر باہر نہیں آسکیں گے۔

صفدر بخاری بھی اتنی گہرائی میں دھنس گیا تھا کہ اب مشتری کے وجود سے رہائی پا کر باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کے ٹکرانے کے نتیجے میں زیادہ سے زیادہ کنکر، پتھر نکل سکتے تھے اور بہبود آبادی کے خلاف دنیا کی آبادی بڑھا سکتے تھے۔ صفدر سے پہلے 19 سیارچے بھی مشتری سے ٹکرا کر گم ہو رہے تھے۔ کچھ مر گئے تھے، کچھ پاگل ہو گئے تھے، کچھ نشے کے عادی ہو رہے تھے اور باقی پہاڑ کاٹ کر دودھ کی نہر نکال لانے میں مصروف تھے۔

☆------☆------☆

صفدر کو سہاگ رات گزارنے کی خوشی نہیں تھی۔ کیونکہ اسے ایک دلہن پانچ لاکھ میں پڑی تھی۔ دوسری صبح اس نے سامنے والی دیوار کو دیکھا۔ وہاں ایک ناگن کی بڑی سی تصویر تھی۔ وہ ناگن کنڈلی مارے پھن اٹھائے ہوئے تھی۔ اس وقت مشتری

غسل سے فارغ ہو کر باتھ روم سے کمرے میں آئی۔ اس نے ایک بڑا سا تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ گورے اور شفاف بدن پر پانی کی بوندیں، شبنم کی طرح لرز رہی تھیں۔ بالکل ناگن کی طرح اس کے بدن کی جلد چکنی اور ملائم تھی۔ صفدر نے پوچھا۔ "تم نے یہ ناگن کی تصویر کیوں لگا رکھی ہے؟"

"وہ مسکرا کر بولی۔ "کیا تمہیں ڈر لگ رہا ہے؟"

"سانپ سے کون نہیں ڈرتا؟ کیا تمہیں ڈر نہیں لگتا ہے؟"

"میں نے تنہا اتنی بڑی دنیا میں زندہ رہنے کے لئے اپنے اندر اتنا زہر بھر لیا ہے کہ اب زہر سے یا کسی زہریلی چال سے ڈر نہیں لگتا ہے۔ میرے اندر کا زہر اس کا توڑ کر لیتا ہے۔"

"اب تم سے یہ بات چھپی نہیں ہے کہ تمہارے باپ کی طرح میں بھی نوسرباز ہوں لیکن تم سے جو ہیرا پھیری کی، اس میں ہار گیا۔ تم جیت گئیں۔ مجھے تمہاری چالاکی اور زندگی گزارنے کا طریقہ بہت پسند ہے لیکن یہ طریقہ پسند نہیں ہے کہ کوئی اور عاشق پانچ لاکھ پورے کر لے تو تم مجھے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکو گی۔ کیا تم بھول جاؤ گی کہ میں نے بھی تمہیں پانچ لاکھ دیئے ہیں؟"

وہ آئینے کے سامنے جا کر ہیئر ڈرائر سے بھیگی زلفوں کو خشک کرتے ہوئے بولی۔ "اسے کرکٹ کا کھیل سمجھو۔ دوسرا کھلاڑی تمہارا اسکور پورا کرے گا تو تم ہار جاؤ گے، وہ مجھے جیت لے گا۔ اگر تم ہارنا نہیں چاہتے تو اپنا اسکور بڑھاؤ پانچ سے چھ لاکھ، سات لاکھ، آٹھ، نو اور دس لاکھ یعنی ایک ایک لاکھ کا ایک ایک رن بنائے جاؤ۔"

"تم جانتی ہو کہ میرا کوئی کاروبار نہیں ہے۔ آمدنی کا کوئی سا بھی ذریعہ نہیں ہے۔"

"جن کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، وہی ایک لاکھ کا ایک رن بناتے ہیں۔ جیسا کہ تم نے ایک ہی دن میں پانچ رن بنا کر مجھے جیت لیا ہے۔"

"وہ تو اتفاق سے ایک موقع مل گیا تھا۔"

"دولت اتفاق سے نہیں ملتی۔ موقع کی تاک میں رہنے سے ملتی ہے۔ چونکہ میں تمہیں بٹھا کر نہیں کھلا سکتی اور نہ ہی اپنے پرس سے تمہارے اخراجات پورے کر سکتی

ہوں' اس لئے میں تمہیں واردات کے کچھ مواقع فراہم کرتی رہوں گی۔ اگر کامیابی سے واردات کرتے رہو گے تو اپنے اخراجات بھی پورے کرتے رہو گے اور میرے اکاؤنٹ میں بھی ایک ایک رن کا اضافہ کرتے رہو گے اور اگر ناکام رہو گے تو جیتنے والا کھلاڑی تمہاری جگہ لے لے گا۔"

"تمہاری بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے۔ میری کوشش ہوگی کہ کوئی میری جگہ نہ لے سکے۔ ویسے تم نے ایک مشکل پیدا کردی ہے۔ تم نے لاکر میں یہ لکھ کر رکھا ہے کہ اگر قتل کی جاؤں گی یا حادثاتی موت ہوگی تو ایسی موت کا ذمے دار مجھے ٹھہرایا جائے گا۔"

"اس میں تمہارے لئے کیا مشکل ہے؟"

"یہی کہ تمہیں کبھی کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے' جس میں میرا ہاتھ نہیں ہوگا۔ کوئی دل جلا عاشق تمہیں قتل کرسکتا ہے اور الزام مجھ پر آئے گا۔ تمہاری تحریر مجھ بے قصور کو مجرم اور قاتل بنادے گی۔"

"میں نے اس لئے ایسا لکھا ہے کہ تم اپنی سلامتی کے لئے میرے جسم و جان کی حفاظت کرتے رہو۔ ایک بہت ہی محتاط اور مستعد باڈی گارڈ بن کر رہو۔ اس طرح تمہارا بھی بھلا ہوگا' میرا بھی بھلا ہوتا رہے گا۔"

وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ چت بھی مشتری کی تھی۔ پٹ بھی مشتری کی تھی۔ وہ اس سے ٹکرانے کے بعد 300 کلو میٹر اندر تک دھنس گیا تھا۔ وہاں سے نکل نہیں سکتا تھا۔ تقریباً چار ماہ بعد مشتری نے کہا۔ "میرا ایک عاشق ہے۔ وہ اب تک میرے اکاؤنٹ میں چار لاکھ پچپن ہزار جمع کرا چکا ہے۔ شاید پرسوں تک وہ تمہارے اسکور سے آگے نکل جائے۔"

صفدر نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "وہ کون ہے؟ اس کا نام اور پتا بتاؤ؟"

"کیا اسے قتل کرو گے؟ تاکہ وہ باقی پینتالیس ہزار مجھے دے کر تمہیں فیلڈ سے آؤٹ نہ کردے۔"

"میں تمہیں شریکِ حیات بنائے رکھنے کے لئے کچھ بھی کرسکتا ہوں۔"

"بے شک کچھ بھی کرسکتے ہو مگر میں اپنا نقصان برداشت نہیں کروں گی۔ تم

اسے قتل کرو گے تو مجھے پینتالیس ہزار کا نقصان ہوگا۔ کیا تم اسے ہلاک کرنے کے بعد اس کے حصے کی باقی رقم ادا کرو گے؟"

وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔ "جو رقم وہ تمہیں ادا کرنے والا ہے' وہ اسے پرسوں تک ملے گی۔ میں وہی رقم تمہیں لا کردوں گا۔ مجھے اتنا بتادو کہ وہ رقم کہاں سے اور کیسے حاصل کرے گا؟"

وہ بولی۔ "آج صبح اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ آج رات تک اسے دس کلو ہیروئن ایک سپلائر سے ملے گی۔ اس نے ایک غیر ملکی باشندے سے سودا طے کیا ہے۔ اسے ساٹھ ہزار ملیں گے' جس میں سے دس ہزار سپلائر لے گا۔ باقی پچاس ہزار میں سے وہ مجھے پینتالیس ہزار دے کر میرے مطلوبہ پانچ لاکھ روپے پورے کردے گا۔"

"وہ رقم میں پوری کروں گا' مجھے اس کا نام اور پتا بتاؤ!"

"میں صرف ایک شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا آسکتا ہے پھر دوسرے کی جگہ تیسرا آسکتا ہے لیکن میں بار بار شوہر بدلنے کے باعث بدنام ہونے لگوں گی۔ اس لئے تمہیں اس کا نام اور پتا بتارہی ہوں۔ اس نے آج رات نو بجے پرل میں ڈنر کے لئے مدعو کیا ہے۔ میں جاؤں گی اور اس سے یہ اگلواؤں گی کہ دس کلو ہیروئن اسے مل چکی ہے یا نہیں؟ اور اس کا اگلا پروگرام بھی معلوم کروں گی۔ اس طرح تمہیں اس کی اور غیر ملکی کے سودے بازی اور لین دین کا طریقہ کار پوری تفصیل سے معلوم ہوجائے گا۔"

"مشتری! یہ تمہاری دلی محبت ہے کہ میرے لئے آسانیاں پیدا کررہی ہو۔ مجھے یقین ہے کہ میں بہت محتاط رہ کر کامیابی حاصل کروں گا۔"

مشتری نے صفدر بخاری کو اس عاشق کا نام اور پتا بتادیا اور اسے تاکید کی کہ وہ جب تک اس عاشق کے ساتھ پرل میں رہے گی تب تک صفدر کوٹھی میں فون کے پاس موجود رہے گا۔ صفدر نے پوچھا۔ "تم صرف کھانے کی میز تک رہو گی یا اس کے ساتھ پرل کے کسی کمرے میں بھی جاؤ گی؟"

مشتری نے اسے گھور کر دیکھا پھر کہا۔ "میں نے شادی کی پہلی رات یہ کھری

بات کہہ دی تھی کہ میں پارسا نہیں ہوں۔ میرے ایک نہیں 19 عاشق ہیں۔ اگر غیرت مند ہو تو مجھے طلاق دے دو۔"

اس نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ "تم تو ناراض ہو گئیں' آئندہ تمہارے مزاج کے خلاف کوئی بات نہیں کروں گا۔"

صفدر بخاری بیسواں سیارچہ تھا۔ انیسویں سیارچے کا نام جمشید تھا۔ وہ نو بجے پرل پہنچی تو جمشید اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بڑے ہی عاشقانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔ "تم وعدے کے مطابق ٹھیک نو بجے آئی ہو پھر بھی یوں لگتا ہے جیسے مجھے صدیوں کے انتظار میں مبتلا کرنے کے بعد آئی ہو۔ کیا اوپر کمرے میں چلو گی؟"

"پہلے پوری پے منٹ کرو پھر کمرے کا خواب دیکھو۔"

"میں تمہیں کمرے میں لے جا کر سرپرائز دینا چاہتا ہوں۔ مال آج شام کو ہی مل گیا تھا۔ ابھی دو گھنٹے پہلے میں نے اس غیر ملکی گاہک کو مال دے کر پے منٹ لی ہے۔ پورے ساٹھ ہزار روپے اوپر کمرے میں ہیں۔ جس میں سے پینتالیس ہزار تمہارے ہیں۔"

وہ ایک صوفے پر بیٹھ کر بولی۔ "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے میں صفدر بخاری سے کل طلاق نامہ لکھوا لوں گی لیکن جب تک طلاق نہ ہو' میں اس کی بیوی ہوں' اس لئے تمہارے ساتھ کمرے میں نہیں جاؤں گی۔ تم میرے حصے کی رقم یہاں لے آؤ اور جیسا کہ ہوتا آیا ہے۔ ایک کچے کاغذ پر لکھ دو کہ تم نے دس کلو ہیروئن فروخت کرنے کے بعد جو رقم حاصل کی ہے' اس میں سے تم نے پینتالیس ہزار روپے دیئے ہیں۔"

جمشید نے کہا۔ "مشتری! تم جتنی حسین اور پُرکشش ہو' اتنی ہی خطرناک ہو۔ جب بھی میں قسطوں میں رقم ادا کرتا ہوں' تم مجھ سے اسٹامپ پیپر پر لکھوا لیتی ہو کہ کن ناجائز ذرائع سے میں نے وہ رقم حاصل کی ہے۔"

"میں نے صفدر بخاری سے بھی لکھوایا تھا۔ اب وہ اپنی اس تحریر کے دباؤ میں رہ کر مجھے طلاق دے گا اور تمہارے لئے جگہ خالی کر دے گا۔ اس طرح کوئی دوسرا پانچ لاکھ پورے کرے گا تو تم بھی مجبور ہو کر مجھے طلاق دے کر اس دوسرے کے لئے جگہ خالی کرو گے۔"

"تم اپنے طور پر بہت محتاط رہتی ہو مگر ہمیں مجبور اور بے بس بنا دیتی ہو۔"

"میں نہیں بناتی ہوں۔ میری دولت مجبور کرتی ہے۔ پہلے بائیس لاکھ ستر ہزار تھے۔ صفدر بخاری نے ادائیگی کی تو ستائیس لاکھ ستر ہزار ہو گئے تمہارے پینتالیس ہزار کا اضافہ ہونے سے میرے اکاؤنٹ میں اٹھائیس لاکھ پندرہ ہزار ہو جائیں گے۔ میری زمین جائیداد کا حساب الگ ہے۔ آخر اتنی دولت اور جائیداد اسی شوہر کو ملے گی' جس کی زوجیت میں رہ کر طبعی موت مروں گی۔ صفدر بخاری بدنصیب نکلا۔ اس کی زوجیت میں زندہ رہی ہوں۔ دعا کرتے رہو کہ تمہاری دلہن بن کر مجھے آخری ہچکی آ جائے۔"

"پلیز ایسی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ میری بھی عمر تمہیں لگ جائے؟"

"ایسی دعائیں اکثر بھائی اپنی بہنوں کو دیتے ہیں۔ رشتہ نہ بدلو۔ اوپر جاؤ اور رقم لے آؤ۔"

وہ صوفے سے اٹھ کر بولا۔ "میں ابھی لے کر آتا ہوں پھر ہم کھانا کھائیں گے۔"

وہ لفٹ کی طرف چلا گیا۔ مشتری پبلک ٹیلی فون کاؤنٹر پر آئی پھر صفدر بخاری سے رابطہ کرنے کے بعد کہا۔ "حالات کچھ بدل گئے ہیں۔ مجھے وہ رقم ابھی مل رہی ہے تم اپنی موٹر سائیکل پر یہاں آؤ۔ جب میں جمشید سے رخصت ہو کر چلی جاؤں تو تم اس کا تعاقب کرو پھر جو کرنا ہے کر گزرو۔ اگر ناکام رہو گے تو کل تمہیں طلاق نامہ لکھ کر جمشید کے لئے جگہ چھوڑنی ہو گی۔"

"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ جمشید کو دنیا چھوڑ کر جانا ہو گا۔ ابھی موٹر سائیکل پر آ رہا ہوں۔"

"اور سنو' جمشید جو رقم مجھے دے گا اس کے بعد اس کے پاس پندرہ ہزار رہیں گے۔ اگر اسے حاصل کر سکو تو وہ تمہاری محنت کا معاوضہ ہو گا اور یہ بھی یاد رکھو کہ میرے رخصت ہونے کے بعد شاید وہ ہوٹل نہ چھوڑے اور یہاں اپنے کمرے میں رات گزارے۔ لہٰذا تمہیں یہاں آ کر جمشید قمر کا کمرا نمبر معلوم کرنا ہو گا۔"

رابطہ ختم ہو گیا۔ صفدر بخاری ریسیور رکھ کر سوچنے لگا۔ "میں ہوٹل کے کاؤنٹر

سے جمشید کا کمرا نمبر معلوم کروں گا تو کاؤنٹر کلرک وغیرہ کی نظروں میں آجاؤں گا پھر واردات کے بعد جو تفتیش ہوگی اس میں میری شامت آجائے گی۔"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری کو کھول کر ہوٹل کے استقبالیہ کا نمبر معلوم کیا۔ ریسیور اٹھا کر وہ نمبر ڈائل کئے پھر رابطہ ہونے پر جمشید قمر کا کمرا نمبر معلوم کیا۔ دوسری طرف سے کمرا نمبر بتادیا گیا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔ کچھ سوچنے لگا پھر صوفے سے اٹھ کر الماری کے پاس آیا۔ اسے کھول کر ایک دراز سے ریوالور نکالا پھر اسے لوڈ کرنے لگا۔

مقتول یعقوب کے دیے ہوئے اڑھائی ہزار روپے کا وہ ریوالور بہت کام آیا تھا۔ اب اس میں ایک سائیلنسر کا اضافہ ہوگیا۔ پچھلے چار ماہ میں اس نے کسی حد تک صحیح نشانہ لگانا سیکھ لیا تھا۔

وہ موٹر سائیکل کے ذریعے ہوٹل کے احاطے میں آیا۔ گاڑی کو ایک جگہ پارک کیا پھر وہاں سے چلتا ہوا ڈائننگ ہال کے دروازے پر آیا۔ وہاں سے دور تک نظریں دوڑانے لگا۔ ایک میز پر مشتری نظر آئی۔ اس کے سامنے میز کے دوسری طرف ایک جوان بیٹھا ہوا تھا۔ وہی جمشید ہوسکتا تھا۔ اس نے پہلے کبھی جمشید کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ اچھی طرح یاد کرلینے کے بعد وہ ویٹنگ ہال میں آکر ایسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے ڈائننگ ہال کا دروازہ نظر آرہا تھا۔

ایک طویل اکتا دینے والے انتظار کے بعد وہ نظر آئی۔ جمشید کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی ڈائننگ ہال سے نکل کر ہوٹل کے باہر جارہی تھی۔ صفدر کافی فاصلے سے ان کے پیچھے باہر آیا۔ وہ دونوں پارکنگ کے حصے میں تھے۔ مشتری اس سے رخصت ہوکر اپنی کار کی اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ رہی تھی۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے رخصت ہونے کے بعد جمشید اسی ہوٹل میں رہے گا۔

وہ کار ڈرائیو کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ جمشید واپس ہوٹل کے اندر جانے لگا۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ خوشی کی وجہ یہی تھی کہ اس نے قسطوں میں رقم ادا کرتے کرتے پورے پانچ لاکھ ادا کردیئے تھے اور اب وہ اپنے رقیب صفدر بخاری کو مشتری کی زندگی سے نکال کر خود اس کا شوہر یعنی کہ اس کی دولت کا مالک و مختار بننے

والا تھا۔

اس نے کاؤنٹر سے اپنے کمرے کی چابی لی پھر لفٹ کے ذریعے تیسری منزل کے کمرے میں آگیا۔ اس نے سوچا تھا کہ مشتری کو آخری پینتالیس ہزار کی ادائیگی کرے گا تو وہ اس کے کمرے میں آئے گی۔ آج کی رات بہت حسین ہوگی لیکن وہ کمرے میں آیا تو ویرانی تھی۔ اپنی تنہائی اور اس کی جدائی کا غم غلط کرنے کے لئے اس نے اٹیچی سے ہیروئن کا ایک پیکٹ نکالا۔ اس نے اس دھندے میں بڑی کمائی کی تھی۔ بڑا فائدہ اٹھایا تھا مگر نقصان بھی یہ ہوا تھا کہ وہ نشے کا عادی ہوگیا تھا۔

اس نے پیکٹ کے ایک سرے کو دانتوں سے کاٹ کر اسے کھولا پھر اس میں سے ایک چٹکی سفید پاؤڈر نکال کر زبان پر رکھا۔ مزہ آگیا۔ جیسے روح کو غذا ملنے لگی۔ وہ اور ایک چٹکی پاؤڈر لینا چاہتا تھا اسی وقت کال بیل سنائی دی۔ وہ پیکٹ کو میز پر رکھ کر دروازے کے پاس آیا پھر بولا۔ "کون ہے؟"

باہر سے آواز آئی۔ "روم سروس۔"

وہ بولا۔ "ابھی کسی سروس کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ یہاں سے۔"

پھر آواز آئی۔ "سر! ہوٹل منیجر نے آپ کے نام ایک لیٹر دیا ہے۔ آپ ریسیو کرلیں۔"

اسے دروازہ کھولنا پڑا۔ دروازہ ذرا سا کھلتے ہی بڑی زور سے اس کے منہ پر لگا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گیا۔ صفدر نے پھرتی سے اندر آکر دروازے کو بند کردیا۔ جمشید غصے میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن سہم گیا۔ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور کو دیکھنے لگا پھر اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔ "تت' تم؟"

"ہاں' سانپ کسی کو نہیں پہچانتا لیکن میں اس خزانے کا سانپ ہوں جسے تمہارے جیسے عاشق پہچانتے ہیں۔ کیا تم نے بے شمار خزانہ تلاش کرنے والوں کی داستانیں نہیں پڑھیں کہ جب بھی وہ کسی خزانے تک پہنچے۔ وہاں انہوں نے ایک زہریلے سانپ کو خزانے کی نگرانی کرتے ہوئے پایا۔ تم بھی خزانے تک پہنچ ہی گئے ہو تو اب نگرانی کرنے والے اس سانپ کو بھی آخری بار دیکھ لو۔"

وہ موت سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ صفدر نے اسے نشانے پر رکھ کر

آگے بڑھتے ہوئے میز کی طرف ایک نگاہ ڈالی۔ وہاں سفید پاؤڈر کا کھلا ہوا پیکٹ پڑا تھا۔ جمشید نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ "مجھے نہ مارو۔ میں مشتری کے حصول سے باز آ جاؤں گا۔ وہ پانچ لاکھ بھی واپس نہیں لوں گا۔ تم کہو گے تو میں اس شہر سے اور اس ملک سے باہر چلا جاؤں گا۔"

صفدر بخاری نے کہا۔ "تمہاری کوئی بات سنائی نہیں دے رہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ سانپ کے کان نہیں ہوتے۔ اس لئے صرف میری پھنکار سنو اور صرف ہاں یا نہ میں سرہلاؤ۔ کیا تمہیں ہیروئن کا نشہ پسند ہے؟"

اس نے ہاں کے انداز میں سرہلایا۔ صفدر نے کہا۔ "اگر ابھی اسے استعمال کرو گے تو میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا۔"

اسے تو ایک چٹکی کے بعد مزہ آیا تھا۔ اب مزید استعمال کرنے سے نشہ سرچڑھ کر بولنے والا تھا اور رقیب اسے نئی زندگی دینے والا تھا۔ وہ فوراً ہی میز کے پاس گیا۔ پھر اس نے پیکٹ سے دو چٹکی پھانک لی۔ صفدر نے کہا۔ "اس سے کیا ہوتا ہے۔ آدھا پیکٹ حلق سے اتار دو!"

اس پر سرور طاری ہو رہا تھا۔ وہ بولا۔ "مم' میں تھوڑی خوراک لیا کرتا ہوں۔ ابھی رات کے لئے اتنی ہی خوراک کافی ہے۔"

"میں کہہ چکا ہوں۔ سانپ کے کان نہیں ہوتے۔ تمہاری کوئی بات سنائی نہیں دے رہی ہے۔ صرف ہاں یا نہ کے انداز میں حرکت کروں۔ میں تمہارے جسم میں گولی اتاروں یا تم آدھا پیکٹ حلق سے اتارو گے؟"

اس نے ریوالور کو اس بار دونوں ہاتھوں سے تھام کر نشانہ لیا۔ وہ جلدی سے پیکٹ اٹھا کر منہ کھول کر اپنے حلق میں پاؤڈر اتارنے لگا۔ پیکٹ چھ انچ لانبا اور چار انچ چوڑا تھا۔ اس کا آدھا پاؤڈر استعمال کرنے والا ہسپتال یا سیدھا قبرستان پہنچ سکتا تھا۔ اسے زور کا ٹھسکا لگا۔ وہ کھانسنے لگا۔ پیکٹ ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ صفدر نے ایک ہاتھ سے پانی کا جگ اٹھا کر اس کے منہ سے لگا دیا۔ اس نے غٹاغٹ چند گھونٹ پئے پھر چکرا کر بستر پر گر پڑا۔

اس کے دیدے پھیل رہے تھے۔ وہ لمبی لمبی سانسیں لینا چاہتا تھا مگر سانسیں اٹک

اٹک کر آ رہی تھیں۔ صفدر نے باقی آدھا پیکٹ اٹھایا پھر اس کے منہ میں ریوالور سے لگے ہوئے سائیلنسر کو گھسا دیا پھر اس پیکٹ کا پاؤڈر اس کے منہ میں ٹھونسنے لگا۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں جان نہیں رہی تھی مگر اتنی سکت رہ گئی تھی کہ وہ پاؤڈر نگلنے سے انکار کر سکتا تھا لیکن سائیلنسر منہ میں گھسا ہوا تھا۔ اس لئے منہ بند نہیں کر سکتا تھا۔ پاؤڈر اتنا بھر گیا تھا کہ ہونٹوں سے باہر آ رہا تھا اور صفدر اپنی انگلی اس کے منہ میں ڈال کر پاؤڈر کو اس کے حلق کے اندر ٹھونس رہا تھا۔

صرف چند منٹوں میں اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ صفدر نے ریوالور کے سائیلنسر کو اس کے منہ سے نکال لیا۔ اس کا منہ اسی طرح کھلا رہ گیا۔ اس نے نبض ٹٹولی۔ دل کی دھڑکنوں کو خاموش پایا پھر اس پیکٹ کو اس کی مٹھی میں پکڑا دیا۔ اس میں تھوڑا سا پاؤڈر رہ گیا تھا۔ اسے سیدھی طرح بستر پر لٹا کر بستر پر اِدھر اُدھر گرے ہوئے پاؤڈر کو صاف کرنے لگا۔ وہ چاہتا تھا' تفتیش کرنے والے یہی سمجھیں کہ کسی نے اس سے زبردستی نہیں کی تھی۔ وہ خود نشے کی ہوس میں سارا پاؤڈر استعمال کرتے کرتے مر گیا ہے۔

پھر اس نے اس کے سامان کی تلاش لی۔ ہیروئن کے مزید دو پیکٹ اور پندرہ ہزار روپے ملے۔ وہ پیکٹ دیسی مارکیٹ میں فروخت کئے جاتے تو پانچ چھ ہزار ملتے اور کوئی بدیسی گاہک مل جاتا تو پندرہ بیس ہزار روپے دے جاتا۔ وہ یہ تمام مال سمیٹ کر وہاں سے کسی روک ٹوک کے بغیر چلا آیا۔

مشتری نے جب اس کا یہ کارنامہ سنا تو خوش ہوئی اور کہا۔ "یہ تم نے عقلمندی کی کہ ہتھیار استعمال نہیں کیا اور اس کی موت کو قتل اور خودکشی کے درمیان الجھا دیا ہے۔ اب تم پکے ہو رہے ہو۔"

وہ ایسا پکا کام کر کے پھر کچھ عرصے کے لئے اس کا پکا شوہر بن گیا۔ ویسے آگے بڑے مرحلے طے کرنے تھے ابھی تقریباً گیارہ سیارچے باقی تھے جو پانچ لاکھ کے ٹارگٹ پر آ کر مشتری کی سطح سے ٹکرانا چاہتے تھے۔ (سائنسدانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ کوئی سیارچہ زمین کی طرف آئے گا تو ایٹم بم مار کر اسے خلا میں ہی تباہ کر دیا جائے گا) صفدر بخاری نے بھی یہی کیا تھا۔ اپنی مشتری کی طرف آنے والے ایک سیارچے کو تباہ کر دیا

تھا اور اپنے خزانے پر سانپ بن کر بیٹھے رہنے کے لئے لازمی تھا کہ وہ باقی سیارچوں کو بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح تباہ کرتا رہے۔

☆------☆------☆

اس جدوجہد میں دن مہینے اور سال گزرنے لگے۔ مشتری اس پر ذرا اعتماد کرنے لگی تھی کیونکہ وہ بہت کام کر رہا تھا۔ ہر آنے والے سیارچے کو اس وقت تباہ کرتا تھا جب وہ پانچ لاکھ کا ٹارگٹ پورا کر دیتا تھا۔ اس طرح مشتری کے اکاؤنٹ میں بارہ سیارچے ساٹھ لاکھ روپے جمع کر کے فنا ہوگئے تھے۔ ان بارہ میں جمشید بھی شامل تھا۔

اس دوران صفدر بخاری کی وہ ابنارمل بہن بیوہ ہوگئی تھی۔ صفدر نے اس کے شوہر کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر قبضہ جمالیا اور مشتری نے اسے اپنی کوٹھی میں کام کرنے والی کی حیثیت سے پناہ دے دی۔

اس طرح چار برس گزر گئے اور 1994ء کا سال آگیا۔ دنیا کے تمام سائنس دانوں نے پیش گوئی کی تھی کہ جولائی 1992ء میں منجمد گیسوں والا جو سیارہ خلا میں بھٹکتا ہوا آیا تھا اور سیارہ مشتری کی کشش ثقل میں آکر تباہ ہوگیا تھا' اب اس کے اکیس ٹکڑے یعنی اکیس سیارچے سال رواں کی 16 جولائی کو یکے بعد دیگرے مشتری سے ٹکرائیں گے۔ 16 جولائی سے اکیس جولائی تک یہ ٹکراؤ ان کے لئے قابلِ دید ہوگا جو رصدگاہوں کی دوربینوں سے نظارہ کریں گے۔

واضح رہے کہ اکیس سیارچوں کے ٹکرانے کی پیش گوئی کی گئی ہے اور ابھی تک مشتری بانو سے انیس سیارچے ٹکرا کر تباہ ہوچکے ہیں بیس واں سیارچہ صفدر بخاری ہے اور اب اکیسواں سیارچہ آنے والا ہے۔

اس سلسلے کے مزید واقعات بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اکیسویں سیارچے کا نہایت ہی مختصر سا تعارف پیش کر دیا جائے۔ سائنس دانوں کی رپورٹ کے مطابق اکیسواں سیارچہ سب سے بڑا ہے۔ اس کا قطر تقریباً چار کلو میٹر ہے۔ اتنی بڑی جسامت کا سیارچہ اگر زمین پر کہیں گرے گا تو آس پاس کے تمام ملک نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اس سے اتنی حرارت خارج ہوگی کہ ہر چیز جل کر خاک ہو جائے گی اور اربوں انسان موت کے گھاٹ اتار جائیں گے۔

یوں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ سیارچہ کیسا زبردست ہے۔ سائنس دانوں نے اس اکیسویں سیارچے کا نام شومیکر لیوی۔9 رکھا ہے لیکن مشتری بانو سے جو زبردست اکیسواں سیارچہ ٹکرانے آرہا تھا' اس کا نام ملک حیات شاہ تھا۔ کسی بھی زبردست سیارچے کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ اس لئے ملک حیات شاہ بھی نابینا تھا۔

ایک صبح کال بیل کی آواز سنائی دی۔ مشتری رات دیر تک جاگتی رہی تھی۔ نیند ٹوٹ جانے سے منہ بنا کر بولی۔ "کون کمبخت اتنی صبح آگیا ہے۔"

صفدر نے کہا۔ "یہ صبح نہیں ہے۔ دس بج چکے ہیں۔ اب اٹھ بھی جاؤ۔"

"یو شٹ اپ' مجھے سونے دو' جاؤ دیکھو کون ہے۔"

وہ بستر سے اٹھ کر بیڈ روم سے باہر آیا۔ پھر کچن میں آکر اپنی بہن کو دیکھ کر ناگواری سے بولا۔ "کیا تم بہری ہو؟ کال بیل کی آواز سن کر معلوم نہیں کرسکتی تھی کہ کون آیا ہے۔"

"بھابی نے مجھے منع کیا ہے کہ میں اس گھر میں آنے والوں کے سامنے نہ جایا کروں۔"

"اور یہ بھی تو منع کیا ہے کہ تم مجھے بھائی اور اسے بھابی نہ کہا کرو۔"

"ہاں مگر میں تو کسی کے سامنے نہیں کہہ رہی ہوں۔ مجھے اکیلے میں تو یہ حق ملنا چاہئے۔"

کال بیل کی آواز پھر سنائی دی۔ بہن بھائی کے دباؤ میں تھی اور بھائی مشتری کے دباؤ میں تھا۔ اس نے سوچا بار بار کال بیل کی آواز سے مشتری کی نیند اچاٹ ہوگی تو وہ غصے میں گالیاں بکنا شروع کر دے گی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا پھر وہاں سے گزر کر کاریڈور میں پہنچا۔ اس کے بعد بیرونی دروازے کو کھولا۔ باہر برآمدے میں ایک ادھیڑ عمر کا خوش پوش اجنبی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔ "پہلے تو میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو زحمت دی ہے۔ آپ شاید سو رہے تھے۔ میں ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی ہوں۔" اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ صفدر بخاری نے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

"میں ایک ارب پتی ملک حیات شاہ کا خاص مشیر ہوں۔ یہ جو ساتھ والی کوٹھی

ہے اسے شاہ صاحب ایک دو ماہ کے لئے خریدنا چاہتے ہیں۔ میں اس سلسلے میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

صفدر نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ ایک دو ماہ کے لئے خریدنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ کیا دو ماہ بعد وہ کوٹھی کسی اور کو فروخت کر دیں گے۔"

"اجی نہیں صاحب! یہ کوٹھی بیس لاکھ کی مل رہی ہے۔ شاہ صاحب بیس لاکھ جیسی معمولی رقم کا لین دین نہیں کرتے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک یا دو ماہ اس شہر میں ضروری معاملات نمٹانے کے لئے رہیں گے پھر یہاں سے جانے سے پہلے یہ کوٹھی کسی فلاحی ادارے کو دے کر چلے جائیں گے۔"

صفدر کی کھوپڑی میں دھواں بھر گیا۔ اس دھوئیں سے کھوپڑی آسمان میں اڑنے لگی۔ اس نے شدید حیرانی سے پوچھا۔ "کیا واقعی وہ بیس لاکھ کی کوٹھی کسی فلاحی ادارے کو دے کر چلے جائیں گے؟"

"جی ہاں' میں اس کوٹھی کے مالک کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔"

وہ جلدی سے بولا۔ "جناب ایڈووکیٹ صاحب! آپ باہر کیوں کھڑے ہیں۔ اندر تشریف لائیں۔ آرام سے بیٹھ کر معلومات حاصل کریں۔"

وہ بڑی عزت اور احترام سے اسے ڈرائنگ روم میں لے کر آیا' پھر کہا۔ "آپ صوفے پر تشریف رکھیں' میں فوراً برش کر کے گرما گرم چائے لے کر آتا ہوں۔ پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا بیڈ روم میں آیا۔ پھر مشتری کو جھنجوڑ کر بولا۔ "اٹھو۔ جو سوتا ہے' وہ کھوتا ہے۔"

وہ جھنجلا کر بولی۔ "کھوتے (گدھے) تم ہو۔ کیوں نیند خراب کر رہے ہو؟"

"میری جان! تم نے کوئی ایسا دولت مند دیکھا ہے جو بیس لاکھ روپے یونہی پھینک کر چلا جاتا ہو؟"

بیس لاکھ کی بات پر اس کی نیند اڑ گئی۔ اس نے تعجب سے پوچھا۔ "یہ صبح ہی صبح کیا بکواس کر رہے ہو؟"

"بکواس نہیں' حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ ایک ارب پتی شخص کا قانونی مشیر ہمارے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے۔ وہ اپنے ارب پتی مالک کے لئے ہمارے پڑوس والی کوٹھی خریدنے آیا ہے۔ وہ بیس لاکھ کی کوٹھی میں ایک یا دو ماہ رہ کر اس شہر میں اپنے ضروری کاروباری معاملات نمٹائے گا۔ پھر یہاں سے جانے سے پہلے وہ کوٹھی کسی فلاحی ادارے کو دے جائے گا۔"

وہ فوراً ہی بستر پر سے اٹھ گئی پھر بولی۔ "کیا وہ کوئی پاگل کا بچہ ہے؟"

"تم نے میری بات غور سے نہیں سنی۔ وہ پاگل نہیں ارب پتی ہے۔ ایسے لوگ ہزار روپے کے نوٹ کی بتی بنا کر اسے سگریٹ کی طرح پھونک دیتے ہیں۔"

مشتری نے ایک لمبی سانس کھینچی پھر پوچھا۔ "کیا وہ ارب پتی بھی آیا ہے؟"

"نہیں۔ صرف اس کا قانونی مشیر آیا ہے۔ میں اس سے باتوں ہی باتوں میں اس ارب پتی کی پوری ہسٹری معلوم کروں گا۔ تم سوچو' ہمیں اور کیا کرنا ہے؟"

"اسے چائے وغیرہ پلاؤ۔ لمبی باتیں کرو۔ میں چھپ کر سنوں گی۔ اپنی بہن کو اس کے سامنے نہ جانے دینا۔ ورنہ وہ اپنی حماقت سے کام بگاڑ دے گی۔"

"میں اتنی بڑی کوٹھی میں رہتا ہوں۔ خود ہی چائے اور ناشتے کی ٹرالی لے جاؤں گا تو وہ کیا سوچے گا؟"

"ذرا عقل استعمال کرو۔ کہہ دینا' گھر میں کوئی نہیں ہے۔ سبھی لاہور کسی تقریب میں گئے ہیں اس لئے تم نے ملازموں کو چھٹی دے دی ہے۔"

وہ دونوں وہاں سے کچن میں آئے۔ وہاں بہن بھی تھی۔ صفدر نے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈال کر تولیے سے چہرے کو پونچھا۔ پھر ٹرالی دھکیلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا - ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی نے کہا۔ "جناب! آپ یہ تکلیف کر رہے ہیں۔ میں ناشتا کر کے آیا ہوں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم گفتگو کریں گے تو منہ ہلتا رہے گا' کچھ نہ کچھ کھاتے ہوئے بھی منہ ہلے گا۔ بولنے اور کھانے کی حرکت ایک ہی سی ہو گی۔"

ایڈووکیٹ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ انداز گفتگو سے زندہ دل لگتے ہیں اور آپ کی یہ کوٹھی بھی آپ کی شخصیت کی طرح شاندار ہے۔ ویسے ایک بات

پوچھوں؟"

"ضرور۔ میں بے تکلفی پسند کرتا ہوں۔ آپ کچھ پوچھنے کا تکلف نہ کریں۔"

"کیا آپ اتنی بڑی کوٹھی میں تنہا رہتے ہیں۔ کوئی ملازم بھی نہیں ہے؟"

"ایسی بات نہیں ہے۔ گھر والے لاہور ایک شادی میں گئے ہیں۔ اس لئے میں نے ملازموں کو چھٹی دے دی ہے۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کن صاحب کے قانونی مشیر ہیں اور وہ صاحب کس سلسلے میں یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں نے باہر بتایا تھا آپ بھول گئے۔ ان کا نام ملک حیات شاہ ہے۔ لاہور کے ارب پتی سرمایہ داروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ اب انہوں نے پنجاب میں تین کروڑ کی کثیر رقم کی زمینیں فروخت کی ہیں۔ خریدنے والے نے وہ تین کروڑ یہاں کے ایک بینک میں جمع کر دیئے ہیں۔ جناب شاہ صاحب بینک سے اس رقم کا چیک وصول کرنے یہاں آئیں گے۔"

مشتری بانو ڈرائنگ روم کے دروازے کے پیچھے کاریڈور میں کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ وہ لاکھوں کی بازیاں کھیلتی تھی اور ہمیشہ جیت لیا کرتی تھی۔ اس بار ایک ارب پتی اس شہر میں تین کروڑ کا چیک وصول کرنے آ رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی ہفتوں سے سنتی آ رہی تھی کہ سیارہ مشتری سے جو اکیسواں سیارچہ ٹکرائے گا' وہ زبردست ہوگا۔ کیا وہ اس زبردست ارب پتی کو اپنا اکیسواں عاشق بنا پائے گی؟

وہ بڑی تیزی سے تدبیر سوچ رہی تھی اور ڈرائنگ روم میں ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ اس وقت صفدر پوچھ رہا تھا۔ "جناب شاہ صاحب نے زمینیں کیوں بیچ دیں۔ جبکہ وہ ہمارے پڑوس والی کوٹھی خرید کر بعد میں بیچنا نہیں چاہتے۔ کسی فلاحی ادارے کو دے کر چلے جانا چاہتے ہیں۔"

"آپ شاید یقین نہیں کریں گے۔ وہ تین کروڑ بھی شاہ صاحب رفتہ رفتہ مختلف اداروں کو عطیات کے طور پر دیتے رہیں گے۔ وہ کچھ اس طرح زندگی گزار رہے ہیں کہ موت آنے تک تمام دولت نیک کاموں میں صرف کر دینا چاہتے ہیں؟"

"کیا وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے کچھ نہیں چھوڑیں گے؟"

"شاہ صاحب نے شادی نہیں کی ہے۔ رشتے داروں سے نفرت ہے۔ چند رشتے

داروں نے دولت حاصل کرنے کی خاطر کئی بار انہیں نقصان پہنچانا چاہا لیکن میں قانونی طور پر ان کی حفاظت کرتا رہتا ہوں۔"

"انہوں نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"اس لئے کہ وہ اندھے ہیں۔"

مشتری کا دل تیز رفتاری سے دھڑکنے لگا۔ وہ ارب پتی اندھا ہے تو اسے بہ آسانی راستے سے بھٹکایا جا سکتا۔ قانونی مشیر کہہ رہا تھا۔ "وہ آنکھوں والے تھے۔ پھر آنکھوں میں موتیا اتر آیا۔ علاج کے سلسلے میں کافی رقم خرچ کرنے کے باوجود بینائی کمزور ہوتی چلی گئی۔ انہیں ہم شاید مکمل اندھا نہ کہہ سکیں کیونکہ دھندلی سی بصارت رہ گئی ہے۔ انہیں سامنے والے دھندلے خاکے کی طرح دکھائی دیتے ہیں۔ پھر بھی وہ چہرے پہچان نہیں سکتے۔ یہی غنیمت ہے کہ سامنے سے آنے والی گاڑی یا انسان سے ٹکراتے نہیں ہیں۔ ایک خاکہ سا دیکھتے ہی کترا کر ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔"

"کیا انہوں نے کسی آئی بینک سے رجوع نہیں کیا۔ ان کے پاس بے شمار دولت ہے۔ وہ آسانی سے نئی آنکھیں' نئی بینائی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"میں آپ کے سوال کا جواب ابھی دیتا ہوں لیکن آپ نے ابھی تک اپنا تعارف نہیں کرایا ہے۔"

"خاکسار کو صفدر بخاری کہتے ہیں۔ پہلے میں ایک اسٹل فوٹو گرافر تھا۔ اب مووی کیمرا مین ہوں۔ تقریباً دو کروڑ روپے کی لاگت سے ایک ویڈیو فلم سٹوڈیو قائم کرنے کے لئے معقول لوکیشن اور زمین کی تلاش میں ہوں۔"

ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی نے کہا۔ "بخاری صاحب! آپ موقع شناس ہیں۔ آج کل ویڈیو کا کاروبار زوروں پر ہے۔ اس لئے آپ خوب سوچ سمجھ کر بزنس شروع کر رہے ہیں۔"

"میری بات چھوڑیں بھٹی صاحب! آپ میرا یہ تجسس دور کریں کہ انہوں نے آئی بینک سے رجوع کیوں نہیں کیا؟"

"اس کا مکمل جواب ان سے ملے گا۔ جب آپ ان سے ملیں گے اور گفتگو کریں گے۔ وہ ایک عجیب و غریب انسان ہیں۔ انہوں نے اب تک پندرہ اندھوں کو

آئی بینک سے آنکھوں کی روشنی دلائی ہے اور اب تک آئی بینک کو عطیہ کے طور پر اسی لاکھ روپے دیئے ہیں لیکن خود اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی عمر چالیس برس سے زیادہ ہو چکی ہے۔ آنکھیں مل بھی گئیں تو بڑھاپے میں قدم رکھنے والے دولت مند سے کوئی لالچی عورت ہی شادی کرے گی۔ اولاد ہوگی تو وہ بھی دولت کی خاطر سوچے گی کہ باپ کب مرے گا۔ دراصل انہوں نے اپنوں اور بیگانوں سے بڑے زخم کھائے ہیں۔ اس لئے بڑے عجیب انداز میں زندگی گزار رہے ہیں۔“

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ صفدر بخاری نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ”ہیلو! کون؟“

دوسری طرف سے مشتری بانو کی رازدارانہ آواز سنائی دی۔ ”میں بول رہی ہوں۔ میری باتیں غور سے سنو۔ اس ایڈووکیٹ سے اور بے تکلفی بڑھاؤ اور اسے قائل کرو کہ وہ ارب پتی شاہ صاحب پڑوس والی کوٹھی نہ خریدیں۔ ایک یا دو ماہ کی بات ہے‘ وہ ہمارے ہاں قیام کریں اور اس کوٹھی کو اپنی کوٹھی سمجھ کر رہیں۔ انہیں یہاں اجنبیت محسوس نہیں ہوگی۔ بلکہ اپنوں سے بڑھ کر توجہ اور محبت ملے گی۔“

صفدر نے کہا۔ ”ہاں میں سمجھ گیا لیکن آپ نہیں سمجھے۔ میں سائٹ کے علاقے میں زمین نہیں خریدوں گا‘ وہ جگہ فلم اسٹوڈیو کے لئے مناسب نہیں ہے۔ آپ کلفٹن کی طرف زمین دیکھیں۔ میں آپ سے بعد میں رابطہ کروں گا۔“

وہ ریسیور رکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ ”ان اسٹیٹ ایجنسی والوں کو اتنا بھی سینس نہیں ہے کہ کون سا کاروبار کہاں کیا جاتا ہے۔“

پھر وہ بولا۔ ”معاف کیجئے گا بھٹی صاحب! میں دوسری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔“

”معافی تو مجھے مانگنی چاہئے۔ میں آپ کی چائے بھی پی رہا ہوں اور آپ کا وقت بھی ضائع کر رہا ہوں۔ دراصل یہ پڑوس والی کوٹھی خریدنے سے پہلے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کوٹھی کا مالک ایک ہی ہے یا اور بھی حصے دار ہیں کیونکہ خریدنے کے بعد کوئی اور اس کوٹھی کا دعویدار پیدا ہو سکتا ہے۔“

”بھٹی صاحب! آپ ایک نابینا صاحب کو کہاں ان معاملات میں الجھا رہے ہیں۔ میرا یہ غریب خانہ حاضر ہے۔ ایک دو ماہ کی بات ہے‘ اگر شاہ صاحب آپ کے ساتھ

یہاں قیام کرنا پسند کریں گے تو میری عزت افزائی ہوگی۔“

”نہیں بخاری صاحب! ہمارے شاہ صاحب آپ کے گھر والوں کو زحمت دینا پسند نہیں کریں گے۔“

”میرے گھر والے ہیں ہی کتنے؟ صرف ایک بہن اور ایک بیوی۔ کوئی بچہ بھی نہیں ہے۔ آپ ایک بار شاہ صاحب سے میری گفتگو کرائیں۔ میں انہیں راضی کر لوں گا۔“

”میں نے شاہ صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ ایک ماہ میں کام ہو جائے گا۔ وہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں قیام کریں لیکن وہ یہاں سے تین کروڑ کا چیک حاصل کر کے کسی فلاحی ادارے کے ساتھ نیکی کرنا چاہتے ہیں اس لئے کوٹھی خرید کر وہاں ایک یا دو ماہ قیام کر کے اس کوٹھی کو کسی ادارے کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ نیکی ضرور کریں لیکن خرید و فروخت کے جھمیلوں سے دور رہیں تو بہتر ہے۔ آپ ایک بار ان سے میری بات تو کرائیں۔“

ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی ٹیلی فون کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر لاہور کا کوڈ نمبر ڈائل کرنے کے بعد رابطہ کرنے لگا۔ پہلے رابطہ قائم ہونے میں کچھ دشواریاں پیش آئیں۔ پھر کامیابی ہوئی۔ ایڈووکیٹ نے کہا۔ ”جناب! میں بھٹی بول رہا ہوں۔ یہاں میں نے آپ کے لئے جو کوٹھی پسند کی تھی‘ اسے خریدنے سے پہلے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں یہیں پڑوس والی کوٹھی میں آیا ہوں اور یہیں سے فون پر آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ اس کوٹھی کے مالک جناب صفدر بخاری نہایت ہی معقول انسان ہیں۔ سچ پوچھئے تو میں پہلی ہی ملاقات میں ان سے متاثر ہو گیا ہوں۔ یہ آپ سے کوٹھی کی خرید و فروخت کے سلسلے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ جی‘ جی ہاں۔ جی بہت اچھا.........“

اس نے صفدر کی طرف ریسیور بڑھا کر کہا۔ ”لیجئے شاہ صاحب سے گفتگو کریں۔“ صفدر نے ریسیور لے کر کان سے لگایا۔ پھر کہا۔ ”السلام علیکم“۔

دوسری طرف سے سلام کا جواب دیا گیا۔ صفدر نے کہا۔ ”جناب شاہ صاحب آپ کا غائبانہ تعارف ایسے ہوا ہے کہ میں آپ کے نیک ارادوں کو سن کر سحر زدہ

ہوگیا ہوں۔ آپ یقیناً عظیم شخصیت کے حامل ہیں۔"

شاہ صاحب نے کہا۔ "آپ ایسی تعریفیں کر کے شرمندہ نہ کریں۔ میں خدا کا ایک ناچیز بندہ ہوں۔ مجھ سے انسانیت کی بقا کے لئے جو ہوتا ہے' وہ کرتا ہوں۔"

"جناب! میں بھی آپ کی نیکی میں شامل ہونا چاہوں گا تو کیا آپ کو اعتراض ہوگا؟"

"ہرگز نہیں' نیکی جتنی دور تک پھیلے اس کا ثواب بھی دور تک ملتا ہے۔ آپ اپنا عندیہ بیان کریں؟"

"میں چاہتا ہوں آپ کوئی کوٹھی خریدنے کے جھمیلے میں نہ پڑیں۔ اس میں خاصا وقت ضائع ہوگا۔ یہ بیس لاکھ کسی کوٹھی والے کو دینے کے بجائے کسی فلاحی ادارے کو براہ راست نقد رقم ادا کر دیں۔ میرا غریب خانہ' میرے دل کی طرح کشادہ ہے۔ آپ میرے ہاں قیام کریں۔ ابھی میں اجنبی ہوں لیکن پہلی ہی ملاقات میں اور یہاں کے قیام کے پہلے ہی دن سے آپ خود کو اپنے گھر میں محسوس کریں گے۔"

"سبحان اللہ! آپ کے بولنے کا انداز متاثر کرتا ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرے گا لیکن میں تنہا نہیں ہوں۔ وہ قانونی مشیر بھی میرے ساتھ رہتا ہے۔ شاید آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں بینائی سے محروم ہوں۔"

"جی ہاں' اسی بات نے تو متاثر کیا ہے کہ آپ تمام بینائی والوں سے افضل اور برتر ہیں۔ لوگ آنکھیں رکھ کر وہ کام نہیں کرتے' جو آپ کر رہے ہیں' خود بینائی سے محروم رہ کر نابینا حضرات کو آنکھوں کی روشنی دلاتے ہیں۔ ایسی بے مثال نیکی پہلے کبھی سننے میں آئی نہ دیکھنے میں آئی۔ میں تو آپ کا معتقد ہوگیا ہوں۔ کسی کو خدمت کا موقع دینا بھی نیکی ہے۔ خدا کے لئے مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں۔"

"بہ خدا آپ کی گفتگو کا انداز متاثر کرتا ہے۔ میں کراچی آکر آپ سے ضرور ملاقات کروں گا لیکن میرا ایک اصول ہے کہ میں کسی پر بوجھ نہیں بنتا اور کسی کا احسان نہیں لیتا۔"

"محترم! ایسا کہہ کر آپ اپنی تمام نیکیوں کی نفی کر رہے ہیں۔ اب تک جتنے

فلاحی اداروں کو آپ نے عطیات دیئے اور جتنی آنکھوں کو نور دینے کا وسیلہ بنے تو گویا آپ نے ان سب پر احسان کیا' نیکی نہیں کی اور اگر اسے نیکی سمجھتے ہیں تو میری ایک نیکی کو احسان کیوں کہہ رہے ہیں۔ کیا آپ خدا کے بندے نہیں ہیں؟ کیا ہم آپ سے نیکی نہیں کرسکتے؟ کیا یہ نیکی کے منافی نہیں ہے کہ آپ ہمیں احساسِ کمتری میں مبتلا کر رہے ہیں؟"

"بس کریں بخاری صاحب! آپ نے تو مجھے شرمندہ کر دیا۔ جن پہلوؤں سے آپ نے میری غلط سوچ کا مجھے احساس دلایا ہے' ان پہلوؤں پر میں نے پہلے غور نہیں کیا تھا۔ میں آپ کے ہاں ضرور آؤں گا اور ضرور قیام کروں گا۔ آپ بھٹی صاحب کو فون دیں۔"

اس نے ایڈووکیٹ کی طرف ریسیور بڑھا دیا۔ وہ ریسیور لے کر شاہ صاحب کی باتیں سنتا رہا۔ وقفے وقفے سے جی ہاں۔ جی ہاں کہتا رہا پھر ریسور رکھ کر بولا۔ "بخاری صاحب! آپ کمال کے انسان ہیں۔ آپ نے شاہ صاجب کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ میں آج ہی کسی فلائٹ سے لاہور جاؤں گا۔ پھر کل یا پرسوں تک شاہ صاحب کو یہاں لے آؤں گا اور آنے سے پہلے فون پر اطلاع دوں گا۔"

وہ جانے کے لئے اٹھ گیا۔ صفدر نے اسے اپنا فون نمبر دیا پھر اسے رخصت کرنے کے لئے باہر تک آیا۔ جب وہ اپنی کار میں بیٹھ کر نظروں سے اوجھل ہوگیا تو وہ اندر آیا۔ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مشتری بانو خوشی سے جھومتی ہوئی آکر اس سے لپٹ گئی۔

"ہائے صفدر! آج تم نے ایسا کارنامہ انجام دیا ہے کہ بس مجھے لوٹ لیا ہے۔ پچھلے چار برسوں سے واردات کرتے کرتے تم اس فن کے استاد بن گئے ہو۔"

"میں نے وہی کیا' جو تم چاہتی تھیں۔ وہ مرغا کل یا پرسوں تک یہاں مہمان بن کر رہنے کے لئے آجائے گا۔ اب بتاؤ' تمہارے ارادے کیا ہیں؟"

"اسے شیشے میں اتاروں گی۔ ابھی ذہن میں ایک کچا سا منصوبہ ہے۔ طرح طرح سے منصوبے کو پکا رہی ہوں لیکن کوئی نہ کوئی خامی یا دشواری پیدا ہو رہی ہے۔"

وہ اپنے بیڈ روم میں آگئے۔ مشتری بانو نے کہا۔ "اس ارب پتی ملک حیات شاہ

کی کچھ خوبیاں ہمارے حق میں ہیں۔ پہلی خوبی تو یہ کہ وہ چالیس برس کا کنوارہ ہے۔ دوسری یہ کہ آنکھوں کا اندھا ہے۔ اسے برائے نام دھندلا سا نظر آتا ہے۔ اس کے باوجود وہ کسی کا چہرہ شناخت نہیں کرسکتا۔ پھر یہ کہ اسے نیکیاں کرنے کا خبط ہے۔ میں اس کی شرافت اور نیکی کو ہتھیار بنالوں گی۔"

"ایک بہت بڑی رکاوٹ تمہاری نظروں میں ہوگی؟"

"ہاں' اس کا قانونی مشیر ہمارے لئے مشکلات پیدا کرے گا لیکن تم مجھے اپنا بنائے رکھنے کے لئے ایسی کتنی ہی مشکلات کا خاتمہ کرچکے ہو۔"

"ہاں جب کامیابی مشکل نظر آنے لگے گی تو وہ کسی حادثے کا شکار ہوجائے گا لیکن ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اسے بینک سے تین کروڑ نقد نہیں ملیں گے۔ ایک چیک ملے گا اور وہ یقیناً اس چیک کی رقم کو بینک کے ذریعے ہی اپنے لاہور والے اکاؤنٹ میں منتقل کرے گا۔"

"میں یہ مسئلہ بھی حل کرسکتی ہوں۔ اگر اسے اپنی طرف مائل کرلوں اور اس سے شادی کرلوں۔"

"یہ تو مجھے نقصان پہنچانے والی بات ہے۔ جب تم نے اسے چالیس برس کا کنوارہ کہا تھا' میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔"

"دیکھو صفدر! میں نے دولت حاصل کرنے کے لئے جرائم کا راستہ اختیار کیا ہے۔ تمہارے ذریعے کئی قتل کرائے ہیں۔ اس کے باوجود ایک عورت ہوں اور ایک شوہر کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں تمہارے سوا کسی کو اپنی تنہائی میں نہیں آنے دوں گی لیکن اس کے لاہور کے بینک اکاؤنٹ سے لاکھوں کروڑوں نکلوانے کے لئے اس کی شادی کرانا ضروری ہے۔ کوئی بھی عورت اس کی بیوی بن کر اس کے چیک پر دستخط کراسکتی ہے اور اگر سیدھی طرح کام نہ بنا تو وہ بیوہ بن کر اس کی تمام دولت کی مالکہ بن سکتی ہے۔"

"تم ایک بیوی کی حیثیت سے میری وفادار ہو۔ یہ بات مجھے حوصلہ دیتی ہے۔ تم اس اندھے سے شادی نہیں کروگی۔ اس کا مطلب ہے ہمیں کسی دوسری عورت پر بھروسہ کرنا ہوگا اور اسے اپنا رازدار بنانا ہوگا؟"

"صفدر! وہ ارب پتی مرغا ہے۔ میں کبھی کسی دوسری عورت پر بھروسا نہیں کروں گی۔"

وہ دونوں سوچنے لگے اور پریشان ہونے لگے۔ اکیسواں سیارچہ اتنا پُرکشش تھا کہ مشتری اس کی طرف کھنچی جارہی تھی لیکن اس سے مال کھینچنے کی تدبیر ذہن میں نہیں آرہی تھی۔ وہ دونوں کبھی لیٹ رہے تھے' کبھی بیٹھ رہے تھے' کبھی اٹھ رہے تھے اور کبھی ٹہل رہے تھے۔ پھر مشتری نے اپنا سر پکڑ کر کہا۔ "مجھے چائے پلاؤ' سر میں درد ہو رہا ہے۔"

صفدر نے بہن کو آواز دے کر چائے لانے کے لئے کہا۔ پھر ایک دم سے چونک کر بولا۔ "کیا تم میری بہن چاند بی بی پر بھروسہ کروگی؟"

مشتری بانو نے صفدر کی سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا پھر کہا۔ "وہ ہمارے دباؤ میں رہتی ہے۔ تم سے ڈرتی بھی ہے۔ ہمارے ہر حکم پر بے چون و چرا عمل بھی کرتی ہے لیکن جب وہ ایک ارب پتی کی بیوی بنے گی' اسے بہت بڑا سہارا ملے گا تو وہ ہمارے اثر سے نکل جائے گی۔"

"تمہارے یہ اندیشے درست ہیں مگر اس کی چند کمزوریوں کو مدنظر رکھو۔ ایک تو وہ بہت ہی بزدل ہے۔ پھر اس کا حافظہ کمزور ہے۔ میں نے یعقوب کو قتل کرنے سے پہلے چاند بی بی کے گھر سے اسی کی آواز میں یعقوب کو اطلاع دی تھی کہ اس کے اکاؤنٹنٹ احمد علی کی ماں کو حادثہ پیش آیا ہے۔ میں اس سے جو کہتا رہا وہ کہتی گئی۔ پھر میں نے اسے تاکید کی کہ اس نے فون پر جو کچھ کہا ہے اسے بھول جائے اور اپنے شوہر کو بھی یہ بات نہ بتائے۔ اس نے میری بات پر عمل کیا۔ وہ کمزور حافظہ کے باعث بھول گئی یا پھر یاد بھی رہا ہوگا تو اس نے میاں کو اس فون کے بارے میں کبھی نہیں بتایا۔"

وہ سنتی رہی اور سوچتی رہی چاند بی بی واقعی بڑی حد تک کام آسکتی تھی لیکن مشتری بانو کا ذہن سازشی تھا۔ وہ سوچ رہی تھی میں نے جس شخص کی کمزوریوں کو لاکر میں رکھ کر پھر اسے اپنا شوہر بنا کر اپنے زیر اثر رکھا ہے۔ اس کی بہن پر مجھے بھروسہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس کی بہن اپنے بھائی سے مرعوب رہتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے بازی الٹے گی تو میں ہمیشہ کے لئے الٹ جاؤں گی۔

چاند بی بی نے دوپہر کو کھانا لا کر میز پر رکھا۔ مشتری سے کھایا نہ گیا۔ صفدر نے کہا
"مجھ پر میری بہن پر بھروسا نہ کرو۔ مگر کچھ تو کھاؤ۔"
اس نے دو چار لقمے کھائے۔ پھر چائے کی فرمائش کی۔ جب چائے پینے لگی تو ذہن کھلنے لگا۔ الجھا ہوا مسئلہ سلجھنے لگا۔ اس نے کہا۔ "کچھ بات بن رہی ہے۔ اگر چاند بی بی کا نام بدل کر مشتری بانو رکھا جائے تو میں تمہاری بہن پر بھروسہ کر سکوں گی۔"
"یعنی تم چاہتی ہو، میری بہن کی شادی ملک حیات شاہ سے ہو لیکن نکاح نامہ پر دلہن کا نام مشتری بانو ہو۔"
"ہاں اور یہ چاہتی ہوں کہ ہم لاہور جا کر رہیں۔ شادی وہیں ہو اور کورٹ میرج ہو کیونکہ کراچی میں ہمارے کئی شناسا ہیں۔ میں لاہور میں دلہن بنوں گی۔ کورٹ میں ہمارا نکاح رجسٹرڈ ہو گا۔ ملک حیات شاہ اور اس کے قانونی مشیر وغیرہ مجھے دلہن کی حیثیت سے دیکھیں گے تو گواہ رہیں گے کہ میں اس نابینا کی دلہن ہوں۔"
"ابھی تو تم کہہ رہی تھی کہ چاند بی بی کو دلہن بناؤ گی۔"
"ہاں، نکاح میرا پڑھایا جائے گا۔ مگر سہاگ کی سیج پر چاند بی بی رہے گی۔"
وہ ذرا طیش میں آ کر بولا۔ "یہ کیا بکواس ہے، تم میری بہن کو بازاری عورت بنانا چاہتی ہو؟"
"میں بکواس کرتی ہوں؟ تم نے مجھے کہا کہ میں بکواس کرتی ہوں؟ تم چور اچکے، قاتل، لالچی، بے غیرت، کیا تم بازاری اور بدمعاش نہیں ہو؟ اور اگر ہو تو تمہاری بہن بازاری کیوں نہیں بن سکتی۔ تم چار برس سے میرے لئے کمائی کرتے آ رہے ہو۔ پھر میرے گھر میں تین وقت کھانے والی میرے لئے کمائی کیوں نہیں کر سکتی؟ کیا میں تم بھائی بہن کو گھر سے نکال دوں؟ کیا تمہیں کسی پولیس کیس میں پھنسا دوں؟ کیا میں تمہارے ایک سے ایک مجرمانہ کرتوت کے تحریری ثبوت کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں لا کر دکھاؤں؟"
وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ سر جھکا کر بولا۔ "وہ غلطی سے بکواس جیسا لفظ منہ سے نکل گیا۔ میں عاجزی سے کہتا ہوں۔ میری بہن کے لئے ایسا نہ سوچو۔"
"میں تمہاری بہن کی زندگی بنا رہی ہوں۔ وہ دنیا والوں کی نظروں میں اس ارب پتی نابینا کی شریک حیات بن کر محلوں میں راج کرے گی۔ ایئر کنڈیشنڈ کاروں میں

سیر کرے گی۔"
"وہ کیسے راج کرے گی۔ کیا شادی میں شریک ہونے والے گواہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ تمہاری جگہ میری بہن نے لے لی ہے۔"
"اسی لئے میں کورٹ میرج کی بات کر رہی ہوں۔ اس ارب پتی کو قائل کروں گی کہ خاموشی سے یا سادگی سے نکاح پڑھایا جائے اور نکاح میں صرف اس کا قانونی مشیر شریک رہے۔ بعد میں اس قانونی مشیر کی ایسی کی تیسی کر دی جائے گی۔"
"تمہارا یہ پیچیدہ منصوبہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"
"جب ہم منصوبے پر عمل کرنے لگیں گے تو پیچیدگیاں ختم ہوتی جائیں گی۔ تم صرف اپنی بہن کو یہ ذہن نشین کرا دو کہ اس کا نام مشتری بانو ہے۔ وہ بیوہ نہیں کنواری ہے اور قسمت مہربان ہو گی تو وہ ملک حیات شاہ کی بیوی بن کر رہے گی۔"
"ٹھیک ہے، میں یہ باتیں اس کے ذہن میں نقش کر دوں گا۔"
"تمہیں پتا ہے، میرا نام کیا ہے؟"
"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ تم میری شریک حیات مشتری بانو ہو۔"
"تم کبھی بہت ہی عقل اور چالبازی کی باتیں کرتے ہو اور کبھی احمق بن جاتے ہو۔ کیا تمہاری بہن کا نام بھی مشتری اور بیوی کا نام بھی مشتری رہے گا؟ تم مجھے چاند بی بی کہہ سکتے ہو۔"
"پلیز ایسا نہ کہو۔ میں تمہیں اپنی بہن کے نام سے مخاطب نہیں کروں گا۔ میں تمہیں لیلیٰ کہوں گا۔"
مشتری نے طنزیہ نظروں سے مسکرا کر دیکھا۔ مالدار بیوی چار برس کے بعد بھی بلکہ چار سو برس کے بعد بھی لیلیٰ دکھائی دیتی ہے۔ ان دونوں نے اسی وقت سے چاند بی بی کو ٹریننگ دینا شروع کی۔ صفدر اپنی بہن کو ڈانٹ ڈپٹ کر سمجھاتا رہا کہ جب وہ نابینا مہمان آئے تو وہ مہمان اور اس کے قانونی مشیر کے سامنے کبھی نہ جائے۔ کبھی اتفاق سے سامنا ہو جائے تو وہ نابینا کے سامنے خود کو مشتری بانو کہا کرے۔ بلکہ اب ہمیشہ کے لئے اس کا یہی نام رہے گا اور وہ کل سے سرونٹ کوارٹر میں رہے گی۔ ان کی اجازت کے بغیر اس کوارٹر سے باہر نہیں نکلے گی۔

مشتری نے چاند بی بی کو اپنی خواب گاہ میں بلا کر اس کے سامنے ایک کیسٹ ریکارڈر رکھا پھر اس پر مختلف موضوعات پر باتیں کرنے لگی۔ کبھی اس سے کہا کہ وہ ہنس ہنس کر باتیں کرے۔ کبھی اسے روتے اور سسکتے ہوئے بولنے پر مجبور کیا اور کبھی کہتی رہی کہ وہ غصے میں باتیں کرتی رہے۔ اس طرح اس نے چاند بی بی کی آواز کو اور لہجے کے اتار چڑھاؤ کو مختلف جذبات کی روانی میں ریکارڈ کرلیا۔ صفدر نے پوچھا۔ ”کیا تم میری بہن کی آواز اور لہجے میں بول سکو گی؟“

”میں جی جان لگا کر اس کی آواز اور لہجے کی نقل کرنے کی کوشش کروں گی۔ یہ میرے لئے چیلنج ہے کہ میں ایک ارب پتی کو جیت سکتی ہوں یا نہیں۔ اگر اس کے یہاں آنے تک میں نقالی میں کچھ ناکام رہوں گی تو یہ مشق جاری رکھنے کے لئے مزید ایک یا دو دنوں تک اس ارب پتی کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ تم اسے یہی بتاؤ گے کہ تمہاری بہن جو شادی کی تقریب میں لاہور گئی ہے‘ وہ دو دنوں کے بعد آئے گی۔“

”میں اپنا کام سنبھال لوں گا۔ مگر آواز کی نقالی کا مرحلہ دشوار گزار ہے۔ جو لوگ اندھے ہوتے ہیں ان کی قوت سماعت بڑی تیز اور حساس ہوتی ہے۔ وہ چہرے دیکھ نہیں سکتے لیکن آواز سے کسی کو بھی شناخت کرلیتے ہیں۔“

یہی ایک مشکل مرحلہ تھا۔ وہ دن رات چاند بی بی کا کیسٹ سن سن کر اس کی آواز اور لہجے کی نقل کرنے لگی۔ اس نے کبھی کسی اسٹیج پر یا کسی فلم میں اداکاری نہیں کی تھی لیکن حقیقی زندگی میں دولت کے حصول کے لئے طرح طرح کے رنگ بدلے تھے۔ ایک ہی دن میں کسی کو غصہ دکھایا تھا‘ کسی سے پیار بھری باتیں کی تھیں‘ کسی کے سامنے مگرمچھ کے آنسو بہائے تھے اور کسی کی گردن میں بانہیں ڈال کر قہقہے لگاتی رہی تھی۔ زندگی میں جو کچھ کیا جاتا ہے وہ سچی ایکٹنگ ہوتی ہے۔

مشتری اپنا مزاج اور لہجہ بدل بدل کر ادائیں دکھانے کی عادی تھی۔ اس لئے چاند بی بی کی فطری اداؤں کو بھی اپنانے کی کوشش کرنے لگی‘ ابتدا میں ذرا مایوسی ہوئی پھر وہ آواز اور لہجے کے اتار چڑھاؤ کو سمجھ کر چاند بی بی کے انداز میں بولنے لگی۔ اگرچہ ایک دن اور ایک رات میں پختگی نہیں آسکتی تھی لیکن وہ کھانا پینا‘ سونا اور آرام کرنا بھول گئی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے وہ آواز کے حوالے سے چاند بی بی بننے

کی لگن میں رہنے لگی تھی۔

لگن سچی اور پکی ہو اور سامنے اربوں روپے اپنی طرف کھینچ رہے ہوں تو آدمی گدھے کی آواز میں بھی بولنا سیکھ لیتا ہے۔ تاکہ وہ اربوں روپے اس کی پیٹھ پر لاد کر لے جائے جائیں۔ دوسری رات کو ایڈووکیٹ نے فون پر بتایا کہ وہ دوسرے دن گیارہ بجے کی فلائٹ سے شاہ صاحب کے ساتھ آرہا ہے۔

مشتری بڑی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہی تھی۔ اس نے دوسرے دن گیارہ بجے تک اور زیادہ محنت کر کے چاند بی بی کی آواز اور لہجے کو اپنایا۔ پھر صفدر کے ساتھ مہمان کے استقبال کے لئے ایئرپورٹ گئی۔ ایڈووکیٹ نے اپنے ملک حیات شاہ کا تعارف صفدر بخاری سے کرایا۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر صفدر نے تعارف کرایا۔ ”یہ میری سسٹر ہے مشتری بانو............“ بیوی کو بہن نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس لئے انگریزی زبان میں پناہ لی۔ کیونکہ سسٹر ہسپتال کی نرس کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دی کہ وہ بیوی کو یہ سسٹر نہیں‘ وہ سسٹر کہہ رہا ہے۔ یہ اور وہ کے فرق سے اپنے ضمیر کو سلا دینے میں آسانی ہوتی ہے۔

ملک حیات شاہ آنکھوں پر سن گلاس پہنے ہوئے تھا۔ مشتری نے قریب آکر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”مس مشتری! تم نے جو پرفیوم لگایا ہے‘ وہ میرا سب سے پسندیدہ پرفیوم ہے۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمیں ایک ہی خوشبو پسند ہے۔“

وہ خوش ہو کر بولی۔ ”یہ عجیب اتفاق ہے۔ ویسے اتفاقاً صرف دل سے دل نہیں ملتا بلکہ خوشبو سے خوشبو بھی ملتی ہے۔“

”تم شاعرانہ انداز میں بول رہی ہو۔“

”مجھے شاعری سے لگاؤ ہے۔ میں شعر تو نہیں کہتی مگر پڑھتی بہت ہوں اور جو پسند آجائے اسے یاد کرلیتی ہوں۔“

ملک حیات شاہ کے ایک ہاتھ میں سفید ہاتھی دانت کے دستے کی چھڑی تھی۔ وہ چھڑی ٹیک ٹیک کر اپنے قانونی مشیر کے سہارے چلتا ہوا مشتری کی کار تک آیا۔ وہ بولی ”صفدر بھائی ڈرائیو کریں گے۔ میں ان کے ساتھ آگے بیٹھوں گی تو یہ نامناسب ہوگا کہ

ہمارے مہمان پیچھے بیٹھیں۔ لہٰذا بھٹی صاحب آپ اگلی سیٹ پر آ جائیں' میں شاہ صاحب کو تنہائی کا احساس نہیں ہونے دوں گی۔"

وہ پچھلی سیٹ پر شاہ صاحب کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ یہ اپنے ارب پتی مہمان کو اپنی ذات کے قریب لانے کی طرف پہلا قدم تھا۔ اس نابینا کو وہ خوشبو پسند تھی اس لئے وہ اس کی سانسوں میں خوشبو بساتی ہوئی اپنے گھر لے آئی۔

لنچ کے وقت کھانے کی میز پر وہ بولی۔ "مجھے کھانے میں آپ کی پسند کا علم نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے اپنی پسند سے پکایا ہے۔ رات کا کھانا آپ کی پسند کے مطابق ہو گا۔"

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "یہ مناسب نہیں ہے کہ کھانا صرف میری پسند کا ہو۔ ہم سب ایک دوسرے کی پسند کا کھانا کھایا کریں گے۔"

اس نابینا کے ایک طرف، مشتری بیٹھی ہوئی تھی۔ دوسری طرف صفدر تھا۔ وہ کئی طرح کی ڈشیں اس نابینا کو پیش کر رہا تھا۔ وہ ہر ڈش کو چکھتا تھا اور کہتا تھا۔ "سبحان اللہ! نہایت ہی لذیذ پکوان ہے۔ یہاں میں نے تم بھائی بہن کے علاوہ کسی تیسرے کی آواز نہیں سنی۔ شاید کوئی ملازم بھی نہیں ہے۔ کیا یہ کھانے مس مشتری نے پکائے ہیں۔"

صفدر نے کہا۔ "جی ہاں' مشتری کے ہاتھوں میں جادو ہے۔ میں کہیں دعوت میں جاتا ہوں تو آدھا پیٹ کھا کر آتا ہوں۔ تاکہ گھر آکر میں اس کے ہاتھوں کا کھانا کھاؤں۔ سوچتا ہوں' جب یہ بیاہ کر چلی جائے گی تو میں آدھا پیٹ ہی کھایا کروں گا۔"

ملک حیات شاہ نے پوچھا۔ "اچھا تو تمہاری بہن کی کہیں شادی ہونے والی ہے؟"

"جی نہیں' رشتے تو بہت آتے ہیں لیکن اسے کوئی پسند نہیں آتا ہے۔"

ملک حیات شاہ نے بے نور آنکھوں سے خلا میں تکتے ہوئے کہا۔ "میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ میں بے شمار لڑکیوں میں سے کسی کو بھی شریک حیات بنا سکتا ہوں لیکن مجھے کوئی پسند نہیں آتی ہے۔ پسند کرنے کے لئے مجھے کسی کی صورت نظر نہیں آتی ہے لیکن میں آواز سے اور گفتگو کے انداز سے سمجھ لیتا ہوں کہ کون میرا گھر بسائے گی اور کون گھر اجاڑے گی۔"

ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی نے کہا۔ "میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ رشتے آسمانوں پر طے ہوتے ہیں۔ اگر آپ کے مقدر میں بھی کوئی لڑکی لکھ دی گئی ہے تو اسی سے آپ کی شادی ہو گی۔"

ارب پتی نابینا نے کہا۔ "میں چالیس برس کا ہو چکا ہوں اگر فی زمانہ انسان اوسطاً پچاس برس تک زندہ رہتا ہے تو اب میری زندگی صرف دس برس رہ گئی ہے۔ ایسے میں کوئی لڑکی میرے مقدر میں لکھ دی گئی تو وہ بہت جلد بیوہ ہو جائے گی۔"

مشتری نے کہا۔ "پلیز آپ ایسی مایوس کن باتیں نہ کریں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ دعا کرتی ہوں کہ میری عمر بھی آپ کو مل جائے۔"

اس نے مشتری کو بے نور آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے بہت دھندلی سی نظر آ رہی ہو۔ کاش تمہیں صاف طور سے دیکھ سکتا۔ تم پہلی لڑکی ہو جس نے دعائیہ انداز میں اپنی عمر مجھے دینے کا عزم کیا ہے۔"

مشتری گفتگو کا ایسا انداز اختیار کر رہی تھی' جو ان کے درمیان بے تکلفی پیدا کرتا جا رہا تھا۔ صفدر نے شام کی چائے کے دوران بتایا کہ وہ اپنی سسٹر کے ساتھ لاہور جا کر مستقل رہائش اختیار کرنا چاہتا ہے۔

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "میرے لئے' یہ بہت بڑی خوشی کی بات ہے۔ وہاں میری دو کوٹھیاں ہیں۔ ایک کوٹھی تم دونوں بہن بھائی کو دے دوں گا۔ سنا ہے تم ویڈیو فلم کا بہت بڑا اسٹوڈیو قائم کرنا چاہتے ہو اس کے لئے لاہور ہی مناسب رہے گا۔"

بات رفتہ رفتہ آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں اس نابینا کو تسخیر کرنے کی راہ ہموار کرتے جا رہے تھے۔ رات کو کھانے کے بعد وہ اس کے کمرے میں آئی۔ پھر بولی۔ "میں پوچھنے آئی ہوں' کیا آپ صبح بیڈ ٹی لینا پسند کرتے ہیں؟"

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "یہ انگریزوں کی عادت ہے میں برش کرنے کے بعد کھاتا پیتا ہوں۔ ویسے تم اتنا کھلا رہی ہو کہ تمہارے بھائی کی طرح میں بھی تمہارے ہی ہاتھوں کے پکوان کا محتاج بن کر رہ جاؤں گا۔"

"آپ میری اتنی تعریفیں نہ کریں۔ ورنہ میں مغرور ہو جاؤں گی۔ اچھا میں چلتی ہوں۔"

"یہاں میرے سامان میں ایک بریف کیس ہے۔ اسے کھول کر مجھے بتاؤ کہ اس میں زمین کے تمام اہم کاغذات اور تین کروڑ کی رسید ہے یا نہیں؟ مسٹر بھٹی نے تو کہا تھا کہ اس میں تمام ضروری کاغذات رکھ دیئے ہیں۔ پھر بھی میں اطمینان کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے بریف کیس کے لاک نمبر بتائے۔ ان نمبروں کے مطابق مشتری نے اسے کھول کر دیکھا۔ اندر بہت سے قانونی دستاویزات تھے۔ سب سے اوپر تین کروڑ روپے کی ادائیگی کی رسید ایک کاغذ کے ساتھ منسلک تھی۔ اس کاغذ پر بینک کے سب سے بڑے افسر نے لکھا تھا کہ زمین کے اصل کاغذات مسٹر ملک حیات شاہ سے وصول کرنے کے بعد انہیں تیس کروڑ کا چیک دے دیا جائے۔

مشتری وہ کاغذات پڑھ کر اس نابینا کو سنا رہی تھی اور اندر سے اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے کبھی تین کروڑ روپے ایک ساتھ نہیں دیکھے تھے۔ ان کاغذات سے یہ تصدیق بھی ہو رہی تھی کہ واقعی اس نابینا کو اتنی بڑی رقم ملنے والی ہے۔

ملک حیات شاہ نے تمام کاغذات کو سرسری طور پر سن کر کہا۔ "ٹھیک ہے۔ تمام کاغذات موجود ہیں۔ ایک بات بتاؤ۔ یہاں کمرے میں کوئی موجود ہے؟"

"جی نہیں' صرف میں ہوں۔"

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پلیز دروازے کو اندر سے بند کردو۔"

وہ دروازے کے پاس گئی پھر اسے بند کرنے کے بعد آکر بولی۔ "میں نے دروازہ بند کردیا ہے۔"

وہ بولا۔ "میں آنکھوں سے مجبور ہوں۔ آنکھوں والے بھی سب کچھ دیکھتے ہوئے ہر ایک پر بھروسا نہیں کرتے ہیں۔ پھر میں کسی پر پوری طرح کیسے اعتماد کرسکتا ہوں۔"

"آپ درست کہتے ہیں۔ پتا نہیں کیوں میں آپ سے متاثر ہو رہی ہوں۔ اگر میں کسی طرح تھوڑا بہت آپ کا اعتماد حاصل کرسکتی ہوں اور کسی کام آسکتی ہوں تو مجھے بتائیں۔"

"میں نے یہی کہنے کے لئے دروازہ بند کرایا ہے۔ دراصل میں اپنے قانونی مشیر پر بھی زیادہ بھروسہ نہیں کرتا ہوں۔ اس کی وجہ پھر کسی وقت بتاؤں گا۔ فی الحال یہ چاہتا ہوں کہ جب میں بینک کے کام سے جاؤں تو تم میری آنکھیں بن کر میرے ساتھ رہو اور وہاں لکھنے پڑھنے کا جو کام ہوتا رہے اسے توجہ سے دیکھتی رہو۔ اگرچہ قانونی مشیر تمہاری موجودگی پسند نہیں کرے گا لیکن تم اس کی پروا نہ کرنا۔ کیا تم میرا ساتھ دے سکو گی؟"

"یہ تو میری خوش نصیبی ہے کہ آپ قانونی مشیر کے مقابلے میں مجھ پر زیادہ اعتماد کر رہے ہیں۔ میں بھٹی صاحب جیسے لوگوں کی پروا نہیں کرتی۔ ہرحال میں' ہر مشکل میں آپ کا ساتھ دیتی رہوں گی۔"

"بہ خدا تمہاری باتوں میں بڑی اپنائیت ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے کہ برسوں کی تنہائی کے بعد میرا کوئی اپنا مجھے مل گیا ہے۔"

"میں کوشش کروں گی کہ آپ آئندہ خود کو تنہا نہ سمجھیں۔ میں جا رہی ہوں۔ ورنہ صفدر بھائی مجھ سے طرح طرح کے سوالات کریں گے۔"

اس نے آخری فقرے سے ظاہر کر دیا کہ وہ بھائی سے بھی چھپ کر ملنے آئی تھی۔ ایسا کہنے سے اگلے کے دل میں رومانس کی گدگدی شروع ہوتی ہے۔ وہ دروازہ کھول کر چلی گئی۔

یہ بات اطمینان بخش تھی کہ وہ قانونی مشیر بہت زیادہ اہم اور قابلِ اعتماد نہیں تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ اس نابینا کا اعتماد حاصل کر رہی تھی۔

☆======☆======☆

دوسرے دن وہ اس کے ساتھ بینک گئی۔ صفدر اور حمید اختر بھٹی بھی ان کے ساتھ تھے۔ بینک میں تین کروڑ روپے کی ادائیگی کے سلسلے میں جو کارروائی ہوتی رہی' اس سے مشتری اور صفدر بخاری متاثر ہوتے رہے اور ملک حیات شاہ کی شخصیت سے بھی مرعوب ہوتے رہے۔ متاثر اور مرعوب ہونے کی بات ہی تھی۔ کیونکہ وہاں کوئی جھوٹ یا فراڈ نہیں تھا۔ ساری کارروائیاں عدالتی کاغذات اور بہت بڑے بینک کے قواعد و ضوابط کے مطابق ہی ہو رہی تھیں۔

پھر بینک کے چند بڑے افسران ملک حیات شاہ سے جس طرح عزت و احترام سے پیش آ رہے تھے' اس سے بھی ثابت ہو رہا تھا کہ وہ ارب پتی نابینا لاہور سے کراچی تک معروف اور محترم ہے۔ مشتری کی زندگی میں پہلے کبھی اتنا بڑا سیارچہ نہیں آیا تھا۔ اتنا بڑا شکار کھیلتے وقت وہ کچھ گھبرا سی رہی تھی۔ جب بینک سے تین کروڑ روپے کا چیک جاری ہوا اور وہ لاہور کے بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کیا جانے لگا تو وہ سحرزدہ سی ہو گئی۔ وہ بے نور آنکھوں والا اس کے حواس پر چھا گیا تھا۔

صفدر نے پلاننگ کے مطابق کہا۔ "مشتری! میں اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس جا رہا ہوں۔ اس سے کہہ دوں گا کہ وہ ہمارے ویڈیو اسٹوڈیو کے لئے زمین تلاش نہ کرے۔ ہم یہ کاروبار لاہور میں کریں گے۔"

اس نے کہا۔ "ٹھیک ہے' آپ جائیں' میں شاہ صاحب اور بھٹی صاحب کے ساتھ گھر چلی جاؤں گی۔"

حمید اختر بھٹی نے کہا۔ "یہاں کئی ایڈووکیٹ اور سٹی کورٹ کے جج میرے دوست ہیں۔ میں ان سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔ آج رات کا کھانا کھانے کے بعد ہی آؤں

گا۔"

یوں بات بن گئی۔ بینک سے واپسی میں وہ ملک حیات شاہ کے ساتھ تنہا تھی۔ کار ڈرائیو کرتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ "دو گھنٹے تک بینک کے اندر گھٹن محسوس ہوتی رہی۔ کیا خیال ہے سمندر کے ساحل پر تازہ ہوا کھائی جائے۔ آج موسم بھی اچھا ہے۔"

"یہ تم میرے دل کی بات کہہ رہی ہو۔ جب مسٹر بھٹی اور تمہارے بھائی چلے گئے تو مجھے یوں لگا جیسے قدرت نے ہمیں تنہا ایک ساتھ رہنے کا یہ مواقع فراہم کیا ہے۔"

وہ بولی۔ "جب سے ہماری ملاقات ہوئی ہے تب سے میں آپ کی باتوں اور آپ کے حسن سلوک سے محسوس کر رہی ہوں کہ آپ مجھ پر نہ جانے کیوں اعتماد کر رہے ہیں۔ مجھے اپنا سمجھ رہے ہیں اور میرے ساتھ زیادہ وقت گزارنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں زیادہ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔ تم اپنے زیادہ وقت کو میرے لئے اور کس قدر زیادہ کر سکتی ہو۔"

"آپ جتنا چاہیں گے' اتنا ہی وقت دوں گی۔"

"اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تم سے کبھی نہ ختم ہونے والا وقت مانگتا لیکن میں اپنی اندھیری دنیا میں..........."

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "پلیز آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ آپ دوسرے تمام آنکھوں والوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ اگر آپ صرف آنکھوں کی کمی محسوس کر رہے ہیں تو میں آپ کی آنکھیں بن جاؤں گی۔"

وہ خوشی سے مشتری کی طرف مڑ گیا۔ پھر بولا۔ "تم بول رہی ہو' میں سن رہا ہوں۔ پھر بھی یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم مجھے اس قدر خوش نصیب بنا رہی ہو۔ آج میں نے تین کروڑ روپے حاصل کئے ہیں۔ تمہیں پا لینے کی خوشی میں یہ رقم کچھ بھی نہیں ہے۔ اس وقت میری سب سے بڑی خواہش ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے سہی' میں تمہیں ایک نظر دیکھ لوں۔"

"میں آپ کی یہ خواہش پوری کروں گی۔ لاہور آؤں گی تو آئی بینک سے آپ کو آنکھوں کی روشنی دلاؤں گی۔"

"پہلے میں سوچتا تھا' یہ دنیا اندھیری ہی اچھی ہے۔ یہاں دیکھنے کے لئے کچھ نہیں

ہے۔ اس لئے میں دوسرے اندھوں کو آنکھوں کی روشنی دلا کر نیکی کرتا تھا اور بڑی روحانی مسرتیں حاصل کرتا تھا۔ اب میں تمہیں دیکھنے کے لئے نئی آنکھیں حاصل کروں گا۔"

"میں چاہوں گی کہ آپ صفدر بھائی سے میرے لئے بات کریں۔"

وہ پریشان ہو کر بولا۔ "مم.......... میں۔ میں اس سلسلے میں زبان کھولوں گا تو وہ میری اندھی آنکھوں کو دیکھیں گے۔"

"جب مجھے منظور ہے تو وہ اعتراض نہیں کریں گے۔ میں گھر جاتے ہی ایک پرچی ان کے نام لکھوں گی کہ ہم نے ایک دوسرے کو پسند کر لیا ہے۔ آپ میرا رشتہ مانگنے والے ہیں۔ لہٰذا وہ اعتراض نہ کریں۔ آپ رات کو کھانے کے بعد ان سے بات کریں۔"

"ضرور کروں گا۔ جب تم پہلے سے راستہ ہموار کرو گی تو میں بڑے حوصلے سے تمہیں اپنے لئے مانگ لوں گا۔"

اس نے سمندر کے ساحل پر کار روک دی' پھر کہا۔ "آپ باہر آ جائیں' بڑی اچھی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔"

وہ بولا۔ "کار کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے ٹھنڈی ہوائیں آ رہی ہیں۔ تم میرے پاس بیٹھو۔ میں کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے دونوں طرف کے دروازے کھول دیئے تاکہ تازہ ہوا آتی رہے' پھر کہا "آپ فرمائیں' میں سن رہی ہوں۔"

"میں تمہارا بھرپور اعتماد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا ہمیں ایک دوسرے کے اندرونی حالات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ ایک دوسرے سے کوئی راز نہیں چھپانا چاہئے۔"

وہ بولی۔ "میں نے ایک سیدھی سادی آئینے کی طرح صفاف و شفاف زندگی گزاری ہے۔ میں نے بھائی کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ زندگی میں پہلی بار ان سے چھپ کر ان کی لاعلمی میں کل رات آپ سے ملنے آئی تھی اور اب یہاں سمندر کے کنارے ہوں۔ آپ خود میرے چال چلن کا اعتراف کریں گے کہ آپ سے گہری

اپنائیت رکھنے کے باوجود میں نے آپ کے اور اپنے درمیان ایک فاصلہ رکھا ہے اور یہ فاصلہ شادی تک قائم رہے گا۔"

"میں نے تمہاری شرافت اور شرم و حیا کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ اب اگر یہ یقین دلا دو کہ تم ہر طرح کی مخالفتوں کے باوجود ضرور میری شریک حیات بنو گی تو میں تمہیں اپنا ایک شریک راز بناؤں گا۔"

اس کے دل میں ایک تجسس پیدا ہوا کہ وہ کیا راز ہے؟ وہ بولی۔ "ہماری شادی کی کوئی مخالفت نہیں کرے گا۔ اگر بھائی نے مخالفت کی تو میں آپ کے ساتھ چپ چاپ جا کر کورٹ میرج کر لوں گی۔ مجھے بتائیں وہ راز کیا ہے؟"

وہ چند لمحوں تک سوچنے کے انداز میں خاموش رہا پھر بولا۔ "میرا کوئی کاروبار نہیں ہے اور نہ ہی میری کہیں ایک گز زمین بھی ہے۔ اس کے باوجود میں بے انتہا دولت مند ہوں۔"

"تعجب ہے' آپ اتنے دولت مند کیسے ہو گئے؟"

"اگر میں کہوں کہ میں نے جھوٹ' فراڈ اور ہیرا پھیری کے ذریعے دولت حاصل کی ہے تو کیا تم مجھ سے نفرت کرو گی؟"

"آپ اس وقت میرے لئے دنیا کے سب سے سچے انسان ہیں کیونکہ مجھ سے صاف صاف اپنا ایک اہم راز بیان کر رہے ہیں۔ آپ مجھے دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتے۔ میں آپ سے بہت خوش ہوں۔"

"میں پہلی ملاقات سے سمجھ رہا ہوں کہ تم میری ہم مزاج اور ہم خیال ہو۔ جب دو افراد ایک ہی خوشبو پسند کرتے ہیں تو پھر وہ فطرتاً ہم مزاج اور ہم خیال ہوتے ہیں۔ بہرحال شادی سے پہلے یہ بتا دوں کہ میں ارب پتی نہیں ہوں البتہ کروڑ پتی ہوں۔ فی الوقت میرے اکاؤنٹ میں تقریباً تین کروڑ روپے ہیں اور لاہور میں ایک کوٹھی ہے۔"

یہ خوابوں کے چکنا چور ہونے والی بات تھی کہ اندھا شکار ارب پتی نہیں ہے لیکن یہ بات اطمینان بخش تھی کہ وہ ایسا عاشق اور دیوانہ ہو گیا تھا کہ اپنی معشوق سے فراڈ نہیں کر رہا تھا۔ جو سچائی اس کے اندر تھی' اسے وہ بڑی محبت سے باہر نکال رہا

تھا۔

پھر یہ کہ تین کروڑ روپے کچھ کم نہیں ہوتے۔ وہ اس دیوانے کی منکوحہ کہلا کر کروڑ پتی بن سکتی تھی۔ اس نے کہا۔ "شاہ صاحب! آپ مجھے اپنی دولت کا حساب نہ دیں۔ یہ میری محبت کی توہین ہوگی کہ میں شادی سے پہلے آپ کی دولت اور جائیداد کا حساب لے رہی ہوں۔"

"میں حساب نہیں دے رہا ہوں۔ دراصل ایک معاملے میں تمہیں رازدار بنا رہا ہوں۔"

یعنی اصل راز ابھی باقی تھا۔ ابھی وہ بیان نہیں کیا گیا تھا۔ اس اندھے میں کچھ اور گہرائی تھی اور وہ رفتہ رفتہ اس گہرائی سے باہر آرہا تھا۔ وہ بڑے اضطراب میں مبتلا ہوگئی۔ بڑی بے چینی سے بولی۔ "آپ کس معاملے میں مجھے رازدار بنانا چاہتے ہیں؟"

وہ اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر بولا۔ "ایک کنواری لڑکی کا ہاتھ شادی سے پہلے نہیں پکڑنا چاہئے لیکن میں چاہوں گا کہ ابھی اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر قسم کھاؤ کہ میں اپنی آمدنی کا جو ذریعہ تمہیں بتاؤں گا' اس کا ذکر تم اپنے بھائی سے بھی نہیں کرو گی۔"

وہ اپنی خفیہ آمدنی کا ذریعہ بتانے والا تھا۔ وہ تو ایسے ہی ذرائع کی تلاش میں رہتی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "میں قسم کھاتی ہوں کہ آپ کا راز میری زندگی کے ساتھ ہی دنیا سے جائے گا۔ بھائی سے تو کیا' دیوار سے بھی کچھ نہیں کہوں گی۔"

اس نے اپنے ہاتھ میں مشتری کے ہاتھ کی حرارت کو محسوس کیا پھر کہا۔ "میں کمیشن ایجنٹ ہوں۔ کسی بھی آمدنی کا تیس فیصد لیتا ہوں۔ مثلاً ابھی تمہارے سامنے بینک میں' میں نے تین کروڑ کا چیک حاصل کیا ہے۔ یہ پورے تین کروڑ میرے نہیں ہیں۔ تیس فیصد کے حساب سے میرے صرف نوے لاکھ روپے ہیں۔ باقی دو کروڑ دس لاکھ روپے اس پارٹی کے ہیں' جس سے میں نے کمیشن وصول کیا ہے۔"

"میں کچھ سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ آخر وہ کون سی پارٹی ہے؟ اس کا بزنس کیا ہے وہ آپ کو بیٹھے بٹھائے تین کروڑ میں سے نوے لاکھ دے دیتی ہے؟"

"ہاں اس میں اور بہت سی حیرانی کی باتیں ہیں۔ مثلاً اس پارٹی کا کوئی لین دین والا بزنس نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ پارٹی اتنی معتبر ہے کہ وہ بہت بڑے بینک سے مجھے کروڑوں کا چیک دلاتی ہے۔ وہ چیک میرے اکاؤنٹ میں جاتا ہے۔ میں اس میں سے اپنا کمیشن رکھ کر باقی رقم چور راستوں سے اس پارٹی تک پہنچا دیتا ہوں۔"

"آخر وہ کون سی پارٹی ہے؟"

"وہ ایک سیاسی پارٹی ہے۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "سیاسی پارٹی؟"

"ہاں' دنیا کی اور کسی پارٹی میں اتنا زور کہاں ہے کہ کسی کاروباری لین دین کے بغیر ملک کے بڑے بینکوں سے کروڑوں روپے نکلوا لے۔"

"اوہ گاڈ! یہاں تو آنے والی ہر نئی حکومت میں مختلف بینکوں کے اسکینڈل عام ہوتے ہیں لیکن کسی بھی حکومت میں کروڑوں اور اربوں روپے کا گھپلا کرنے والے گرفتار نہیں کئے جاتے۔"

"یہی بات ہے۔ دیکھ لو کہ مجھے آج تک کسی حکومت نے گرفتار نہیں کیا۔"

"کیا آپ سیاست داں ہیں؟"

"ایک اندھا کیا سیاست کرے گا۔ یہاں تو صرف چند آنکھ والے سیاست کرتے ہیں اور باقی عوام کو اندھا بنا کر رکھتے ہیں اور میں تو اتفاق سے انہیں سچ مچ کا اندھا مل گیا ہوں۔ مجھے کسی ثبوت کے بغیر قانون کے ہاتھ کیسے گرفت میں لے سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں گرفتار کر سکتے؟ تم نے بینک میں سب کے سامنے ایک کثیر رقم کا چیک وصول کرنے کے سلسلہ میں ایک رسید پر دستخط کئے ہیں۔"

"ہاں' میں نے زمینیں فروخت کرنے کے عوض وہ تین کروڑ حاصل کئے ہیں۔"

"لیکن آپ نے ابھی کہا ہے کہ آپ کے پاس کبھی ایک گز زمین بھی نہیں رہی ہے۔"

"ہاں' میں کسی زمین کا مالک نہیں ہوں لیکن ایک سیاست داں نے اپنی پچاس مربع میل زمین میرے نام لکھ دی ہے لیکن اس سے پہلے اس نے مجھ سے ایک پکے

کاغذ پر دستخط کرالئے ہیں' اس قانونی کاغذ کی رو سے میں نے وہ زمین اس سیاست داں کو واپس کردی ہے۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولا۔ "اب ذرا غور کرو کہ میری پوزیشن کیا ہے؟ میرے پاس یہ ثبوت نہیں ہے کہ میں نے وہ زمین واپس کردی ہے کیونکہ واپسی کے کاغذ اس سیاست داں کی تحویل میں ہیں اور میرے پاس پچاس مربع میل کی زمینوں کے جو کاغذات ہیں وہ محض دکھاوے کے لئے ہیں۔"

"اچھا تو وہ زمینیں جو ہاتھی کے دانتوں کی طرح صرف دکھانے کی ہیں' انہیں فرضی گاہکوں کو فروخت کرکے ایک سیاست داں کے اثر ورسوخ سے تین کروڑ روپے بینک سے لئے ہیں۔"

"ہاں' مگر میں نے ان زمینوں کے عوض رقم نہیں لی ہے' جنہیں سیاستداں نے صرف دکھاوے کے لئے میرے نام کر رکھا ہے۔ اگر میں ان زمینوں کے عوض رقم لوں گا تو کسی نہ کسی دن قانون کی گرفت میں آجاؤں گا۔"

"تو پھر آپ نے کیا کیا ہے؟"

"میں اندھا کیا کرسکتا ہوں؟ سب اس سیاستداں نے کیا ہے۔ ایک پٹواری کو بھاری رقم دے کر فرضی زمینوں اور ان کے فرضی خریداروں کے کاغذات تیار کرائے تھے۔ وہ فرضی زمین فرضی خریداروں نے تین کروڑ میں خریدی ہے۔ اگر کبھی فراڈ کھلے گا کہ فروخت کے کاغذات پر نہ کوئی ویسی زمین ہے اور نہ ہی وہ خریدار ہیں' جن کے دستخط کاغذات پر ہیں تو میں گرفت میں نہیں آؤں گا کیونکہ میں تو اندھا ہوں۔ کاغذات کی لکھا پڑھی کرنے والوں نے اور جعلی دستخط کرنے والوں نے میرے اندھے پن سے فائدہ اٹھا کر مجھے دھوکا دیا ہے۔"

"لیکن آپ نے تین کروڑ کا چیک وصول کیا ہے؟"

"میں تمہیں ساتھ لے گیا تھا تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ آنکھ والوں کو کیسے اندھا بنایا جاتا ہے۔ جن فرضی خریداروں نے زمینیں خریدی تھیں ان کے جعلی ناموں سے اکاؤنٹ کھولے گئے۔ ان سب کے مجموعی اکاؤنٹ کی رقم تین کروڑ روپے تھی لیکن ایک دن پہلے وہ تین کروڑ نکال لئے گئے تھے اور بینک رجسٹر میں رقم نکالے جانے کی

انٹری نہیں ہوئی تھی۔ انٹری کرتے وقت اکاؤنٹنٹ کو بتایا ہی نہیں گیا۔ اب اگر فراڈ کا علم ہوگا تو وہ بیچارہ اکاؤنٹنٹ پکڑا جائے گا۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ جن چیکوں کے ذریعے تین کروڑ نکالے گئے ان کے چیک نمبر اور نکالی جانے والی رقمیں رجسٹر میں درج کیوں نہیں کی گئی تھیں۔ ایسا نہ کرنے کے باعث رجسٹر سے یہی ثابت ہوا کہ وہ تین کروڑ نکالے نہیں گئے ہیں اور یوں بینک والوں نے دھوکا کھا کر مجھے تین کروڑ کا چیک دے دیا ہے۔"

مشتری نے کہا۔ "یہ فراڈ سمجھ میں آرہا ہے مگر بڑا ہی پیچیدہ فراڈ ہے۔"

"فریب جتنا پیچیدہ ہوتا ہے' اتنا ہی زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ تم اندازہ کرو کہ میں کروڑ پتی بن گیا اور جو سیاست داں ہر حکومت کے دور میں میرے اندھے پن سے کھیل کر پوری قوم کو اندھا بنا رہے ہیں اور ملکی خزانہ خالی کرتے جارہے ہیں' وہ کس طرح ارب پتی بن رہے ہیں۔"

"آپ کس سیاست داں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں؟"

"وہ فی الحال ایک ناکام سیاست داں ہے۔ چند برس پہلے حکمران پارٹی کا ایک اہم رکن تھا۔ اس دور میں اس نے ایسے افسر شاہی عہدیداروں سے گٹھ جوڑ کرلیا تھا جن کا تعلق بڑے بڑے بینکوں سے اب بھی ہے۔ انہوں نے باقاعدہ ایک گروہ بنا رکھا ہے۔ یہ گروہ حکومت اور قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہتا ہے۔ صرف میری آنکھوں میں دھول نہیں جھونکتا۔ کیونکہ میں اندھا ہوں۔"

مشتری اخبارات میں پڑھتی تھی کہ قومی خزانے سے لاکھوں' کروڑوں اور اربوں روپے مختلف حیلوں بہانوں سے حاصل کئے جاتے ہیں' پھر وہ روپے قومی خزانے میں واپس نہیں لائے جاتے اور اتنی بڑی رقمیں اکثر قرضوں کی صورت میں حاصل کی جاتی ہیں۔ اس طرح خزانہ خالی کیا جاتا ہے پھر ملکی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ورلڈ بینک سے قرضے لئے جاتے ہیں۔

اس کھلی حقیقت کو سمجھنا چاہئے کہ جہاں کشش ہوگی' وہاں تباہی ہوگی۔ ایک چیز اپنی کشش سے دوسری چیز کو کھینچتی ہے تو وہ چیز اس سے آکر ٹکراتی ہے۔ ٹکراؤ سے دھماکہ پیدا ہوتا ہے اور دونوں آپس میں ٹکرانے والے ٹوٹتے پھوٹتے ہیں پھر جب یہ

کشش ماند پڑتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟

مشتری کے پاس جو خزانہ (بینک بیلنس) تھا' وہ ملک حیات شاہ کروڑ پتی کے مقابلے میں اتنا کم تھا کہ مشتری کی کشش ماند پڑ گئی تھی اور اس نابینا کی کشش بے انتہا شدید ہو گئی تھی۔

سائنس دانوں نے شاید اس پہلو پر غور نہیں کیا ہے کہ اکیسواں سیارچہ جو بہت ہی زبردست ہے' وہ مشتری کی طرف کھنچا جا رہا ہے یا (سیارہ) مشتری اس کی طرف کھنچی چلی آ رہی ہے۔ ویسے یہ کلیہ سمجھ میں آگیا ہے کہ کم کشش والی چیز زیادہ کشش والی چیز کی طرف دوڑی چلی آتی ہے اور یہ تو پاکستان کی تاریخی سچائی ہے کہ جب بھی ملکی خزانہ خالی ہوتا ہے تو پاکستان کی کشش کم اور ورلڈ بینک کی کشش بے انتہا زیادہ ہو جاتی ہے۔ یوں ملک خداداد کے حکمران' ورلڈ بینک کی طرف کشکول اٹھائے دوڑتے چلے جاتے ہیں۔

مشتری بانو نے کہا۔ "آپ نے مجھے راز دار بنا کر میرے سامنے جھوٹ اور فریب کے قومی اور بین الاقوامی دروازے کھول دیئے ہیں۔"

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "میں نے دروازے کھول دیئے ہیں تم یہ بتاؤ کیا اس دروازے سے داخل ہو کر میرے سامنے آگے بڑھتی رہو گی؟"

"آپ مجھے ایک شاندار مستقبل اور خوش حالی کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ مجھے جس راہ پر چلائیں گے میں اسی راہ پر چلوں گی۔"

وہ بولا۔ "زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ کیا پتا کب وہ میرا ساتھ چھوڑ دے یا کب تمہارا ساتھ چھوڑ دے۔ جب ہم میاں بیوی ہوں گے تو موت کے بعد ایک دوسرے کی دولت اور جائیداد کے حق دار ہوں گے' لیکن جب تک ہم زندہ رہیں گے' تب تک ہمارے دھندے' ہماری آمدنی اور ہمارے بینک اکاؤنٹس الگ الگ رہیں گے۔"

"کیا ایسا کرنا ضروری ہے؟"

"ہاں اگر کبھی کم بختی سے میں قانون کی گرفت میں آؤں گا تو عدالتی حکم سے میرا اکاؤنٹ سیل کر دیا جائے گا لیکن تم محفوظ رہو گی۔ میں بڑے بڑے داؤ لگاتا آیا

ہوں۔ لہٰذا میرے لئے خطرات بڑے ہیں۔"

"میں خطرات سے ڈرتی نہیں ہوں۔ میں بھی پیچیدہ مراحل سے گزرنے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ آج کے دور میں لاکھ روپے کچھ نہیں ہوتے۔ میں آپ کی طرح کروڑوں کا گیم کھیلوں گی۔"

"دیکھو تم ایک معصوم دوشیزہ ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ مجھ سے محبت کرنے والی نے کبھی کسی سے ہزاروں لاکھوں روپے کا فراڈ نہیں کیا ہے۔ تمہیں ایک ایک زینہ کر کے اوپر آنا چاہئے۔ میں اس لئے ایسا کہہ رہا ہوں کہ میری بتائی ہوئی ہیرا پھیری سے لاکھ دو لاکھ کماؤ گی تو اس سلسلے میں تمہارا ایک نیا پیسا بھی خرچ نہیں ہو گا۔ ورنہ کروڑوں کی آمدنی کے لئے پہلے لاکھوں لگانے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ رقم تمہارے بھائی کے پاس رہتی ہے۔ اس لئے تمہارے بھائی کو بھی راز دار بنانا ہو گا اور میں نہیں چاہتا کہ ہمارے درمیان کوئی تیسرا راز دار بن جائے۔"

"میرے والد نے انتقال سے پہلے ہم بھائی بہن کو ہمارا حصہ دے دیا تھا۔ میرے ذاتی اکاؤنٹ میں ستر لاکھ سے کچھ زیادہ ہیں۔ مجھے آپ کا یہ مشورہ پسند ہے کہ صفدر بھائی کو راز دار نہیں بنانا چاہئے۔"

وہ اپنے دل سے یہ بات کہہ رہی تھی کیونکہ وہ اپنی آمدنی کے سلسلے میں صفدر کو شریک نہیں کرتی تھی اور نہ ہی کبھی اسے اپنے بینک بیلنس کے متعلق بتایا کرتی تھی۔ وہ صرف ایک شوہر کی حیثیت سے اسے پسند تھا اور وہ اسی کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ ملک حیات شاہ کے ذریعے اگرچہ کروڑ پتی بن سکتی تھی۔ اس کے باوجود اس نابینا کو اجازت نہیں دے سکتی تھی کہ وہ اس کے بدن کو ہاتھ لگائے۔ اس نے ایک آدھ بار اس کے سامنے اپنی آنکھوں پر سے سیاہ چشمہ ہٹایا تھا۔ اس اندھے کے ذرا باہر کو نکلے ہوئے دیدے اور سیاہ پتلیوں پر چھائی ہوئی سفیدی اور پیلے پن کو دیکھ کر کراہیت سی محسوس ہوئی تھی۔ ایسے شخص کو وہ دل نہیں دے سکتی تھی۔ صرف اس کے ساتھ دماغی الٹ پھیر کے کام کر سکتی تھی۔

اس نے واپسی کے لئے گاڑی موڑ دی پھر ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔ "آپ ابھی صفدر بھائی سے میرا رشتہ نہ مانگیں۔ اگرچہ مجھے ان کے انکار کی پروا نہیں ہے لیکن

رشتے کی بات چلے گی تو وہ یہاں سے لاہور منتقل نہیں ہوں گے۔ یہ نہیں چاہیں گے کہ وہاں میں آپ سے ملاقات کرتی رہوں۔"

"تم درست کہتی ہے لیکن آئندہ تم لکھ پتی سے کروڑ پتی بننے کے لئے جو اقدامات کرو گی اس سے پہلے میں چاہوں گا کہ ہماری شادی ہو جائے۔ کیونکہ میں تمہیں صرف بیوی بنانے کے بعد ہی اپنے سیاستدانوں کے ذریعے ایک بینک میں گھپلا کراؤں گا اور تمہیں مطلوبہ رقم دلاؤں گا۔"

"مجھے بتائیں کہ میں زیادہ سے زیادہ کتنی رقم حاصل کر سکتی ہوں؟"

"ایسے لین دین میں بڑی حصے داریاں ہوتی ہیں۔ وہ سیاست داں تمہارا پارٹنر ہو گا لیکن پٹواری اور چند نوکر شاہی افسران کو لاکھوں کی رشوتیں دینی ہوں گی۔ ایک سرسری سا حساب یوں سمجھ لو کہ تم پچیس لاکھ دو گی تو تمہیں ایک کروڑ ملیں گے اور پچاس لاکھ دو گی تو دو کروڑ حاصل کر سکو گی۔"

"یعنی جتنے پچیس دوں گی اتنے ہی کروڑ ملیں گے؟ کیا آپ بھی اسی حساب سے رقم لگاتے ہیں؟"

"میں ایک تنکا بھی نہیں لگاتا ہوں۔ تم بھول رہی ہو۔ ابھی میں نے یہ کہا تھا کہ میرا اندھاپن ان کے لئے بہت مضبوط ڈھال ہے۔ اگر کبھی فراڈ کھلے گا تو اس سیاست داں اور چند نوکر شاہی بڑے افسران پر ذرا بھی آنچ نہیں آئے گی۔ پہلے تو ساری مصیبتیں مجھ پر آئیں گی پھر یہ ثابت ہو گا کہ میں بے قصور ہوں۔ دوسروں نے میرے اندھے پن سے فائدہ اٹھایا ہے۔"

"میں نابینا نہیں ہوں۔ کبھی قانونی طور پر میرا محاسبہ ہو سکتا ہے۔ میں گرفت میں آ سکتی ہوں۔"

"ہمارے ملک میں ایک ایسا منافع بخش اور محفوظ جرم ہے' جس کا مجرم آج تک نہیں پکڑا گیا۔ میں اخبار پڑھ نہیں سکتا۔ تم پڑھتی ہو گی۔ کیا تم نے کبھی یہ پڑھا' یا سنا کہ قومی خزانہ خالی کرنے والے سیاست دانوں اور نوکر شاہی افسروں کو گرفتار کیا گیا ہو؟"

"ایسے ایک آدھ کے متعلق پڑھا ہے لیکن کبھی یہ نہیں پڑھا کہ انہیں کوئی سزا

ملی ہے۔ ان کا مقدمہ یا تو خاموشی سے ختم ہو گیا یا پھر ڈرامائی انداز میں اس کیس کی نوعیت بدل دی گئی۔"

"تو بس اطمینان رکھو' خدانخواستہ تم پر الزام آئے گا تو تمہیں مکھن کے بال کی طرح الزامات کی دلدل سے نکال لے جانے کے بڑے راستے ہیں اور یہ کہاوت تو تم نے سنی ہو گی کہ نو رسک نو گیم۔ بازی جیتنے کے لئے خطرات سے کھیلنا ہی پڑتا ہے۔"

وہ کوٹھی میں واپس آ گئے۔ مشتری ملک حیات شاہ کو اس کے کمرے تک پہنچا کر اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔ آج اس نابینا عاشق نے اس کے آگے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ اپنا گہرا راز اور خفیہ آمدنی کا ذریعہ بتانے والے کی عاشقی اور دیوانگی میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ دولت کے زینوں پر چڑھنے کے لئے اپنی دولت کو داؤ پر لگانے کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کرنے لگی۔

رات کے کھانے کے بعد سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سونے چلے گئے۔ ایسے وقت صفدر چوروں کی طرح مشتری کی خواب گاہ میں آیا۔ چوروں کی طرح اس لئے آیا کہ بھائی بنا ہوا تھا۔ رات کو بہن کے کمرے میں جا کر اندر سے دروازے کو بند کر کے اہم باتیں کرتا اور شاہ صاحب کا مشیر خاص اسے دیکھ لیتا تو بنتی ہوئی بات بگڑ جاتی۔

مشتری نے کہا۔ "تمہارا اس طرح آنا مناسب نہیں ہے۔ دروازہ بند کرو گے تو اور گڑبڑ ہو سکتی ہے۔"

"میں ابھی چلا جاؤں گا مگر مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تم موجودہ منصوبے میں کہاں تک کامیاب ہو رہی ہو؟"

"میں ساری باتیں بتاؤں گی۔ تم ڈرائنگ روم میں جاؤ۔ وہ دونوں اپنے اپنے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔ تم وہاں کے فون سے میرا موبائل فون نمبر ڈائل کرو۔ اس طرح کچھ کام کی باتیں ہو سکیں گی؟"

وہ چلا گیا' مشتری نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے فون کو اٹھایا پھر بٹن دبا کر اسے آن کیا۔ صفدر کی آواز سنائی دی۔ "ہیلو میں بول رہا ہوں۔ اس کا مشیر خاص کہہ رہا تھا کہ وہ دونوں کل

شام تک لاہور چلے جائیں گے۔ جبکہ وہ ایک یا دو ماہ رہنے کے لئے پڑوس کی کوٹھی خریدنے والے تھے۔ اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم ناکام ہوگئی ہو۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ایک یا دو ماہ یہاں رہ کر دوسرے معاملات میں مصروف رہنا چاہتا تھا لیکن مجھ پر بری طرح مرمٹا ہے۔ جلد سے جلد شادی کرنا چاہتا ہے اس لئے جلدی لاہور جا رہا ہے۔ دو چار دنوں کے بعد ہم بھی وہاں مستقل رہائش کے لئے جائیں گے۔"

"کیا وہ کورٹ میرج کے لئے راضی ہے؟"

"میں نے ابھی تک اس سلسلے میں بات نہیں کی ہے۔ اس سے یہ کہہ چکی ہوں کہ میرا بھائی اس شادی کے لئے راضی نہیں ہوگا۔ اس لئے ہم چوری چھپے شادی کریں گے۔ میں لاہور میں اسے کہوں گی کہ فی الحال شادی کو راز میں رکھنے کے لئے ہم کورٹ میرج کریں گے تاکہ رشتے داروں اور دوستوں کی بھیڑ نہ رہے۔ اس شادی میں میرا بھائی موجود نہیں رہے گا۔"

"میں موجود نہیں رہوں گا تو شادی کی تصویریں کیسے اتاری جائیں گی؟"

"تم ٹھیک کورٹ میرج کے وقت کیمرہ لے کر آؤ گے اور ہم سے کہو گے کہ تم چھپ کر ہماری مصروفیات کے متعلق معلوم کرتے رہتے تھے۔ تمہیں ہماری شادی کا بھی علم ہوگیا تھا۔ اس لئے ہمیں دعائیں دینے کے لئے آگئے ہو کیونکہ تمہیں اس شادی پر اعتراض نہیں ہے۔"

"جب ہم لاہور جائیں گے تو چاند بی بی ہمارے ساتھ ہوگی۔ وہ مشیر خاص اسے دیکھ لے گا۔"

"ذرا عقل استعمال کرو۔ چاند بی بی ہمارے ساتھ نہیں جائے گی۔ اسی کوٹھی کے سرونٹ کوارٹر میں رہے گی۔ جب رجسٹرار کے دفتر سے شادی کی تاریخ مقرر کر دی جائے گی تو تم شادی سے ایک دن پہلے یہاں آؤ گے اور اپنی بہن کو لاہور لے جاؤ گے۔ وہاں ہم صرف ایک دن اسے چھپا کر رکھیں گے۔ دوسرے دن سے تو وہ اندھے رئیس کی بیوی مشتری بانو بن کر رہنے لگے گی۔"

"آج تین کروڑ کا چیک دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ کیا تمہیں

یقین ہے کہ تم اس سے کروڑوں روپے وصول کرسکو گی؟"

"میں کامیابی کا یقین کرنے کے بعد ہی کسی پر پھسلتی ہوں۔ تم چاند بی بی پر توجہ دو اور اسے اچھی طرح ضروری ٹریننگ دیتے رہو۔ اگر تمہاری بہن ذرا سا بھی کام بگاڑے گی تو میں تمہیں اپنی زندگی سے نکال کر راستے کا بھکاری بنا دوں گی۔"

اس نے رابطہ ختم کر دیا۔ بعض اوقات اس کی باتوں سے صفدر کو اپنی توہین کا احساس ہوتا تھا لیکن یہ سوچ کر وہ خود کو تسلی دیتا تھا کہ بیوی بدمزاج ہے مگر وفادار ہے۔ زیر اثر رہنے والے شوہر کو چھوڑ کر ایک کروڑ پتی کے پاس بھی نہیں جاتی' اپنی جگہ اس کی بہن کو بھیجنے والی ہے۔ اگرچہ یہ ایک بھائی کی بے غیرتی تھی۔ تاہم اس معاملے میں بھی یہ سوچ کر خود کو تسلی دے رہا تھا کہ ایک اندھے رئیس کے ساتھ بیوہ بہن خوش حال زندگی گزارے گی۔ ایسے وقت وہ اس پہلو کو نظر انداز کرتا تھا کہ وہ بہن کو ایک اندھے کی منکوحہ نہیں داشتہ بنا رہا ہے۔

☆======☆======☆

مشتری بانو اپنی خواب گاہ میں جاگ رہی تھی۔ ملک حیات شاہ نے یہ کہہ کر اس کی نیند اڑا دی تھی کہ وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے کروڑ پتی بن جائے گی اور یہ تو اس نے آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس اندھے رئیس کے ذرائع کتنے زبردست ہیں۔ وہ اپنے اندھے پن کے باعث ایک ایسے گروہ کے لئے بلٹ پروف جیکٹ بنا ہوا ہے جو کراچی سے اسلام آباد تک تمام مالیاتی شعبوں پر چھایا ہوا ہے۔ بینک ہو یا ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن ہو۔ اگر گروہ کی معزز سیاسی' سماجی اور نوکر شاہی شخصیات بہ آسانی ملکی خزانے سے بڑی بڑی رقمیں نکال لیتی ہیں۔

اور اندھے عاشق کی یہ بات بھی قابل قبول تھی کہ بڑی رقم حاصل کرنے کے لئے متعلقہ افراد کو چھوٹی رقمیں رشوت کے طور پر دینی ہوں گی۔ ہر پچیس لاکھ پر ایک کروڑ ملنے والے تھے۔ کسی کاروبار یا غلط دھندے میں بھی شاید ہی اتنا بڑا منافع گھر بیٹھے ملتا ہو۔ اس منافع میں بڑی کشش تھی۔ ساٹھ کلو میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے کھنچی چلی آنے والی کشش تھی۔

لیکن وہ مشتری تھی۔ کسی مرد پر بھروسا نہیں کرتی تھی خواہ وہ اندھا ہی کیوں نہ

ہو۔ سائنس دانوں کی رپورٹ بھی یہی ہے کہ مشتری میں ایک قدرتی کشش ہے' وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مشتری کو کھینچنے کے لئے لازمی ہے کہ اس سے بڑا کوئی سیارہ مقابل آئے اور سیارہ مشتری کی کشش کو کم تر بنائے۔

اس نے کئی گھنٹوں تک سوچتے رہنے کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ ابتدا میں اس نابینا سے چھوٹا چھوٹا منافع حاصل کرے گی۔ اپنے ایک لاکھ روپے بھی داؤ پر نہیں لگائے گی۔ عورت کی جوانی ہمیشہ نہیں رہتی۔ ایک دن وہ حسن و شباب سے خالی ہو جاتی ہے لیکن عقل سے کام لے تو بینک بیلنس خالی نہیں ہوتا اور جب تک یہ بڑھتا رہتا ہے' عورت بڑھاپے میں جوان اور پُرکشش رہتی ہے۔

ملک حیات شاہ نے دوسری شام روانگی سے پہلے تنہائی میں اس سے کہا۔ "گلبرگ میں ایک پینتالیس لاکھ روپے کی کوٹھی کا میں نے سودا کیا تھا۔ اسے خریدنے کا کوئی خاص ارادہ نہیں تھا لیکن اب تم میری زندگی میں آرہی ہو۔ میں وہ کوٹھی تمہارے نام سے خریدوں گا۔"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ یہ کوئی معمولی سی بات نہیں تھی۔ وہ پینتالیس لاکھ کی کوٹھی اس کے نام سے خریدنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں بہت خوش نصیب ہوں۔ آپ مجھ پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ مجھے پینتالیس لاکھ روپے کی کوٹھی خرید کر دینا چاہتے ہیں۔"

"تم پر اس قدر بھروسا کرتا ہوں کہ شادی سے پہلے خریدوں گا۔ جس دن تم لاہور پہنچو گی اسی دن اسٹیٹ ایجنٹ کوٹھی کے کاغذات تیار رکھے گا۔ تم اس کوٹھی کو پہلے دیکھ کر پسند کرو گی۔ تمہیں پسند آجائے گی تو میں پوری پے منٹ کردوں گا۔"

"میں تیسرے یا چوتھے دن لاہور پہنچنے کی کوشش کروں گی اور آنے سے پہلے فون پر اطلاع دوں گی۔"

وہ دیوانہ عاشق اپنے مشیر خاص کے ساتھ لاہور روانہ ہوگیا۔ صفدر نے پوچھا "تنہائی میں وہ اندھا کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہ اب کسی شک و شبے کے بغیر مجھ پر مرمٹا ہے۔ جس دن ہم لاہور پہنچیں گے۔ اسی دن وہ مجھے پینتالیس لاکھ روپے کی کوٹھی دکھائے گا۔ میں وہ کوٹھی پسند کروں

گی تو پوری رقم کی ادائیگی کرکے اسے میرے نام کردے گا۔"

"پھر تو واقعی تم بہت لمبا ہاتھ مار رہی ہو۔ اس حساب سے تم اس سے تقریباً نصف کروڑ حاصل کرلو گی۔"

جب تک خزانہ ہاتھ نہ آئے۔ وہ خواب کے عالم میں رہتا ہے کبھی یہ خوش قسمتی سے حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی حصول کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ مشتری کا ایک اصول تھا کہ وہ اپنا کچھ نقصان کئے بغیر فائدہ حاصل کرتی تھی۔ وہ فائدہ کسی وجہ سے حاصل نہ ہوتا تو اسے دکھ نہیں ہوتا تھا۔

تین دنوں کے بعد وہ لاہور پہنچی تو خواب پورا ہوگیا۔ اسے کوٹھی پسند آئی۔ قانونی طور سے کاغذات مکمل ہوئے۔ ملک حیات شاہ نے پوری رقم کی ادائیگی کی اور اس کوٹھی کی چابیاں مشتری کے حوالے کردی گئیں۔ وہ چابی دیتے ہوئے بولا۔ "تم اس نئی کوٹھی میں دلہن بنو گی۔ ہم اپنی ازدواجی زندگی کی پہلی رات وہیں گزاریں گے۔"

"میں چاہتی ہوں' ہم بھائی صفدر کو بتائے بغیر پہلے چپ چاپ کورٹ میرج کرلیں پھر کچھ دنوں کے بعد شادی کا اعلان کریں گے۔"

"تم جو چاہو گی' وہی ہوگا۔ میرا قانونی مشیر حمید اختر بھٹی کورٹ میرج کے تمام انتظامات کردے گا۔"

دیوانہ وہی کر رہا تھا' جو وہ چاہتی تھی' کورٹ میرج کے انتظامات ہوگئے۔ شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ منصوبے کے مطابق صفدر ایک دن پہلے کراچی گیا پھر شام کی فلائٹ سے بہن کو لے کر آگیا۔ وہ اس نئی کوٹھی میں قیام کر رہے تھے۔ صفدر نے اس کے پیچھے ایک سرونٹ کوارٹر کو فوٹوگرافی کے لئے ڈارک روم بنایا تھا۔ دوسرے کوارٹر میں بہن کو چھپا کر رکھا تھا۔ اس نے مشتری سے کہا۔ "ہمارا ہر کام پلاننگ کے مطابق ہو رہا ہے لیکن تمہارے لئے ایک بری خبر ہے۔"

مشتری نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا پھر ناگواری سے کہا۔ "سسپنس پیدا نہ کرو' فوراً بتاؤ وہ بری خبر کیا ہے؟"

"جس بینک میں تمہارا اکاؤنٹ اور لاکر ہے' وہاں پرسوں ڈاکا پڑا تھا۔ ڈاکو

بائیس لاکھ روپے لوٹ کرلے گئے ہیں۔"

وہ بولی۔ "یہ بری خبر میرے لئے کیسے ہوگئی؟ بینک میں ڈاکا پڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں کے تمام اکاؤنٹ ہولڈر کی رقمیں ماری گئی ہیں۔ یہ ڈاکوؤں اور بینک کا معاملہ ہے۔"

"بے شک تمہاری اور تمام اکاؤنٹ ہولڈر کی رقمیں بینک والے ادا کرتے رہیں گے لیکن تم آگے بھی تو سنو۔ ڈاکوؤں نے اس بینک کے تمام لاکرز توڑے ہیں اور ان تمام لاکرز میں جتنے ہیرے جواہرات' سونے کے زیورات اور اہم دستاویزات وغیرہ تھیں' وہ سب سمیٹ کرلے گئے ہیں' تمہارا لاکر بھی خالی پڑا ہے۔"

مشتری زندگی میں پہلی بار چکرا سی گئی۔ یہ سب کچھ سن کر بھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا' اس نے پوچھا۔ "تمہیں ڈاکے کی اطلاع کیسے ملی؟ کیا تم بینک گئے تھے؟"

"کل میں کراچی پہنچا تو تمہاری سہیلی کے شوہر نے فون کیا تھا اور مجھے بینک بلایا تھا۔ میں نے وہاں جاکر یہ تمام معلومات حاصل کی ہیں۔"

مشتری نے فوراً ہی موبائل فون کے ذریعے اپنی سہیلی سے رابطہ کیا پھر پوچھا۔ "کیا واقعی بینک میں ڈاکا پڑا ہے؟ تمہارے میاں کہاں ہیں۔ ان سے بات کراؤ۔"

سہیلی کے بینک مینجر شوہر نے اس سے فون پر بات کی اور اسے ڈاکے کی تفصیلات بتائیں۔ وہ بولی۔ "میرے لاکر میں بہت سے اہم کاغذات تھے۔ ڈاکو ان کاغذات کا کیا کریں گے؟ انہیں پھینک کر گئے ہوں گے؟"

جواب ملا۔ "وہ سب عجلت میں تھے۔ جو ہاتھ آیا' سمیٹ کرلے گئے۔ جو چیزیں ان کے مطلب کی نہیں ہوں گی' انہیں وہ بعد میں ضائع کردیں گے۔ ویسے بینک کے کسی لاکر میں کچھ نہیں رہا ہے۔"

مشتری جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ فون کو آف کر کے سوچ میں پڑگئی۔ اس نے کئی جنات جیسے مردوں کی جانیں اس لاکر میں بند کر رکھی تھیں۔ کتنے ہی منشیات فروشوں' قاتلوں اور مختلف نوعیت کے جرائم کرنے والوں کے تحریری ثبوت اور تصاویر اس لاکر میں چھپا کر رکھی تھیں۔ ان میں صفدر بخاری کی تحریر اور تصاویر بھی تھیں' جن کی وجہ سے وہ اس کا غلام بنا ہوا تھا۔

اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ صفدر حسب معمول اس کے سامنے والے صوفے پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اب وہ غلام نہیں رہا تھا۔ اسے لاکر کے پنجرے سے نکل کر پرواز کرنے کی آزادی مل گئی تھی۔ اس کے باوجود اس کی سراپا تابعداری کہہ رہی تھی۔ "اتنے مانوس صیاد سے ہوگئے۔ اب رہائی ملے گی تو مرجائیں گے۔"

مشتری نے دل ہی دل میں اس کی تابعداری کا تجزیہ کیا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ وہ ہڈ حرام ہے۔ اس کی دولت پر عیش کر رہا ہے اور یہ دیکھ رہا ہے کہ بیوی کروڑوں روپے کمانے والی ہے اور یہ ساری دولت بیوی کی موت کے بعد اسے ہی ملے گی۔

اب یہ ممکن تھا کہ وہ کسی موقع پر اسے قتل کرتا اور اس قتل کو اس کی حادثاتی موت بنا دیتا۔ وہ اس سے فوراً ہی پیچھا نہیں چھڑا سکتی تھی۔ کیونکہ ایک شوہر اور تابعدار کی حیثیت سے وہ اس کے بہت سے اہم رازوں سے واقف تھا۔ اگر ملک حیات شاہ کے سامنے یہ بھید کھول دیتا کہ وہ بھائی نہیں شوہر ہے تو تمام بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ کروڑوں روپے خواب بن جاتے۔ اسلام آباد تک رسائی حاصل کرنے والا' اندھا اس سے پینتالیس لاکھ کی کوٹھی بھی چھین لیتا۔

ویسے ان حالات میں وہ بڑے صبر و تحمل سے کام لیتی تھی اور مناسب وقت کا انتظار کرتی تھی۔ دوسرے دن وہ ملک حیات شاہ اور اس کے قانونی مشیر کے ساتھ کورٹ میرج کے لئے گئی تو صفدر بخاری پلاننگ کے مطابق پہلے سے موجود تھا۔ ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی اسے دیکھ کر پریشان ہوا اور شاہ صاحب کو بتایا کہ دلہن کا بھائی پہلے سے موجود ہے۔ صفدر نے کہا۔ "ملک صاحب! میں نادان نہیں ہوں۔ آپ کے ارادوں کو بہت پہلے سے سمجھتا آرہا ہوں۔ یہ مانتا ہوں کہ آپ میری بہن کو دل و جان سے چاہتے ہیں اور اسے ہمیشہ خوش رکھیں گے۔ بہرحال جو ہو رہا ہے' وہ اچھا ہی ہو رہا ہے' مجھے اس شادی پر اعتراض نہیں ہے۔"

ملک حیات شاہ نے اس کا شکریہ ادا کیا پھر یہ شادی ہوگئی۔ صفدر نے کورٹ میرج کے تمام اہم مواقع کی تصاویر اتارلیں پھر یہ طے پایا کہ وہ نابینا دولہا رات کو اپنی دلہن کی کوٹھی میں آئے گا۔ مشتری اور صفدر کوٹھی میں آئے پھر چاند بی بی کو اپنے پاس

بٹھا کر ایک ایک بات سمجھائی۔ حتیٰ کہ اس سے دلہن بننے کی ریہرسل بھی کرائی۔
مشتری نے سمجھایا۔ "دیکھو دلہن بن کر خاموش رہنا' وہ سمجھے گا تم شرما رہی ہو۔ میں صبح سے پہلے آؤں گی۔ تم دروازے کو کھلا رکھنا۔ کمرے سے نکل کر سرونٹ کوارٹر میں چلی جانا۔ میں اس اندھے کو سنبھال لوں گی۔"

رات کو ایک تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی۔ ملک حیات شاہ اپنے قانونی مشیر کے علاوہ چند دوستوں اور ان کی بیویوں کو ساتھ لے آیا۔ صفدر سے بولا۔ "میں نے سوچا' جب تم نے شادی کی اجازت دے دی ہے تو اب اس شادی کو راز میں نہ رکھا جائے۔ یہ میرے چند خاص دوست ہیں۔ میں نے انہیں.......... دلہن لانے کی اطلاع دی تو یہ سب دلہن کو دیکھنے اور تحائف دینے کے لئے آگئے ہیں۔"

آدمی جیسے منصوبے بناتا ہے ان پر بالکل ویسے ہی عمل نہیں ہوتا۔ بدلتے ہوئے حالات کے تحت ان منصوبوں پر عمل کرنے کا طریقہ کار بھی کچھ بدل جاتا ہے۔

مشتری حالات سے سمجھوتا کر رہی تھی۔ نابینا شوہر کے دوست' اور ان کی بیگمات اسے دیکھنے آئیں' اسے تحائف پیش کئے پھر کچھ دیر اس کے اطراف ہنستے بولتے رہنے کے بعد چلے گئے۔ جب وہ سب رخصت ہو رہے تھے' تب ہی صفدر چاند بی بی کو سہاگ کے کمرے میں لے آیا۔ کیونکہ مہمانوں کے جاتے ہی وہ اندھا شوہر وہاں آنے والا تھا۔

وہ دونوں چاند بی بی کو سہاگ کی سیج پر بٹھا کر سرونٹ کوارٹر میں آگئے۔
مصروفیات کے باعث کورٹ میرج کی اتاری ہوئی تصاویر کو ڈیولپ اور پرنٹ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ صفدر نے مشتری سے کہا۔ "تم یہاں بیٹھو' تصاویر پرنٹ کرنے کا کیمیکل میرے کمرے میں ہے میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

وہ کیمیکل لانے کے لئے سرونٹ کوارٹر سے نکل کر کوٹھی کے اندر گیا پھر آدھے گھنٹے بعد آکر بولا۔ "اس قانونی مشیر کا ہمیں خیال ہی نہ رہا۔ وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا میرا انتظار کر رہا تھا کہ میں آؤں گا تو اس کے رخصت ہونے کے بعد کوٹھی کے دروازے کو اندر سے بند کروں گا۔"

"کیا وہ چلا گیا؟"

"ہاں کم بخت بہت باتونی ہے۔ بڑی مشکل سے پیچھا چھڑا کر آیا ہوں۔"

اس نے کیمرے کو ایک طرف رکھا پھر کیمیکل نکال کر اسے پرنٹنگ کے لئے استعمال کرنے لگا۔ تمام تصاویر ڈیولپ اور پرنٹ ہونے لگیں۔ مشتری ان تصاویر کو دیکھتی جا رہی تھی اور ایک تنی ہوئی ڈور میں کلپ کے ذریعے انہیں خشک کرنے کے لئے لٹکا رہی تھی۔

صفدر نے کہا۔ "رات کے دو بج رہے ہیں۔ تم خاموشی سے کوٹھی میں جا کر آرام کرو۔ میں تمام تصاویر کے خشک ہوتے ہی انہیں تمہارے پاس لے آؤں گا۔"

وہ کوارٹر سے نکل کر کوٹھی کے پچھلے دروازے سے اندر آئی پھر ایک بیڈ روم میں پہنچ کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ عقل یہ سمجھا رہی تھی کہ جب صفدر کی کمزوریاں اس کے ہاتھوں میں تھیں تب اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ خود اندھے رئیس کی بیوی کہلائے گی لیکن بیوی کی حیثیت سے ازدواجی وظیفہ ادا نہیں کرے گی۔ ایسے وقت چاند بی بی کو استعمال کرے گی اور صفدر اپنی بہن کے سلسلے میں مجبور رہے گا لیکن اب وہ کسی وقت بھی باغی ہو سکتا تھا۔ اپنی اور بہن کی بہتری کے لئے اسے نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اب یہ سمجھ میں آرہا تھا کہ کورٹ میرج کی تمام تصویریں اپنے قبضے میں لے کر پہلے صفدر کو ٹھکانے لگائے پھر اس کی بہن کو بھی ختم کرے اور ملک حیات شاہ کی باقاعدہ بیوی بن کر رہے۔ اس کے بعد کوئی رکاوٹ اس راہ میں نہیں رہے گی' جس راہ پر کروڑوں روپے بچھے ہوئے ہیں۔

اس نے کرسی سے اٹھ کر اپنی الماری کھولی۔ وہ اس کے ایک سیف میں اپنا کچھ ضروری خفیہ سامان رکھتی تھی۔ وہاں زہر کی ایک چھوٹی سی شیشی اور چار ڈسپوزل سرنج رکھے ہوئے تھے۔ وہ ایک سرنج اور شیشی لے کر اس کمرے میں گئی' جہاں صفدر کا سامان رہتا تھا۔ وہاں بستر پر ایک اٹیچی رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ اندر کپڑے' شیونگ کا سامان' ٹوتھ پیسٹ اور شیمپو کی ایک بوتل وغیرہ اس طرح رکھے ہوئے تھے' جیسے وہ اٹیچی لے کر سفر پر جانے والا ہو۔

اس نے زہر کی شیشی کھولی۔ اس کے تھوڑے سے رقیق مادے کو سرنج میں لیا پھر ٹوتھ پیسٹ کا پیچ دار ڈھکن کھول کر زہر کو اس کے اندر انجکٹ کر دیا۔ اس کے بعد

پہلے کی طرح ڈھکن بند کرکے پیسٹ کو اس کے ڈبے میں رکھ کر اٹیچی میں وہ جہاں تھا وہیں اسے رکھ دیا۔ اٹیچی بند کردی پھر وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

ڈارک روم میں تصویروں کے خشک ہونے میں کافی وقت لگا۔ صفدر تین بجے کے بعد آیا پھر اسے دیکھ کر بولا۔ "میں جانتا تھا کہ تم ان تصویروں کے لئے جاگ رہی ہوگی۔ یہ تمہاری عادت ہے، جتنی اہم چیزیں ہوتی ہیں' انہیں تم اپنی تحویل میں رکھتی ہو۔"

"کیا میرے ایسا کرنے سے کبھی تمہیں نقصان پہنچا ہے؟"

"کیا یہ کم نقصان ہے کہ میں تمہارا غلام بن کر رہ گیا تھا۔"

اس نے کہا "تھا" کہا۔ یعنی اب وہ غلام نہیں رہا تھا۔ بغاوت کا اعلان کرچکا تھا۔ وہ بولی۔ "تم خود کو غلام سمجھتے رہے۔ جبکہ یہ بھی سمجھتے ہو کہ میں تمہاری وفادار ہوں اور صرف تمہاری بیوی بن کر رہنے کے لئے اس اندھے کو دھوکا دے رہی ہوں۔"

"واہ کیا خوب وفادار بیوی ہو کہ میری بہن کو اس اندھے کی داشتہ بنا دیا۔ ذرا یہ تصویریں دیکھو۔"

اس نے ایک لفافہ اس کے سامنے سینٹر ٹیبل پر پھینکا۔ مشتری نے لفافے سے چند تصویریں نکال کر دیکھیں پھر گم صم سی رہ گئی۔ ان تصاویر میں چاند بی بی پھولوں کی سیج پر دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اس کے روبرو ملک حیات شاہ بیٹھا اس کا گھونگھٹ سر تک اٹھا چکا تھا۔ دوسری تصویر میں وہ نابینا جسے بہت دھندلا سا نظر آتا تھا۔ ایک دوربین آنکھوں سے لگائے چاند بی بی کا چہرہ دیکھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ تیسری تصویر میں ایک بریف کیس کھول کر اسے پیش کر رہا تھا۔ بریف کیس کا آدھا حصہ بڑے نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایسی اور کچھ تصویر تھیں' جن سے ثابت ہوتا تھا کہ ملک حیات شاہ کی دلہن چاند بی بی ہے۔

مشتری کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھی۔ صفدر بخاری کہہ رہا تھا۔

"میں نے اپنی بہن کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ وہ کمرے کی ایک کھڑکی کھلی رکھے تاکہ میں اس کی اور نابینا دولہے کی تصاویر اتار کر یہ ثبوت رکھوں کہ اس نابینا رئیس کی دلہن میری بہن ہے۔ تو تم نے تو مجھے بے غیرت بنا ہی دیا تھا۔ بہن کے ساتھ اس اندھے کی

تصاویر اتارنے کی دوسری بے غیرتی مجھے کرنی پڑی۔"

وہ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "جب مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکوؤں نے مجھ پر مہربانی کی ہے اور تمہارے لاکر کا صفایا کردیا ہے' تب ہی سے میں نے چاند بی بی کو نیا سبق پڑھانا شروع کردیا تھا۔"

مشتری نے کہا۔ "میں کسی حد تک بازی ہار رہی ہوں مگر تم بھی جیت نہیں پاؤ گے۔ ہمارے آپس کے جھگڑے سے حقائق سامنے آئیں گے تو تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے بیوی کو بہن بنا کر ایک اندھے کو دھوکا کیوں دیا؟"

"بے شک تم تو گرفت میں آؤ گی ہی لیکن کئی پہلوؤں سے میرا اور چاند بی بی کا بھی محاسبہ ہوگا۔ ہم سب پھنسیں گے۔ ہمیں سزائیں ملیں گی اور ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔"

"ہوں' یہ عقل کی بات کہہ رہے ہو۔ اب بولو کیا چاہتے ہیں۔"

"تمہارے پاس جتنا مال ہے اور جتنا مال آئندہ حاصل ہونے والا ہے ان سب کے تین حصے ہوا کریں گے۔ اس پینتالیس لاکھ کی کوٹھی کے بھی تین حصے دار ہوں گے دو حصے میرے اور میری بہن کے ہوں گے اور تیسرا حصہ تمہارا ہوا کرے گا۔"

"معقول فیصلہ کر رہے ہو مجھے منظور ہے۔"

"منظور ہے تو پہلے مجھے اس بینک بیلنس میں سے حصہ دو جو کراچی میں ہے۔ میرے اندازے کے مطابق وہاں تمہارے پاس ستر یا اسی لاکھ روپے ہیں مجھے اور چاند بی بی کو کم از کم چالیس لاکھ دے دو۔ میں کل صبح کی فلائٹ سے جانے کی پہلے ہی تیاری کرچکا ہوں۔ تمہارا چیک لے جاؤں گا۔ وہاں کیش کراؤں گا۔ اپنا اکاؤنٹ کھول کر اس میں چالیس لاکھ جمع کراؤں گا پھر پرسوں تک واپس آجاؤں گا۔"

"تم آزاد ہوتے ہی بہت تیزی سے دوڑ رہے ہو۔ چالیس لاکھ بہت ہوتے ہیں' کچھ کم کرو۔"

"اگر تم اپنا صحیح بینک بیلنس بتادو تو میں اسی کے مطابق حصہ لوں گا ورنہ بحث نہ کرو۔ فوراً چیک لکھ دو۔ چار بج چکے ہیں۔ میری فلائٹ چھ بجے کی ہے میں ابھی جاؤں گا اور یہ اچھی طرح یاد رکھنا کہ میری عدم موجودگی میں چاند بی بی کو کوئی نقصان نہ

پہنچانا ورنہ ہم تو ڈوبیں گے صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔"

وہ شکست خوردہ انداز میں کرسی سے اٹھ کر الماری کے پاس آئی۔ وہاں سے ایک چیک بک نکالی پھر چالیس لاکھ کا چیک لکھ کر دستخط کر دیئے۔ وہ چیک لے کر بولا۔

"ہو سکتا ہے مینجر کو یہ چیک کیش کرنے پر کوئی اعتراض ہو لہٰذا تم دن کے ٹھیک گیارہ بجے بینک میں اسے فون پر کہہ دینا کہ وہ اسی بینک میں میرے نام کا اکاؤنٹ کھولے اور یہ چالیس لاکھ اس نئے اکاؤنٹ میں منتقل کرا دے۔"

"کیا تمہاری عدم موجودگی میں چاند بی بی میری ہدایات پر عمل کرے گی؟"

"ضرور کرے گی۔ ہم تینوں متحد رہیں گے تو عیش کرتے رہیں گے۔ وہ پانچ بجے تک دروازہ کھول کر باہر آئے گی اور سرونٹ کوارٹر میں چلی جائے گی۔ پلاننگ کے مطابق تم اس اندھے کے کمرے میں جاؤ گی۔"

وہ چیک لے کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔ اس نے دل میں کہا۔ "ٹوتھ پیسٹ کے اشتہارات میں ایسے ہی سفید چمکیلے دانت مسکراتے ہیں' جاؤ تمہاری زندگی کا آخری پیسٹ ہوگا۔"

وہ ٹھیک پانچ بجے دولہا دلہن کے دروازے پر آئی۔ دلہن دروازہ کھول کر باہر آ رہی تھی۔ مشتری نے سرگوشی میں پوچھا۔ "کیا وہ سو رہا ہے؟"

چاند بی بی نے ہاں کے انداز میں سرہلایا۔ مشتری نے پوچھا۔ "اسے کسی طرح کا شبہ تو نہیں ہوا؟"

چاند بی بی نے نہیں کے انداز میں سرہلایا' وہ بولی۔ "ٹھیک ہے تم کوارٹر میں جاؤ۔ میں کسی وقت آؤں گی۔ تم سے کچھ ضروری باتیں کروں گی۔"

وہ تابعداری سے سرجھکا کر کوارٹر میں آگئی۔ وہ بے چاری بچپن سے بے چاری تھی۔ شادی ہوتے ہی ماں باپ مر گئے۔ شوہر اسے کند ذہن اور پھوہڑ کہتا تھا۔ بھائی ہیرا پھیری کی زندگی گزارتا تھا۔ کبھی رقم کی ضرورت ہوتی تو بہن کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے آتا تھا اور ہزار دو ہزار مانگ کر لے جاتا تھا۔

اس دنیا میں وہ لوگ بے چارے ہوتے ہیں' جو چارہ جوئی کے طریقے نہیں جانتے۔ چاند بی بی کی عقل کام نہیں کرتی تھی کہ کس طرح دوسروں کی نظروں میں اپنا

ایک مقام بنائے۔ کس طرح شوہر کا دل جیتے اور بھائی کو کس طرح سمجھائے کہ وہ شوہر سے چھپا کر اسے رقمیں دیا کرتی ہے۔ اسے بہن کو کچھ دینا چاہئے' مانگنا نہیں چاہئے۔ وہ اس قدر احساس کمتری کا شکار تھی کہ شوہر اور بھائی سے ڈرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب شوہر کا انتقال ہوا تو بھائی اسے اپنے ساتھ لے گیا اور شوہر کے چھوڑے ہوئے ایک مکان اور پچاس ہزار نقد روپیہ پر قبضہ جما لیا اور مشتری نے اسے ملازمہ بنا کر رکھ لیا۔

اس کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا' وہ اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر برداشت کر لیتی تھی' پھر ایک دن بھائی اور بھابی نے اسے حکم دیا کہ وہ نکاح کے بغیر ایک اندھے کی بیوی بن کر رہے گی اور اس کا نام اب چاند بی بی نہیں مشتری بانو ہوگا۔ جب اسے بیوی بن کر کوٹھی میں جانے کے لئے کہا جائے گا تو وہ اس اندھے کے پاس جائے گی اور جب واپسی کا حکم دیا جائے گا تو وہ سرونٹ کوارٹر میں چلی جایا کرے گی۔

ایسے احکامات سن کر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ ایسی ڈرپوک تھی کہ بھائی اور بھابی کے سامنے انکار کی جرأت نہیں کر سکتی تھی مگر تنہائی میں سوچ کر روتی تھی کہ بھائی اتنا بے غیرت کیوں ہے! ایسا تو دلال کرتے ہیں۔ بھائی تو ایسا سوچتے بھی نہیں' ایسا کوئی وقت آئے تو بہن کے لئے جان پر کھیل جاتے ہیں۔

ایک شریف عورت اپنا مکان' اپنے زیورات دیتی ہے' اپنے شوہر کے چھوڑے ہوئے ہزاروں لاکھوں روپے بھی ظالموں کے حوالے کر دیتی ہے لیکن جب عزت دینے کی بات آتی ہے تو مقدر کی تحریر کھٹکنے لگتی ہے۔ وہ نہیں مانتی کہ آبرو مقدر سے لٹ جایا کرتی ہے۔ یہاں اسے عقل آتی ہے کہ ایسا چند انسانوں کی کمینگی سے ہوتا ہے۔ اسے مقدر کے آگے سرجھکانا چاہئے' بدمعاش کے آگے نہیں۔

وہ بزدل اور ڈرپوک عورت جو بھائی اور بھاوج کی آواز سن کر سہم جایا کرتی تھی وہ پرائی سیج پر آکر کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔ اس نے بھائی کے حکم کے مطابق ایک کھڑکی کھول دی تھی اور یہ دیکھ رہی تھی کہ وہ پانچ چھ تصویریں اتار کر چلا گیا ہے اور اندھے کو اس کی خبر نہیں ہوئی ہے۔ عجیب بے غیرتی تھی۔ شریف اور ایمان والے کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان کی دنیا میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بھائی اپنی بہن کو

پرائے مرد کے کمرے میں پہنچا کر اپنی بیوی کو وہاں سے لے جاتا ہے اور بعد میں اس پرائے مرد کے ساتھ اپنی بہن کی تصویریں بھی اتارتا ہے۔

جب وہ تصویریں اتار کر چلا گیا تو چاند بی بی نے بستر سے اتر کر کھڑکی کے پاس آکر اسے بند کر دیا۔ ملک حیات نے ابھی صرف گھونگھٹ اٹھایا تھا۔ اسے ایک بریف کیس میں ایک لاکھ روپے پیش کئے تھے اور کچھ جذباتی مکالمے ادا کر رہا تھا۔ تب ہی محسوس کیا کہ دلہن اٹھ کر چلی گئی ہے۔ اس نے پوچھا "مشتری! تم کہاں ہو؟"

وہ کھڑکی کی طرف سے واپس آکر بولی "میں یہاں ہوں۔"

اس نے آواز کی سمت ہاتھ بڑھا کر پوچھا "تم مجھ سے دور کیوں ہو گئی ہو؟"

"مجھے دور ہی رہنا چاہئے۔ آپ آنکھوں سے معذور ہیں۔ دھوکا کھا رہے ہیں اگر میں آپ سے نیکی کروں گی' آپ کو فریب سے بچاؤں گی تو خدا میری آبرو سلامت رکھے گا۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں۔"

"آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔ کیا میں آپ کی دلہن مشتری بانو ہوں؟"

وہ خلا میں تکتے ہوئے مسکرا کر بولا "شادی کی پہلی رات خوب مذاق کر رہی ہو آج کی رات میں دلہن مشتری بانو میرے پاس نہیں ہو گی تو کیا دوسری کوئی آجا- گی؟"

"دوسری کیوں نہیں آسکتی؟ کیا جگہ نہیں بدلتی؟ انسان نہیں بدلتے؟ کبھی ا خبر سننے میں بھی آئی کہ کسی ہسپتال میں نومولود بچے بدل دیئے گئے۔ آپ نے بھی شا سنا ہو گا۔

کیا عورت شوہر نہیں بدلتی؟ مرد اپنا مذہب اور خدا نہیں بدلتا؟

بعض غیرت مند ایسے ہوتے ہیں' جو ماں بدل دیتے ہیں مگر باپ نہیں بد- کیونکہ باپ بدلنے سے ماں کی گالی پڑتی ہے۔

لیکن بعض لوگ باپ کو گدھا سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور گدھا ہوتا ہے' ا- باپ بنا لیتے ہیں۔

ہماری دنیا کی ہر شے میں تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔ فطری تبدیلیاں قدر

کی طرف سے ہوتی ہیں اور شیطانی تبدیلیاں انسان کی طرف سے ہوا کرتی ہیں۔ کیا کوئی بے غیرت اپنی حسین و جمیل بیوی کو رشوت کے طور پر پیش کر کے پلازہ تعمیر کرانے کے لئے شہر کے قلب میں زمین الاٹ نہیں کراتا؟

کیا زمینوں کے جعلی کاغذات تیار کرا کے بینک سے کروڑوں روپے حاصل نہیں کئے جاتے۔ کیا ایک بے غیرت بڑی سے بڑی رقم حاصل کرنے کے لئے اپنی بیوی کو بہن نہیں کہہ سکتا؟ اور بہن کو ایک نابینا کے بستر پر نہیں بھیج سکتا؟"

وہ بولتے بولتے رونے لگی اور روتے روتے اپنی بدبخت زندگی کی روداد ابتدا سے اب تک بتانے لگی۔ وہ بے نور آنکھوں سے خلا میں تک رہا تھا اور کانوں سے سن رہا تھا پھر اس کی روداد ختم ہو گئی مگر آنسو ختم نہیں ہوئے۔ وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "آنسو پونچھ لو۔ میں نہیں دیکھ سکتا کہ تمہارا چہرہ چاند ہے یا نہیں مگر دل چاند کی طرح اجلا ہے۔ آج تمہاری داستان حیات سن کر عورت کی عظمت کا احساس ہوا۔ عورت ڈرتی ہے اور بزدلوں کی طرح مرتی ہے لیکن جب آبرو لٹنے کی بات آئے تو اس کی سلامتی کے لئے خوف و دہشت کے پل صراط سے بھی گزر جاتی ہے۔ آج تم نڈر اور بے باک ہو گئی ہو۔ ابھی میں نے ایک لاکھ روپے پیش کئے ہیں۔ تم بڑی دلیری سے یہ ایک لاکھ لے کر فرار ہو سکتی ہو یا میرے بستر پر آکر مجھے اپنا سرپرست اور ڈھال بنا کر بھائی اور بھاوج سے انتقام لے سکتی ہو لیکن تم انتقام نہیں چاہتیں' تم دولت نہیں چاہتیں' صرف آبرو کی سلامتی چاہتی ہو۔ میں تمہیں سلام کرتا ہوں۔"

اس نے ہاتھوں سے ٹٹول کر بریف کیس کے اندر سے ایک موبائل فون نکالا۔ وہ نابینا ہونے کے باوجود اسے آپریٹ کرتا آیا تھا۔ رابطہ قائم ہونے پر اس نے کہا۔ "مسٹر بھٹی! صبح ٹھیک پانچ بجے اس کوٹھی کی پچھلی گلی میں میری کار لے آؤ۔ ایک عورت کار کی پچھلی سیٹ پر آکر بیٹھے گی۔ اسے عزت و احترام کے ساتھ میری کوٹھی میں پہنچا دو اور گورنس کو تاکید کرو کہ اس عورت کے کھانے پینے اور آرام کرنے کا پورا خیال رکھے۔"

اس نے دوسری طرف سے جواب سن کر فون بند کر دیا پھر کہا "چاند بی بی! تم بھائی اور بھاوج کی پلاننگ کے مطابق اس کمرے سے صبح پانچ بجے نکلو اور کوارٹر میں

جاؤ۔ محتاط رہو کہ تمہارا بھائی تمہیں نہ دیکھے۔ تم ایک چادر میں چھپ کر پچھلی گلی میں جاؤ پھر وہاں جو کار کھڑی ہو اس کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔ وہ کار تمہیں ایک نئی اور آبرومندانہ زندگی کی طرف لے جائے گی۔"

اس نے آنسو بھری آنکھوں سے مشکور و ممنون ہو کر اسے دیکھا۔ وہ اس نابینا کو اچھی طرح نہیں جانتی تھی لیکن جرأت مندی سے ایک نیا قدم اٹھانے کے بعد کسی پر تو بھروسا کرنا ہی تھا۔ جو اندھے ہوتے ہیں وہ آنکھ والوں کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہیں۔ شاید وہ پہلی آنکھ والی تھی جو ایک اندھے کا سہارا لے کر انجانی منزل کی سمت جانے والی تھی۔

وہ صبح پانچ بجے کمرے سے باہر گئی۔ مشتری بانو اندر آگئی۔

وہ بستر پر آنکھیں بند کئے یوں پڑا تھا' جیسے گہری نیند میں ہو۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی بستر کے پاس آئی۔ اس کی نیند بتا رہی تھی کہ وہ تھک ہار کر سو رہا ہے لیکن اسے کوئی بات کھٹکنے لگی۔ اس عورت کے دماغ میں مکاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ آنکھوں نے پھولوں بھری سیج کو دیکھا۔ دماغ نے سوال کیا۔ "سیج کے پھول اور پتیاں تازہ کیوں ہیں؟ یہ سیج کسی جگہ سے مسلی ہوئی نہیں ہے' کیا چاند بی بی اسی بستر پر نہیں رہی تھی؟"

ملک حیات شاہ کان لگائے آہٹ سننے کی کوشش کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ کیا مشتری بانو کمرے میں آگئی ہے؟ اگر وہ آنکھ کھولے گا' تب بھی وہ نظر نہیں آئے گی۔ لہٰذا نیند کی حالت میں رہنا چاہئے۔ پانچ منٹ تک ہلکی سی آہٹ بھی سنائی نہیں دی۔ تجسس پیدا ہوا کہ وہ آئی بھی ہے یا نہیں؟ اور آچکی ہے تو بالکل خاموش کیوں ہے؟ اور کمرے میں کیا کر رہی ہے۔ وہ مجرمانہ ذہن رکھنے والی عورت پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے جیسے نیند میں کروٹ لی اور ایک ہاتھ دوسرے تکئے پر رکھا پھر اس ہاتھ سے تکیے کو اور بستر کے خالی حصے کو ٹٹولتے ہوئے بولا۔ "تم' تم کہاں ہو؟"

اسے بولنا پڑا۔ "میں یہاں ہوں۔ ذرا باتھ روم میں گئی تھی۔"

"آؤ' میرے پہلو میں لیٹ جاؤ۔"

وہ بستر کے سرے پر آکر بولی۔ "میں سوچ رہی ہوں۔ ساری رات گزر گئی۔ صبح ہو رہی ہے لیکن یہ پھول کی پتیاں بدستور ترو تازہ ہیں۔ کیا میرا کوئی وزن نہیں

ہے۔ اتنی ہلکی پھلکی سی ہوں کہ ان پتیوں کا کچھ نہیں بگڑا؟"

وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مشتری کو ایسی کوئی بات کھٹک سکتی ہے اس نے فوراً ہی بات بنائی اور اس سے پوچھا۔ "تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ جب میں نے گھونگھٹ اٹھایا اور ایک لاکھ روپے منہ دکھائی کے طور پر دیئے تو تم سیج پر سے اٹھ کر چلی گئیں۔ میں تمہاری منتیں اور خوشامدیں کرنے لگا کہ سہاگ کی سیج پر آؤ۔ مجھے اپنا ہاتھ پکڑنے دو مگر جانتی ہو تم نے کیا کہا تھا؟"

وہ مشکل میں پڑ گئی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ چاند بی بی نے کیا کہا ہو گا۔ ملک حیات شاہ نے خود ہی کہا۔ "تم نے کہا تھا کہ تم کئی بار مختلف نجومیوں کو ہاتھ دکھا چکی ہو۔ ہر نجومی نے یہی کہا ہے کہ سہاگ کی پہلی رات کو شوہر سے دور رہو۔ اسے ہاتھ بھی پکڑنے دو گی تو اس کی عمر مختصر ہو جائے گی۔ وہ مر جائے گا۔ تم بیوہ ہو جاؤ گی۔"

مشتری نے جلدی سے ہاں کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ہاں' ہاں میں نے ایسا کہا تھا۔"

وہ بولا۔ "سہاگ رات عورت کے لئے بہت اہم ہوتی ہے لیکن تم نے میری سلامتی کے لئے' میری عمر بڑھانے کے لئے اپنے جذبات کو کچل دیا ہے۔ تم پہلی ملاقات سے اپنی بے انتہا محبت کے ثبوت بار بار پیش کرتی آرہی ہو۔"

وہ باتوں کے دوران پلنگ پر' پھر پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ کمرے میں ہر طرف نظریں دوڑا رہی تھی۔ صفدر نے جو تصویریں اتاری تھیں' ان میں سے ایک تصویر مشتری کو بتا چکی تھی کہ اس اندھے دولہے نے چاند بی بی کو ایک بریف کیس پیش کیا ہے' جس میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔ اب وہ بریف کیس نظر نہیں آرہا تھا۔

وہ ایک الماری کے پاس آئی۔ اسے کھول کر دیکھا۔ اندر ایک کھلا ہوا بریف کیس رکھا ہوا تھا مگر وہ خالی تھا۔ اس میں ایک بھی بڑا یا چھوٹا نوٹ نہیں تھا۔ اس نے پلٹ کر پوچھا۔ "بریف کیس میں کافی رقم تھی' مگر یہ خالی ہے؟"

وہ بولا۔ "تم کافی رقم کہہ رہی ہو۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں' پورے ایک لاکھ روپے منہ دکھائی کے طور پر تمہیں دیئے مگر دوربین سے دیکھنے کے باوجود تمہاری

صورت واضح طور سے نظر نہیں آئی۔"

مشتری کے تیور بدل گئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ چاند بی بی اپنے بھائی کی طرح چالاکی دکھا رہی ہے۔ وہ چالیس لاکھ کا چیک بے موت مرنے کے لئے لے گیا ہے۔ اس کی بہن یہاں خالی بریف کیس چھوڑ کر اپنے لباس میں ایک لاکھ روپے چھپا کر لے گئی ہے۔ میں اس کے بھائی کی طرح اسے بھی رقم کا ایک تنکا حاصل کرنے نہیں دوں گی۔

اس نے پوچھا۔ "تم خاموش کیوں ہو؟ کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ بولی۔ "مجھے یہاں گھٹن کا احساس ہو رہا ہے۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھولا تھا پھر باتھ روم میں گئی تھی۔ واپس آکر دیکھ رہی ہوں کہ بریف کیس خالی ہے۔ کوئی یہاں سے ایک لاکھ روپے لے گیا ہے۔"

"تعجب ہے' کون لے جا سکتا ہے؟ جیسا کہ تم نے بتایا ہے اتنی بڑی کوٹھی میں صرف تمہارا ایک صفدر بھائی ہے۔"

"وہ تو ایک ضروری کام سے کراچی چلے گئے ہیں۔"

"تم میرے پاس ہو پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ بھائی کراچی گیا ہے؟"

"وہ' وہ انہوں نے کل شام ہی کو مجھے بتا دیا تھا کہ وہ اب بہن کے گھر میں نہیں رہیں گے' ہمیشہ کے لئے کراچی جا کر رہیں گے۔"

"واقعی تمہارا بھائی بڑا غیرت مند ہے۔ بہن کی سسرال کا پانی بھی پینے نہیں آئے گا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ رات کو یہاں سے جاتے وقت کوٹھی کا دروازہ کھلا چھوڑ گیا ہو اور یہاں کسی چور کو آنے کا موقع مل گیا ہو؟"

"میں ابھی جا کر دروازے کو چیک کر کے آتی ہوں۔"

وہ کمرے سے چلی گئی۔ ملک حیات شاہ تمام رات جاگتا رہا تھا لیکن ایک لالچی اور فریبی عورت کے گھر میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے فون کے ذریعے ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی سے کہا۔ "میں پھر تمہیں زحمت دے رہا ہوں۔ ابھی گاڑی لے کر آؤ اور مشتری بانو کے سامنے کسی اہم معاملے سے نمٹنے کا حوالہ دے کر مجھے یہاں سے لے جاؤ۔"

مشتری کوٹھی کے پچھلے دروازے سے نکل کر سرونٹ کوارٹر میں آئی۔ اس کوارٹر کا دروازہ کھلا تھا۔ جہاں چاند بی بی کو چھپا کر رکھا جاتا تھا۔ وہ چاند بی بی کو آواز دیتی ہوئی اندر آئی۔ سرونٹ کوارٹر خالی تھا۔ وہاں چھپا کر رکھی جانے والی محکوم عورت غائب تھی۔ اس نے کوارٹر کے آس پاس اور کوٹھی کے پورے احاطے میں دیکھا۔ وہ کہیں دکھائی نہیں دی۔ صاف سمجھ میں آگیا کہ وہ ایک لاکھ روپے لے کر فرار ہو گئی ہے۔

وہ فکر میں مبتلا ہو گئی کہ چاند بی بی ایک بزدل اور بے وقوف عورت ہے اگر پولیس والوں کے ہتھے چڑھ گئی تو ان کی ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا کر بھائی اور بھاوج کا کچا چٹھا بیان کرے گی۔ مصائب اسی طرح گھر کا راستہ دیکھتے ہیں۔ صفدر ایک مصیبت بننا چاہتا تھا' اس نے ٹوتھ پیسٹ کے ذریعے اس مصیبت کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا انتظام کر دیا تھا۔ چاند بی بی جیسی مصیبت کو بھی دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکتی مگر اس سے پہلے ہی وہ ایک بڑی رقم لے کر بھاگ گئی تھی۔

وہ شکست خوردہ انداز میں کوٹھی کے اندر آئی۔ ملک حیات شاہ دلہن کی طرح سجے ہوئے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ آہٹ سن کر بولا۔ "کیا تم ہو؟"

"ہاں۔ وہ کوٹھی کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کوئی اندر آیا ہو گا اور وہ ایک لاکھ لے گیا ہو گا۔"

"تمہاری آواز میں تھکن اور شکست خوردگی ہے۔ کیوں ایک لاکھ کا غم کرتی ہو مجھ جیسے کروڑ پتی کی بیوی ہو۔ میں ایسے کئی لاکھ تم پر نچھاور کر سکتا ہوں۔ جو ہوا اسے بھول کر سو جاؤ۔"

اسی وقت کال بیل کی آواز سنائی دی' وہ بولا۔ "یہ اتنی صبح کون آیا ہے؟"

"میں دیکھ کر آتی ہوں۔" مشتری تیز قدموں سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل کر کوٹھی کے سامنے والے دروازے کی طرف جانے لگی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ چاند بی بی کہیں جا کر ایک لاکھ روپے چھپا کر واپس آئی ہے۔

اس نے دروازہ کھولا تو وہ نہیں تھی۔ ایڈووکیٹ حمید اختر بھٹی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سلام کرنے کے بعد کہا۔ "اسلام آباد سے جناب شاہ صاحب کو کال کیا گیا ہے۔"

بہت اہم معاملہ ہے۔ انہیں ابھی جانا ہوگا۔"

مشتری بانو نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ چاہتی تھی' کسی طرح وہ نابینا دو چار گھنٹے کے لئے ٹل جائے تاکہ وہ بدلتے ہوئے مخالف حالات پر قابو پاسکے۔ اس کے اسلام آباد جانے کا مطلب یہ تھا کہ اس سے کم از کم چوبیس گھنٹوں کے لئے نجات مل جائے گی' پھر وہ چاندنی بی کو کہیں سے ڈھونڈ نکالنے کی تدبیر کرسکے گی۔

ملک حیات شاہ اپنے قانونی مشیر کے ساتھ کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ مشتری نے کوٹھی کے دروازے کو اندر سے بند کیا پھر ڈرائنگ روم میں آکر گھڑی دیکھی۔ صبح کے سات بجنے والے تھے۔ صفدر ساڑھے سات بجے تک کراچی پہنچنے والا تھا۔ وہ فون کے ذریعے اس سے پوچھنا چاہتی تھی' کہ اس کی بہن اس کے کسی منصوبے کے مطابق ایک لاکھ روپے لے کر گئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اسے حقیقت بتائی جائے تاکہ اطمینان ہو کہ چاندنی بی کسی پولیس والے کی بدمعاشی کے ہتھے نہیں چڑھے گی۔

اس نے آٹھ بجے فون کیا تو فون کی گھنٹی بجتی رہی۔ کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ ساڑھے آٹھ بجے بھی فون کرنے پر ناکامی ہوئی۔ پونے نو بجے موبائل فون پر اشارہ موصول ہوا۔ اس نے بٹن آن کیا تو صفدر کی آواز سنائی دی' وہ بولی۔ "تم کہاں تھے؟ میں کئی بار فون کرچکی ہوں۔ کیا تم اپنی بہن کو ساتھ لے گئے ہو؟"

اس نے پوچھا۔ "اس سوال کا مطلب کیا ہوا؟ کیا چاندنی بی کوٹھی میں یا کوارٹر میں نہیں ہے؟"

"نہیں ہے' اس نابینا نے اسے ایک لاکھ روپے منہ دکھائی کے طور پر دیئے تھے۔ وہ ایک لاکھ روپے لے کر کہیں چلی گئی ہے۔"

"مجھ سے کوئی چال نہ چلو مشتری! ورنہ تمہارے حق میں برا ہوگا۔ وہ بے وقوف اور بزدل ہے۔ کبھی ایک لاکھ روپے لے کر بھاگنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ اگر تم نے اسے راستے سے ہٹایا ہوگا تو........"

وہ بات کاٹ کر بولی۔ "تم بکواس کئے جارہے ہو' عقل سے نہیں سوچتے کہ وہ آئندہ بھی ہمارے کتنے کام آنے والی تھی۔ میں کوئی کچا کھیل نہیں کھیلتی۔ میں نے تم سے سمجھوتہ کیا ہے اس لئے چالیس لاکھ کا چیک دیا ہے۔ میری بات کا یقین کرو۔ وہ

یہاں سے بھاگ گئی ہے اور اب ہم دونوں کے لئے مصیبت بننے والی ہے۔"

"میں فی الحال تم سے بحث یا جھگڑا نہیں کروں گا کیونکہ چالیس لاکھ کا چیک کیش کرانا ہے اور اس کے لئے ابھی تم بینک مینجر کو فون کروگی۔"

"بینک جانے سے پہلے منہ ہاتھ دھو کر حلیہ درست کرو۔ کل رات سے جاگ رہے ہو۔ جس دن برش نہیں کرتے ہو' تمہارے منہ سے بو آتی ہے۔"

"میں شیو کرچکا ہوں اور برش کرنے جارہا ہوں۔ اتنی عقل مجھ میں بھی ہے کہ لاکھوں روپے حاصل کرنے کے لئے اسمارٹ بن کر جانا چاہئے۔"

"تم فون بند نہ کرنا۔ مسلسل رابطہ رہنے دو۔ وہ نابینا کسی ضروری کام سے اسلام آباد چلا گیا ہے۔ میں یہاں تنہا آزادی سے گفتگو کررہی ہوں۔"

اس بار صفدر کی آواز ایسی آئی جیسے منہ میں کچھ رکھ کر بول رہا ہو۔ مشتری نے پوچھا۔ "کیا برش کررہے ہو؟"

"ہاں۔ آں۔ اوں.......... آہ' آہ.........." نلکے سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ پھر ایک بار کلی کرنے کی آواز سنائی دی۔ "بچاؤ' م' مجھے کچھ ہاہا.........ہاہا۔" وہ ہانپ رہا تھا اور کہہ رہا تھا۔ "مشتری مجھے بچاؤ.........."

وہ بولی۔ "بچنا چاہتے ہو تو دوڑتے ہوئے کوٹھی کے باہر آجاؤ۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ گے تو وہ دیر سے پہنچے گا۔ کسی سے لفٹ لے کر قریبی ہسپتال میں جاؤ۔"

گرنے پڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ان سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کوٹھی کے باہر جارہا ہے اور لڑکھڑا رہا ہے۔ مشتری نے کہا۔ "گرتے رہو اور دوڑتے رہو۔ تمہاری سانس رک رک کر آرہی ہوگی۔ ایسے وقت بتاؤ۔ تمہیں چالیس لاکھ روپے زندہ رکھیں گے یا چالیس لاکھ سانسیں زندگی دیں گی؟!"

اس کے حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ کچھ بولنا چاہتا تھا مگر بول نہیں پارہا تھا۔ مشتری نے کہا۔ "تم یقیناً اب دولت کی نہیں صرف سانسوں کی تمنا کررہے ہوگے مگر افسوس میں تمہیں چالیس لاکھ کا ایک اور چیک دے سکتی ہوں مگر ایک سانس اور نہیں دے سکتی کیونکہ ٹوتھ پیسٹ کے ذریعے ہی میں تمہاری سانسوں کا خاتمہ کررہی ہوں۔"

پتا نہیں' اس کا کیا حال ہو رہا ہو گا؟ وہ بولنے کے قابل نہیں رہا ہو گا؟ اس لئے فون پر خاموشی تھی۔ کہیں قریب سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آئی پھر دور سے کسی گزرنے والی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کوٹھی کے باہر آ کر کہیں گر پڑا ہے اور اب کبھی اٹھنے کے قابل نہیں رہا ہے۔

مشتری بڑی دیر تک فون کو آن رکھے اسے کان سے لگائے کچھ نہ کچھ سننے کا انتظار کرتی رہی' پھر کچھ لوگوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں' پھر کسی نے کہا۔ "ارے یہ تو مر چکا ہے!"

دوسری آواز آئی۔ "اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا ہے۔ یہ اسی حالت میں کوٹھی کے اندر سے آیا ہے۔"

پھر کسی نے بلند آواز سے پوچھا۔ "ارے کوٹھی کے اندر کوئی ہے اندر جو بھی ہے وہ باہر آئے۔"

ایک آواز آئی۔ "اس کے پاس موبائل فون پڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے' یہ آن ہے اور مرنے والا ابھی کسی سے باتیں کر رہا تھا۔"

مشتری نے اپنا فون بند کر دیا۔ خس کم جہاں پاک۔ بیسواں سیارچہ بھی فنا ہو گیا تھا۔ اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ پچھلی تمام رات جاگتی رہی تھی۔ اب اسے سونا چاہئے تھا مگر اچانک غائب ہونے والی چاند بی بی اس کی نیند اڑا رہی تھی۔

پھر کال بیل کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ صوفے سے اٹھ کر دروازے کے پاس آئی۔ دوسری بار کال بیل کی آواز آئی۔ اس نے پوچھا۔ "کون ہے؟"

باہر سے ایک خاتون کی آواز سنائی دی۔ "آپ دروازہ کھولیں تو ایک دوسرے سے تعارف ہو گا۔"

اس نے دروازہ کھولا۔ خاتون نے کہا۔ "میرا نام بلقیس ہے۔ یہ میرے شوہر اسلم جہانگیر ہیں اور اس کوٹھی کے مالک ہیں۔ آپ فرمائیں کہ آپ ہماری کوٹھی میں کیسے گھس آئی ہیں؟"

وہ اندر آ گئے۔ مشتری نے کہا۔ "پلیز باہر جائیں۔ یہ میری کوٹھی ہے۔ میں نے پینتالیس لاکھ روپے میں اسے خریدا ہے۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے پھر اسلم جہانگیر نے کہا۔ "کمال ہے۔ پچاسی لاکھ روپے کی کوٹھی تم نے پینتالیس میں خرید لی۔ میں نے کھڑکیاں کھلی دیکھیں' تب ہی سمجھ گیا تھا کہ میری کوٹھی میں گھس آنے والا کوئی زبردست چالباز ہو گا۔ اس لئے میں پولیس والوں کو ساتھ لایا ہوں۔"

اس نے دروازے کے پاس جا کر کہا۔ "آپ لوگ تشریف لے آئیں۔"

چند لمحوں میں ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ اندر آیا۔ بلقیس نامی خاتون نے انسپکٹر سے کہا۔ "یہ فرما رہی ہے کہ ہماری کوٹھی پینتالیس لاکھ میں خریدی ہے۔ آپ ذرا اپنے طریقے سے سچائی معلوم کریں۔"

انسپکٹر نے مشتری سے پوچھا۔ "کیوں بی بی؟ اکیلی ہو یا تمہارا کوئی یار بھی ہے؟"

وہ ناگواری سے بولی۔ "یہ آپ کیسی زبان استعمال کر رہے ہیں۔"

"یہ ہم پولیس والوں کی زبان ہے۔ اسے سنو اور ہاتھ دکھانے کا موقع نہ دو۔ کیا تمہارے پاس اس کوٹھی کے قانونی کاغذات ہیں؟"

"جی ہاں' آپ تشریف رکھیں میں ابھی لاتی ہوں۔"

وہ وہاں سے ایک کمرے میں آئی۔ الماری کو کھول کر خریداری کے کاغذات کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں نکالیں پھر انہیں ڈرائنگ روم میں لا کر انسپکٹر کو دکھایا۔ اس نے دیکھنے کے بعد کہا۔ "تم نے سرفراز اسٹیٹ ایجنسی کے ذریعے یہ کوٹھی خریدی ہے۔ ایجنسی کا پتا یہیں لبرٹی مارکیٹ کا ہے اور کوٹھی فروخت کرنے والے کا پتا بھی گلبرگ کا ہی ہے۔ بہتر ہے' پہلے ہم سب ایجنسی چلیں۔"

وہ سب باہر آ گئے۔ انسپکٹر نے مشتری سے کہا۔ "بڑی بڑی سیاسی شخصیتیں اسلم جہانگیر صاحب کو یہاں سے اسلام آباد تک جانتی ہیں اور تم لاوارث ہو۔ نہ تمہارے ساتھ کوئی مرد ہے نہ کوئی دوسری عورت۔"

"میں یہاں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہوں۔ کل ہی ہماری شادی ہوئی ہے۔ وہ ابھی صبح ایک ضروری کام سے اسلام آباد گئے ہیں۔"

"دولہا بھی خوب ہے۔ شادی کی پہلی صبح اتنی بڑی کوٹھی میں دلہن کو چھوڑ گیا۔ ابھی تمہارا فراڈ ثابت ہو جائے گا۔ پولیس کی گاڑی میں بیٹھو۔"

بلقیس نے کہا۔ "اس کا معصوم چہرہ بتا رہا ہے کہ یہ فراڈ نہیں ہے۔ اسے مجرموں کی طرح اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ یہ ہماری گاڑی میں جائے گی۔"

وہ بلقیس اور اسلم جہانگیر کے ساتھ ان کی کار میں بیٹھ گئی۔ بلقیس نے راستے میں پوچھا۔ "تم لاہور کی رہنے والی ہو؟"

"نہیں' چھ دن پہلے کراچی سے آئی ہوں۔ میرے شوہر کا نام ملک حیات شاہ ہے۔ انہوں نے مجھے وہ کوٹھی خرید کر دی ہے اور میرے سامنے کوٹھی بیچنے والے شخص کو رقم ادا کی ہے۔"

"پھر تو تم کسی لمبے چکر میں پڑ گئی ہو۔ ابھی تمہارے سامنے فراڈ کھل جائے گا۔"

وہ لبرٹی مارکیٹ پہنچے۔ جہاں پانچ چھ دن پہلے سرفراز اسٹیٹ ایجنسی کا دفتر تھا وہاں ویرانی تھی۔ سائن بورڈ نہیں تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ پڑوس کے دکانداروں نے بتایا۔ دو ہفتے پہلے ایجنسی کا ایک دفتر کھولا گیا تھا پھر پرسوں دفتر والے یہ جگہ خالی کر کے چلے گئے۔ پھر وہ کوٹھی فروخت کرنے والے شخص کا پتا پوچھنے لگے۔ معلوم ہوا کہ گلبرگ میں ایف بارہ ہزار دو سو نمبر کی کوئی کوٹھی نہیں ہے۔ بلکہ جتنی کوٹھیاں ہیں' ان کی تعداد بارہ ہزار تک نہیں پہنچتی ہے۔ حروف تہجی کے مطابق کوٹھیوں کے نمبر ہزار تک ہوتے ہیں' پھر نئے حروف سے نئے نمبر شروع کیے جاتے ہیں۔

مشتری کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ کوٹھی کے اصل مالکان کے ساتھ کار میں بیٹھ کر واپس آئی۔ انسپکٹر نے اسلم جہانگیر سے پوچھا۔ "کیا آپ اس چالباز عورت کے خلاف ایف آئی آر درج کرائیں گے؟"

اس نے کہا۔ "اصولاً درج کرانا چاہیے تاکہ مشتری بانو کے پاس خریداری کے جو کاغذات ہیں ان کے ذریعے ہی ہمیں چیلنج نہ کر سکے لیکن یہ فی الوقت بالکل تنہا ہے۔ میں اسے موقع دینا چاہتا ہوں کہ یہ اپنے شوہر کو جلد سے جلد یہاں بلائے۔"

"جہانگیر صاحب اس کا کوئی شوہر ہوگا تو وہ آئے گا۔ آپ بہت رحم دل ہیں۔ یہ آپ کے گھر میں گھس آئی ہے اور آپ اس پر کیس نہیں بنا رہے ہیں۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مجھ سے بحث نہ کرو۔ یہ میرا معاملہ ہے۔ میں نمٹ لوں گا' تم جاؤ۔"

انسپکٹر اپنے سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا۔ اسلم جہانگیر نے جس انداز میں انسپکٹر سے گفتگو کی تھی اور وہ جس طرح چپ چاپ سر جھکا کر چلا گیا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جہانگیر بڑے اثر و رسوخ کا مالک ہے۔ اس کے ڈرائیور اور ملازم کار سے سامان اٹھا کر کوٹھی کے اندر لا رہے تھے' بلقیس نے کہا۔ "میرے میاں نے تمہیں پولیس کے ہاتھوں میں جانے نہیں دیا۔ تم حسین اور پُرکشش ہو۔ حوالات میں تمہارے حسن و شباب کی دھجیاں اڑا دی جاتیں۔ اب بتاؤ تمہاری اصلیت کیا ہے؟ بہتر ہے ہم سے کچھ نہ چھپاؤ۔"

وہ بولی۔ "میں ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میری شرافت سے متاثر ہو کر ایک نابینا رئیس ملک حیات شاہ نے مجھ سے شادی کی فرمائش کی۔ ہم نے کل ہی کورٹ میرج کی ہے۔"

بلقیس نے پوچھا۔ "کیا یہ تمہاری پہلی شادی ہے؟"

وہ اس سوال پر چونکی پھر سنبھل کر بولی۔ "آں؟ ہاں۔ بالکل پہلی شادی ہے۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اسلم جہانگیر نے ریسیور اٹھا کر سنا پھر کہا۔ "ہاں' میں نے ی کہا تھا کہ مشتری کے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔"

مشتری بانو سوالیہ نظروں سے فون کی طرف دیکھنے لگی۔ جہانگیر کہہ رہا تھا۔ 'ہاں' آج پندرہ جون ہے۔ ایک ماہ بعد سولہ جولائی کو اکیس سیارچے مشتری سے ٹکرائیں گے۔"

مشتری بانو نے اطمینان کی سانس لی کہ وہ سیارہ مشتری کے بارے میں باتیں کر ہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں باتیں کرنے والے نے چونک کر پوچھا۔ "کیا واقعی؟ کیا نت سے پہلے ہی اس سے بیس سیارچے ٹکرا چکے ہیں؟ اور اب اکیسواں سیارچہ اس ے ٹکرا رہا ہے۔ بھئی تم سائنس دانوں کی رپورٹ کے خلاف بول رہے ہو۔ مجھے صحیح ت بتاؤ' اچھا' ہاں۔ کیا بیسواں سیارچہ اس سے چار برس تک ٹکراتا رہا۔"

مشتری کو صفدر یاد آگیا۔ اس نے چار برس تک اس کے ساتھ ازدواجی زندگی

گزاری تھی۔ اسلم جہانگیر نے ریسیور رکھ کر کہا۔ "لعنت ہے لائن کٹ گئی۔ اچھی دلچسپ معلومات حاصل ہو رہی تھیں۔"

بلقیس نے کہا۔ "مشتری بانو! ہمیں اپنا سمجھو اور جو سچ ہے' وہ بولو۔ کیا یہ تمہاری پہلی شادی ہے۔ اس نابینا شوہر سے پہلے کوئی اور تمہاری زندگی میں نہیں آیا تھا؟"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔ "ہا۔ ہاں۔ آ۔ آیا تھا مگر میں سہاگن نہیں رہ سکی۔ چار' چار دن بعد۔"

جہانگیر نے لقمہ دیا۔ "چار سال بعد........"

وہ الجھ کر بولی۔ "چار سال بعد میں بیوہ ہو گئی۔"

"وہ پہلا شوہر کیا کرتا تھا؟"

"فوٹو گرافر تھا۔ ایک سیدھی سادی زندگی گزارتا تھا۔"

فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اسلم جہانگیر نے ریسیور اٹھا کر کہا۔ "ہیلو۔ ہاں۔ ہاں لائن کٹ گئی تھی۔ تم بیسویں سیارچے کے متعلق کچھ کہہ رہے تھے۔ ہاں' ہوں۔ ہوں۔ اچھا تو وہ قاتل سیارچہ تھا۔ مشتری کی طرف آنے والے دوسرے سیارچوں کو نیست و نابود کر دیتا تھا۔"

مشتری بانو فون پر ہونے والی باتیں سن کر الجھنے لگی۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ سیارہ مشتری کی رپورٹ اس کی اپنی داستان حیات سے مماثلت اختیار کر رہی تھی۔

بلقیس نے پوچھا۔ "ہاں تو تم کہہ رہی تھی کہ وہ سیدھا سادہ سا تھا۔ اس کا انتقال کب ہوا تھا؟"

"یہ کوئی ایک برس پہلے وہ مجھے بھری دنیا میں تنہا چھوڑ گیا۔"

اسلم جہانگیر نے فون پر ڈانٹ کر کہا۔ "یہ جھوٹ ہے۔"

مشتری ایک دم سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ جیسے جھوٹ پکڑا گیا ہو۔ اسلم جہانگیر کی نظریں مشتری پر تھیں' لیکن وہ فون پر بول رہا تھا۔ "غلط بیانی سے کام نہ لو۔"

مشتری نے پوچھا۔ "آپ کیا سمجھتے ہیں۔ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

جہانگیر نے ریسیور کے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں تم سے نہیں' اس رپورٹر سے بول رہا ہوں جو دوسری طرف سے بول رہا ہے۔"

مشتری کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے "سوری" کہا۔ بلقیس نے کہا۔ "تم فون کی طرف توجہ نہ دو۔ مجھ سے باتیں کرو۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ ایک برس پہلے تم بیوہ ہو گئی تھیں۔"

جہانگیر نے کہا۔ "نہیں میں یقین نہیں کر سکتا۔ ہوں' ہوں' ٹھیک ہے بولو' میں سن رہا ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک سنتا رہا۔ پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر اپنی بیوی سے بولا۔ "بلقیس! کیا تم یقین کرو گی کہ جو بیسواں سیارچہ چار برس تک مشتری سے ٹکراتا رہا۔ وہ آج ساڑھے نو اور دس بجے کے درمیان ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گیا ہے اور وہ کراچی شہر کی ایک کوٹھی کے لان میں آ کر گرا ہے۔ کچھ لوگ اس ملبے کو اٹھا کر معائنے کے لئے ہسپتال لے گئے ہیں۔"

مشتری جیسے پاگل سی ہو گئی۔ ایک دم سے چیخ مارتی ہوئی صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ آپ لوگ کس مشتری کی باتیں کر رہے ہیں؟ کیا یہ بچکانہ بات نہیں ہے کہ سیارہ مشتری سے ٹکرانے والا کوئی سیارچہ تباہ ہو کر کراچی شہر میں آ کر کوٹھی کے لان میں گرے گا؟"

وہ بولا۔ "یہ بچکانہ بات نہیں ہے۔ ابھی مجھے فون پر بتایا گیا ہے کہ اس کوٹھی کا نمبر B-25 ہے۔"

وہ کھڑی ہوئی تھی۔ کٹے ہوئے شہتیر کی طرح صوفے پر گر پڑی۔ یہ اس کی کراچی والی اپنی کوٹھی کا نمبر تھا۔ وہ حواس باختہ سی ہو کر دیدے پھیلائے کبھی بلقیس اور کبھی اسلم جہانگیر کو دیکھ رہی تھیں۔ بلقیس نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ اپنی اصلیت نہ چھپاؤ۔ ہم پولیس والے نہیں ہیں۔ بلکہ ایسے معزز مجرم ہیں جو تمہاری جیسی واردات کرنے والی عورت کو پولیس اور قانون کی گرفت سے بچاتے ہیں۔"

جہانگیر نے کہا۔ "میں وہی ناکام سیاست داں ہوں' جس کا ذکر نابینا شاہ نے تم سے کیا تھا۔ میں نے نوکر شاہی سے گٹھ جوڑ کر کے اپنی سیاسی ناکامی کو کامیابی میں بدل دیا

ہے۔ تم نے خود بینک میں جا کر دیکھا تھا کہ اس نابینا کو کتنی آسانی سے تین کروڑ کا چیک مل گیا تھا۔ زمینوں کے جعلی کاغذات تیار کرنا' جعلی اسٹیٹ ایجنسی قائم کر کے تمہاری جیسی عورتوں کو دو چار دنوں کے لئے ایسی شاندار کوٹھی کی مالکہ بنا دینا اور تمہاری جیسی مضبوط اعصاب والی عورتوں کو نیم پاگل بنا دینا ہمارے دلچسپ منافع بخش مشاغل ہیں۔"

"ہاں' ابھی میں پاگل سی ہو گئی تھی۔ تم لوگ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہو؟"

"ہمیں تمہاری جیسی زبردست واردات کرنے والی حسین عورتوں کی ضرورت ہے۔ ہم تمہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں گے اور تم راضی خوشی ہمارے لئے کام کرتی رہو گی۔"

"تم لوگوں کو یہ خوش فہمی کیوں ہے؟"

بلقیس نے اپنا پرس کھول کر ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ پھر اس کے پاس آ کر ایک صوفے پر بیٹھ کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اسے کھول کر پڑھو۔"

اس نے کاغذ کو کھولا تو آنکھیں کھلی رہ گئیں' وہ صفدر بخاری کی تحریر تھی۔ اس نے مشتری کو یہ لکھ کر دیا تھا کہ اس نے یعقوب کو قتل کر کے جو پانچ لاکھ حاصل کئے ہیں' وہ رقم مشتری بانو کے پاس رکھوائی ہے۔

بلقیس نے پرس میں سے دوسرا کاغذ نکال کر دیا پھر تیسرا' پھر چوتھا پھر پانچواں کاغذ نکال کر اسے دیتی رہی۔ ان تمام کاغذات پر اس کے مختلف عاشقوں نے لکھا تھا کہ وہ کس طرح مشتری سے شادی کرنے کے لئے اور اس کے مطلوبہ پانچ لاکھ روپے ادا کرنے کے لئے کیسی کیسی وارداتیں کر رہے ہیں۔ ان تمام تحریروں سے ثابت ہوتا تھا کہ مشتری بانو بیس عدد عاشق سیارچوں کے تمام جرائم میں برابر کی شریک رہی ہے۔

بلقیس ان تمام تحریروں کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں دکھا رہی تھی۔ جہانگیر کہہ رہا تھا۔ "ہمارے گروہ میں دو شعبے ہیں۔ ایک شعبے کے افراد بینکوں کے اندر رہ کر نوکر شاہی افسران کے تعاون سے خزانہ خالی کرتے رہتے ہیں۔ دوسرے شعبے میں وہ ڈاکو ہیں جو باہر سے آ کر بینکوں کو لوٹتے ہیں۔ ہم نے انہیں سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ تمہارے لاکر

پر ضرور ہاتھ صاف کریں اور انہوں نے ہاتھوں کی صفائی دکھائی۔ اب بولو ہمارے لئے کام کرو گی یا ساری عمر جیل میں گزارو گی؟"

وہ شکست خوردہ انداز میں بولی۔ "تمہارا گروہ میرے مزاج کے مطابق ہے میں کام کروں گی۔"

"تو پھر آج رات کی فلائٹ میں تمہاری سیٹ بک ہو جائے گی۔ تم کراچی جاؤ گی اور تمہارے اکاؤنٹ میں جتنی رقم ہے' اسے ہمارے بتائے ہوئے بینک اکاؤنٹ میں منتقل کر دو گی۔"

"یہ تو ظلم ہے۔ میں بالکل ہی کنگال ہو جاؤں گی۔"

"ہم اپنے گروہ میں کسی کو بھی ایک لاکھ روپے سے زیادہ رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔"

"تم ایسا کیوں کرتے ہو؟"

"اس لئے کہ دنیا کی سب سے خطرناک چیز "کشش" ہے۔ تمہارے پاس کئی لاکھ روپے کی کشش تھی۔ تم نے 20 سیارچوں کی اپنی کشش میں لا کر مار ڈالا ہے۔"

"میں نے کسی کو ہلاک نہیں کیا۔ ان سب کو صفدر بخاری نے ہلاک کیا تھا؟"

"تمہاری شہ پر کیا تھا۔ تمہارے حسن و شباب نے اور تمہاری دولت نے اسے بھڑکایا تھا۔ اگر تمہارے اندر بھڑکانے والا اور ترغیب دینے والا مادہ نہ ہوتا تو وہ ایسا نہ کرتا۔ اس لئے وہ مادہ ہم تمہارے اندر سے نکال دیں گے۔"

اسے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہ خالی اور کھوکھلی ہو رہی ہے۔ کل اپنا تمام بینک بیلنس اس کے گروہ کے حوالے کرنے کے بعد بالکل ہی کھوکھلی اور کنگال ہو چکی ہو گی۔ وہ خود کو بہت مکار اور چالباز سمجھتی تھی لیکن صرف ایک اندھے نے اس کے اندر کی تمام کشش نکال کر اسے ایک عام سی عورت بنا دیا تھا۔"

اس نے ناگواری سے پوچھا۔ "وہ اندھا شاہ کہاں ہے؟"

"وہ اس کوٹھی کے ایک کمرے میں ہے اور اسی کمرے سے ابھی وہ بار بار میرے اس فون کی گھنٹی بجا رہا تھا اور مین سیارہ مشتری کے حوالے سے تمہاری لائف ہسٹری کو چھیڑتا جا رہا تھا۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم کا دوسرا دروازہ کھلا۔ مشتری کھلے ہوئے دروازے پر نابینا ملک حیات شاہ کے ساتھ چاند بی بی کو دیکھ کر چونک گئی۔ وہ بہترین لباس میں اور لائٹ میک اپ میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

اسلم جہانگیر نے کہا۔ "ہمارے گروہ میں ازدواجی گھریلو زندگی گزارنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کل ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔"

وہ نابینا چاند بی بی کے سہارے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا پھر اس کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ کر جہانگیر سے بولا۔ "سر! ہمارا جو آدمی صفدر کا تعاقب کرتا ہوا کراچی گیا تھا' اس نے جب اسے کوٹھی کے باہر آکر دم توڑتے دیکھا تو فوراً ہی کوٹھی کے اندر چلا گیا اور اندر صفدر کے جتنے سامان میں پی آئی اے کے ٹیگ لگے ہوئے تھے ان سب کی تلاشی لی۔ تین درجن ایسی تصویریں اس کے ہاتھ لگیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا ایک طرف میں نے مشتری سے کورٹ میرج کی ہے اور دوسری طرف چاند بی بی کے ساتھ سہاگ رات منا رہا ہوں۔"

جہانگیر نے کہا۔ "اس میں شبہ نہیں ہے کہ مشتری ایسی چالیں چلتی ہے' جو دوررس نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔ اس کی یہی خوبیاں دیکھ کر ہم اسے اپنے گروہ میں شامل کر رہے ہیں۔"

"سر! صفدر کے سامان سے ایسے تمام ثبوت غائب کر دیئے گئے ہیں جن سے میں' چاند بی بی اور مشتری قانونی گرفت میں آسکتے تھے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ صفدر کو کیسے ہلاک کیا گیا ہے؟"

جہانگیر نے کہا۔ "مشتری! اس سے پہلے کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے پولیس کو کوئی سراغ ملے' ہمیں بتا دو کہ تم نے کس طرح اس کا خاتمہ کیا ہے۔ ہم وہ ثبوت بھی غائب کرا دیں گے۔"

مشتری نے اپنے بچاؤ کی خاطر کہا۔ "میں نے اس کے ٹوتھ پیسٹ کے ٹیوب میں سرنج کے ذریعے زہر انجکٹ کیا تھا۔ آپ اپنے آدمی سے کہہ دیں کہ وہ میری کوٹھی کے تمام باتھ رومز سے تمام ٹوتھ پیسٹ کے ٹیوب اور برش غائب کر دے۔"

جہانگیر نے کراچی کے کوڈ نمبر کے ساتھ اپنے خاص آدمی کے فون نمبر ڈائل

کئے۔ پھر رابطہ ہونے پر ٹوتھ پیسٹ اور برش وغیرہ وہاں سے غائب کر دینے کا حکم دیا۔

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "سر! بہت دیر ہو چکی ہے۔ کوٹھی کے اطراف پولیس کا سخت پہرہ لگا دیا گیا ہے ہم اندر نہیں جا سکیں گے۔"

اس نے فون بند کیا۔ پھر ایک اعلیٰ عہدے دار سے رابطہ کر کے بولا۔ "میں اسلم جہانگیر بول رہا ہوں۔ ایک مرڈر کیس میں کوٹھی نمبر 25-B کا پولیس نے محاصرہ کیا ہے۔ یہ مرڈر ہماری طرف سے ہوا ہے۔ وہاں جو افسران تفتیش کر رہے ہیں' ان سے کہہ دو کہ اس کوٹھی کے تمام باتھ روم کے ٹوتھ پیسٹ اور برش ضائع کر دیں۔"

دوسری طرف سے کہا گیا۔ "جہانگیر صاحب! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں ابھی اس کے متعلقہ افسران کو یہی حکم دوں گا۔"

"ایک بات اور کوٹھی نمبر 25-B کی مالکہ مشتری بانو جو صفدر بخاری کے قتل بعد بیوہ ہو چکی ہے' وہ کل وہاں پہنچ رہی ہے۔ اس کیس کے افسران کو تاکید کر دیں کہ بے چاری بیوہ سے پیچیدہ سوالات نہ کریں۔"

اس نے دوسری طرف کی بات سنی۔ پھر ریسیور رکھ دیا۔ نابینا ملک حیات شاہ نے جہانگیر سے کہا۔ "سر! آپ ایسے بڑے بڑے سیاست دانوں کو بھی تم کہہ کر مخاطب کرتے ہیں جبکہ پوری قوم انہیں سلام کرتی ہے۔"

اس نے کہا۔ "یہ سیاست داں جو کبھی پانچ برس کے لئے' کبھی دو برس کے لئے اور کبھی دو چار ماہ کے لئے حکومت کرنے آتے ہیں' ان کی حیثیت کیا ہوتی ہے۔ اقتدار کی کرسی پر "آپ" اور کرسی کے نیچے "تم" یہی ان کی سیاسی اور سماجی حیثیت ہوتی ہے۔ محترم اور معزز تو نوکر شاہی کا گروہ ہے' جو قیام پاکستان سے پس پردہ حکومت کرتا آ رہا ہے۔ تم نے بارہا دیکھا ہے کہ میں ایک فون کرتا ہوں تو پورا اسلام آباد الرٹ ہو جاتا ہے۔"

پھر اس نے مسکرا کر پوچھا۔ "اب بتاؤ کہ کشش کس میں زیادہ ہے؟ آتے جاتے حکمرانوں میں یا کہ مجھ میں ہے؟"

بلقیس نے کہا۔ "حکمرانوں میں اتنی ہی دیر تک کشش رہتی ہے' جتنی دیر مشتری بانو میں رہی ہے۔ حکمرانوں سے اختیارات چھین لے جائیں اور مشتری بانو کا بینک

بیلنس خالی کر دیا جائے تو دونوں صفر ہو جاتے ہیں۔"

مشتری بانو ماضی میں جیسے جرائم کی ذمے دار رہی تھی' اس کے پیش نظر اسے موت کی یا عمر قید کی سزا ضرور ہوتی لیکن اس پر سے سارے الزامات ایسے مٹ گئے جیسے ہر دور کے سیاست دانوں کا نمائشی محاسبہ کرنے کے بعد ان پر لگے ہوئے الزامات کو منوں فائلوں کے نیچے دبا دیا جاتا ہے۔ پھر گڑے مردے کوئی نہیں اکھاڑتا۔

نابینا ملک حیات شاہ نے جہانگیر سے کہا۔ "سر! میں نے آپ سے ایک درخواست کی تھی' اس کی منظوری چاہتا ہوں۔"

اب وہ نابینا نوکر شاہی گروہ سے علیحدگی اختیار کر کے چاند بی بی کے ساتھ ایک شریفانہ گھریلو اور ازدواجی زندگی گزارنا چاہتا تھا اور چاند بی بی نے یہی شرط رکھی تھی کہ وہ جرائم سے پاک زندگی گزارے گا اور اپنی ذہانت کو ملک و قوم کی خاطر مثبت طریقوں سے استعمال کرے گا تو وہ اس کی شریک حیات بن کر فخر کرے گی۔

اسلم جہانگیر نے کہا۔ "جب تمہارا دل اور دماغ ہمارا ساتھ نہیں دے گا تو پھر تم پوری دلجوئی سے کام نہیں کر سکو گے۔ تم اس گروہ سے جاؤ گے' میں اعتراض نہیں کروں گا۔ مگر سمجھاؤں گا کہ نہ جاؤ۔ ہمیں تمہاری ضرورت رہا کرے گی۔ تم ایک ذہین کارکن ہو اور تمہارا اندھا پن ہمارے لئے ایک مضبوط ڈھال بن جاتا ہے۔"

ملک حیات شاہ نے کہا۔ "آپ میرے قدر دان ہیں۔ میں ہمیشہ آپ کی عزت کرتا رہوں گا لیکن مجھے رئیس اعظم اور اندھا سمجھ کر عورتیں دھوکا دیتی رہیں گی لیکن چاند بی بی جیسی عورتیں کم کم ہیں جو کہتی ہیں کہ انہیں دولت نہیں بلکہ ملک و قوم کے لئے ایمان چاہئے۔ مجھے خوش قسمتی سے ایسی سچی اور نیک شریک حیات مل رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے جاؤ' ہو سکے تو ملک سے باہر چلے جاؤ اور شریک حیات کے ساتھ جتنا عرصہ مسرتوں بھری زندگی گزارنا چاہتے ہو' گزارتے رہو۔ جب دل بھر جائے تو ہمارے پاس واپس آ جانا۔"

"معافی چاہتا ہوں سر! ہو سکتا ہے' سیر و تفریح سے' عیش و عشرت سے دل بھر جائے۔ ہو سکتا ہے' چاند بی بی سے بھی دل بھر جائے لیکن واپسی نہیں ہوگی۔ کیونکہ میں نے چاند بی بی کے سامنے کلام پاک اٹھا کر ایک شریفانہ زندگی گزارنے کا عہد کیا ہے۔

عدالت کے کٹہرے میں کلام پاک ہاتھ میں لے کر جھوٹی گواہی دینے والے جھوٹے مسلمان ہوتے ہیں لیکن جب ایک مومن قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر عہد کرتا ہے تو پھر اس عہد کو پورا کرنے کے لئے اپنی جان پر بھی کھیل جاتا ہے۔"

اسلم جہانگیر نے کہا۔ "تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے کہ آگے کسی بحث کی گنجائش نہیں رہی۔ میں تمہیں اپنے گروہ سے جانے کی اجازت دیتا ہوں دونوں کو میاں بیوی بننے کی پیشگی مبارک باد بھی دیتا ہوں۔ ویسے تم جانے سے پہلے مشتری بانو جیسا ہیرا ہمارے حوالے کر رہے ہو۔ یہ مشتری ہمیں تمہاری یاد دلاتی رہے گی۔"

ملک حیات شاہ نے ٹٹول کر چاند بی بی کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسلم جہانگیر نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا۔ بلقیس نے بھی انہیں نئی زندگی کی مبارک باد دیتے ہوئے رخصت کیا۔ صرف مشتری بانو خاموش کھڑی اس اندھے کے ساتھ جانے والی کو دیکھ رہی تھی۔ جسے ملازمہ بنا کر رکھا تھا۔ وہ ایک اندھے کی آنکھوں کا نور بن کر ایک نورانی راستے پر جا رہی تھی اور وہ خود جرائم کی تاریک دلدل میں دھنستی جا رہی تھی۔

☆------☆------☆

اس قدر حقائق بیان کرنے کے بعد کسی خطرے سے خبردار اور ہوشیار کرنا ضروری نہیں رہ گیا۔ اگر خلا میں بھٹکنے والے سیارچے 16 جولائی سے 21 جولائی تک سیارہ مشتری سے ٹکرانے والے ہیں تو انہیں ٹکرانے دیا جائے۔ وہاں قیامت خیز دھماکے ہونے والے ہیں' تو ہونے دیئے جائیں۔ ایسے ٹکراؤ اور دھماکوں سے سیارہ مشتری کی سطح پر انقلابی تبدیلیاں آتی ہیں تو آنے دی جائیں۔ کیونکہ وہ سیارہ مشتری ہے' ہماری زمین نہیں ہے۔ ہم اپنی زمین پر ہونے والے کتنے بدمعاش دھماکوں سے خبردار اور ہوشیار ہیں؟

ہاں' 16 جولائی سے جو کچھ ہونے والا ہے اس سے یہ اٹل اور ناقابل انکار حقیقت سمجھ میں آئی ہے کہ ساری کائنات میں سب سے زیادہ اہمیت "کشش" کو ہے۔ نظام شمسی کے جتنے سیارے ہیں' وہ سب ایک دوسرے کی قدرتی کشش میں رہ کر ازل سے ہیں اور تاقیامت رہیں گے۔ ان کی کشش خالق کائنات کی مرضی سے ہے۔

لیکن پاکستان میں بھرپور کشش صرف نوکر شاہی کو حاصل ہے۔ یہاں خدا کو تلاش کرنا ہوگا کہ آخر خالق کائنات کی کشش اور اس کی رضا کہاں رہ گئی ہے؟

یہ ملک خداداد ہے۔ یعنی خدا نے یہ ملک دیا ہے تو پھر خدائی کشش بھی کہیں ہوگی۔

ہاں' یہ کشش ہے۔ اچانک ہی دو گولیاں چلنے کی آواز دور تک گونج گئی۔

ٹھائیں..........ٹھائیں..........

محبت کے ایک سبزہ زار میں دو لاشیں گریں۔ ایک لاش اندھا دھند ایمان والے اندھے کی تھی اور دوسری چاند بی بی کی۔

سوال۔ "سر! وہ نابینا تو آپ کا سچا وفادار تھا۔ پھر آپ نے اسے کیوں ہلاک کرا دیا؟"

جواب۔ "وفاداری وہاں ہوتی ہے جہاں کشش ہوتی ہے۔ یہ حقیقت گرہ میں باندھ لو کہ مسلمان سب ہوسکتے ہیں۔ مومن کوئی کوئی ہوتا ہے اور اس پوری کائنات میں مومن کے لئے پہلی اور آخری کشش صرف کلام پاک میں ہوتی ہے۔ یہ کتاب سچائی کا درس دیتی ہے اور وہ نابینا گھر کا بھیدی تھا۔ جب وہ کلام پاک ہاتھوں میں لے کر ہم سے علیحدہ ہوسکتا ہے تو پھر ایک مومن کی سچائی سے ملک دشمن عناصر کے خلاف محاذ بھی بنا سکتا ہے۔"

وہ بڑا فکر مند ہو رہا تھا۔ اس نے مشتری بانو کو کشش سے خالی کر دیا تھا۔ ملکی خزانے کو خالی کرکے اس کی کشش کم کرکے ورلڈ بینک کی کشش میں اضافہ کر رہا تھا۔ اگر سائنس داں کوشش کرتے تو سیارہ مشتری کی کشش کو بھی ختم کر دیتے یا کم کر دیتے۔ دنیا کی ہر مقناطیسی شخصیت' ہر مقناطیسی چیز ایک روز اپنی کشش کھو دیتی ہے لیکن ایک مومن کو قتل کرنے یا ایک لاکھ مومنین کو ہلاک کر دینے کے باوجود کلام پاک کی کشش میں کمی کیوں نہیں آتی؟

یہ نام نہاد مسلمانوں کے لئے اور غیر مسلم ورلڈ کے لئے ایک ناقابل فہم مسئلہ ہے اور رہے گا۔

☆======☆======☆

شاہینہ

کہا جاتا ہے کہ ہتھیار حفاظت کے لئے ضروری ہے لیکن آج تک کسی ہتھیار نے کسی کی حفاظت نہیں کی۔ اگر ایک کی حفاظت کی ہے تو دوسرے کو ہلاک کر دیا۔

ایک پرندے کی عجیب کہانی جو انسانوں کو امن سکھانا چاہتا تھا۔

بستیاں بستے بستے بستی ہیں لیکن بچہ شاہ کی بستی جیسے پلک جھپکنے میں آباد ہو گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ پہلے وہاں کچھ بھی نہ تھا' نہ کوئی آدم زاد اور نہ کوئی چرند وپرند نظر آتا تھا۔ ایک ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ تھا۔ وہاں سے گزرنے والے بھولے بھٹکے مسافر اس ٹھنڈے میٹھے چشمے سے اپنی پیاس بجھاتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے۔ وہاں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ نہ کوئی جھونپڑی اور نہ ہی کوئی سایہ دار درخت تھا۔ ایسا ہی ویران علاقہ بچہ شاہ کی بستی کے نام سے آباد ہو گیا تھا۔

وہ بستی آزاد علاقے کی سرحد پر واقع تھی یعنی اس بستی کے مشرق کی طرف وہ ملک تھا جہاں قانون کا بول بالا تھا اور مغرب میں وہ آزاد علاقہ تھا جہاں قانون سے کھیلا جاتا ہے۔ جب کوئی مجرم کسی کو قتل کر کے قانون سے دور بھاگنے کے لئے جائے پناہ تلاش کرتا تو وہ سیدھا اس بستی سے گزرتا ہوا آزاد علاقے کی طرف چلا جاتا تھا جہاں قانون کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اسی طرح آزاد علاقے میں جب قبائلی آپس میں لڑتے تھے اور کوئی کسی کے انتقام سے بچنا چاہتا تھا تو قانون کی پناہ میں آنے کے لئے اس بستی سے گزر کر مشرقی ملک میں چلا آتا تھا۔ اسی طرح آنے جانے والوں نے رفتہ رفتہ اس ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے کے پاس پڑاؤ ڈالنا شروع کیا۔ کچھ ضرورت کا سامان لا کر رکھا تاکہ گزرنے والے خرید کر کھا سکیں' پی سکیں' کچھ دیر ستا سکیں۔ اس کے بعد آگے چل پڑیں۔

اس وقت اس جگہ کو بچہ شاہ کی بستی نہیں کہا جاتا تھا۔ وہ محض ایک پڑاؤ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس بستی کا سہرا ایک شاہین کے سر ہے۔ پتہ نہیں وہ شاہین کہاں سے اڑتا ہوا اس پہاڑی علاقے میں آیا تھا اور اپنی مادہ کے ساتھ اس چشمے کے کنارے ٹھہر گیا تھا۔ اس کی مادہ نے وہاں انڈے دیئے تھے۔ پھر ان انڈوں میں سے ایک بچہ صحیح

سلامت نکلا تھا۔ اسی وقت کسی نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز اس ویرانے میں گونجنے لگی۔ شاہین کی مادہ نے سر اٹھا کر پہاڑ کے نیچے دیکھا۔ چٹان کے سائے سے وہ آواز ابھر رہی تھی۔

وہاں بھی ایک انسانی جوڑا کہیں سے بھٹکتا ہوا آیا تھا اور عورت نے ایک بچے کو جنم دیا تھا۔ پہاڑ کی بلندی پر بیٹھے ہوئے شاہین نے اپنی شاہینہ کو دیکھا۔ (شاہین کی مادہ کو شاہینہ کہنا ہی زیادہ مناسب ہے بار بار مادہ کہنے سے قوم کا اخلاق بگڑ جاتا ہے۔) پرندے شاید ایک دوسرے کی زبان سمجھتے ہیں۔ شاہین شاید وہاں سے اڑ کر اس چٹان پر جانا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ کس نے کس کو جنم دیا ہے؟ لیکن شاہینہ نے شاید اپنی کسی حرکت سے اسے روک دیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا مرد پرائی عورت کو دیکھنے جائے۔ اس لئے وہ شاہین کو اپنے بچے کے پاس چھوڑ کر خود پرواز کرتی ہوئی اس چٹان پر پہنچی۔ وہاں چٹان کے سائے میں ایک عورت اپنے بچے کو بازو میں لئے ہوئے لیٹی تھی اور ایک مرد ہاتھ میں رائفل لئے یوں چوکس کھڑا ہوا تھا جیسے کسی لمحے کسی دشمن کے آنے کا خطرہ ہو۔

چشمے سے ذرا دور ایک ہندو بنیئے نے جھونپڑی ڈال رکھی تھی اور وہاں اپنے خاندان کے ساتھ آباد تھا۔ اس نے کھانے پینے کا بہت سامان شہر سے لا کر رکھا تھا۔ اس کے پاس مویشی بھی تھے وہ دودھ بھی فروخت کرتا تھا۔ وہاں سے گزرنے والے اسے اچھے دام دے کر اپنی ضرورت کی چیزیں خرید لیتے تھے۔ وہاں کچھ دیر قیام کرتے تھے اور پھر آگے بڑھ جاتے تھے۔ بنیئے نے جب بچے کے رونے کی آواز سنی تو جھونپڑی سے نکل کر باہر آیا۔ پھر ایک چٹان کے سائے میں ایک شخص کو رائفل کے ساتھ دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ وہیں سے چیخ کر بولا۔ "جوان! میری طرف رائفل نہ اٹھانا۔ میں تمہارے بہت کام آؤں گا۔ یہاں کھانے پینے کی چیزیں ہیں اور تمہاری عورت اور نوزائیدہ بچے کے لئے بھی بہت کچھ مل جائے گا۔ تازہ دودھ بھی فراہم کر دوں گا۔ میں یہاں سے گزرنے والے ہر چہرے کو پہچانتا ہوں۔ اگر تم قانون کی طرف سے مفرور ہو تو آگے جانے کے لئے آزاد علاقہ تمہارے سامنے ہے اور اگر آزاد علاقے سے کسی کو قتل کر کے آئے ہو تو مشرق کی طرف تمہیں قانون کی پناہ مل جائے گی۔ یہاں اپنی بیوی اور

بچے کے ساتھ تھوڑی دیر قیام کرو اور پھر اپنی منزل کا تعین کرو۔"

وہ اپنی منزل کا تعین نہ کرسکا۔ اس کی بیوی کی حالت بہت خراب تھی۔ بچہ تندرست تھا مگر بیوی کو دیکھ کریوں لگتا تھا جیسے وہ زندہ نہیں رہ سکے گی۔ بہت کمزور ہوگئی تھی۔ وہاں کوئی ڈاکٹر بھی نہیں تھا جو اسے معقول دوائیں دیتا اور اس کی جان بچاسکتا۔ دو دنوں تک وہ شخص بہت پریشان رہا۔ کبھی بچے کا خیال کرتا تھا' کبھی بیوی کو تسلیاں دیتا تھا۔ جب دوائیں نہ ہوں تو صرف تسلیاں ہی دی جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ رائفل اٹھائے دور دور تک نظریں دوڑاتا رہتا تھا۔ رات کے وقت سو نہیں سکتا تھا۔ چونک کراٹھ جاتا تھا جیسے قانون کے ہاتھ اسے گرفت میں لینے آرہے ہوں۔

بنئے نے اپنی جھونپڑی کے پیچھے ایک اور جھونپڑی بنائی تھی وہاں سے گزرنے والے کو وہ رہنے کی جگہ دیتا تھا اور ان سے ایک دن کا ایک روپیہ وصول کیا کرتا تھا۔ وہ شخص اپنی بیوی اور بچے کو لے کراسی جھونپڑی میں آگیا۔ شاہینہ اگرچہ انسان نہیں تھی لیکن اس کے اندر بھی ممتا تھی۔ وہ اپنے بچے کو دانہ کھلاتی تھی اور کبھی پرواز کرتے ہوئے اس جھونپڑی کی چھت پر آکر بیٹھ جاتی تھی جہاں وہ بیمار عورت اپنے بچے کے ساتھ آخری سانس لے رہی تھی۔ شاہینہ کی بے چینی اس سے ظاہر ہوتی تھی کہ وہ اکثر راتوں کو اس جھونپڑی کے پاس آتی تھی۔ اس عورت کی کچھ مدد نہیں کرسکتی تھی لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس کی عیادت کے لئے آتی رہتی ہو۔

تیسرے دن بچے کو جنم دینے والی وہ عورت مرگئی۔ اس کے شوہر نے دور ایک جگہ اسے دفن کردیا۔ اب وہ بچہ اس مفرور کے لئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ بنئے نے اسے سمجھایا۔ "تم قانون سے بھاگ کر آئے ہو اور تمہارے لئے وہی ایک آزاد علاقہ ہے جہاں قانون سے بچ کر رہ سکتے ہو۔ ویسے سنا ہے کہ آزاد علاقے میں بیگار کیمپ ہے۔ جو لوگ قانون کی زد سے نکل کر وہاں جان بچانے کے لئے جاتے ہیں' اس بیگار کیمپ میں پھنس جاتے ہیں۔ وہاں ان سے اتنی محنت کرائی جاتی ہے اتنی محنت کرائی جاتی ہے کہ جسم سے پسینے کی جگہ خون بہنے لگتا ہے۔"

اس مفرور نے سوچا کہ پولیس والے آئیں گے تو ان سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن بیگار کیمپ میں جاکر پھنسنا دانشمندی نہیں ہے لہٰذا وہ اسی جگہ اپنے لئے ایک

جھونپڑی بنانے لگا۔ ننھا سا بچہ بہت پریشان کرتا تھا۔ اسے جھونپڑی بنانے کے لئے محنت بھی کرنی پڑتی تھی اور بچے کا بھی خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اسے بوتل سے دودھ بھی پلانا پڑتا تھا۔ اس لئے وہ جس جگہ جھونپڑی بنا رہا تھا اسی جگہ بچے کو بھی کہیں کسی پتھریلی جگہ لٹا دیا کرتا تھا۔ ایک بار اس نے جھونپڑی کی دیواریں کھڑی کرنے کے دوران سوچا کہ بچہ بہت دیر سے نہیں رو رہا ہے۔ کیا بات ہے؟ یہ بچے کے مزاج کے خلاف تھا۔ اس نے پلٹ کر دور پڑے ہوئے بچے کو دیکھا تو حیران رہ گیا۔ بچہ دھوپ میں پڑا ہوا تھا لیکن اسے دھوپ نہیں لگ رہی تھی۔ شاہینہ اس کے سرہانے بیٹھی اپنے دونوں پر پھیلائے ہوئے اس پر سایہ کررہی تھی۔ ہماری دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ ماں مرجاتی ہے ممتا کبھی نہیں مرتی۔ اس وقت کم از کم یہی ثابت ہو رہا تھا کہ ممتا کا درد انسان اور حیوان میں مشترک ہوتا ہے۔

دونوں بچے چالیس دن کے ہوگئے۔ شاہینہ کا بچہ اپنی پناہ گاہ سے باہر اب چلا آتا تھا اور اِدھر اُدھر پھدکتا تھا لیکن اس مفرور کا بچہ ابھی چلنے کے قابل نہیں تھا۔ لیٹے ہی لیٹے ذرا کروٹ بدل لیتا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک اور شخص کہیں سے بھاگتا ہوا وہاں چلا آیا۔ اس کے پاس بھی ایک رائفل تھی مفرور نے آنے والے کو دور ہی سے للکارا۔

"رک جاؤ' کون ہو تم؟"

آنے والے شخص نے ایک چٹان کی آڑ لے کر محاذ بناتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ میں آزاد علاقے سے آرہا ہوں۔ دشمن میرا پیچھا کررہے ہیں۔ مجھے پناہ کی تلاش ہے۔ میں یہاں ذرا دیر دم لوں گا۔ پھر آگے چلا جاؤں گا۔"

بنیا ان کے درمیان آکر بولا۔ "تم لوگ آپس میں نہ لڑو۔ میں یہاں سے گزرنے والوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ یہ آنے والا تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میری دکانداری خراب نہ کرو۔ میرا گاہک ہے میری دکان سے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدے گا۔ اگر چاہے گا تو ایک آدھ دن میرے یہاں کرایہ ادا کرکے رہے گا۔"

بنئے نے اپنے منافع کی خاطر دونوں کے درمیان دوستی کرادی۔ وہ آنے والا ایک قاتل تھا۔ آزاد علاقے میں اپنے ایک دشمن کو قتل کرکے آیا تھا۔ اب کوئی

دوسری پناہ گاہ تلاش کر رہا تھا۔ کیونکہ مقتول کے رشتہ دار اب اسے قتل کرنے کے لئے تلاش کر رہے تھے۔

شام آنے سے پہلے ہی وہ تعاقب کرنے والے اس کے سر پر آن پہنچے۔ اس جگہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ مفرور نے پہاڑی کے ایک اونچے حصے پر محاذ بنا لیا تھا اور دشمنوں کو بھگانے کے لئے وہاں سے فائرنگ کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے جوابی فائرنگ ہو رہی تھی۔ شاہین اور شاہینہ پہاڑ کی بلندی پر تھے۔ ان سے نیچے پناہ گاہ میں ان کا بچہ تھا جو وہاں سے پھدکتا ہوا چٹان پر آ گیا تھا۔ اسی وقت ایک گولی اس بچے کو آکر لگی شاہینہ چیخ مارتے ہوئے پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے پہاڑی کی بلندیوں سے اڑنے لگی اور فائرنگ کرنے والوں کے سروں پر چکرانے لگی۔ وہ کبھی اپنے بچے کے پاس آتی تھی اور کبھی ان دشمنوں کے سر پر پہنچ جاتی تھی۔ پہلے شاہین نے انتقامی حملہ کیا' ایک رائفل بردار کی آنکھ نکال کر لے گیا۔ دوسری بار شاہینہ نے ایک دشمن پر حملہ کیا۔ اس کے ہاتھ سے رائفل گری تو وہ اپنی نوکیلی چونچ سے اس کے چہرے کا گوشت نوچ کر اڑ گئی۔ ایک رائفل بردار نے ان کا نشانہ لینا چاہا لیکن وہ جوڑا پرواز کرتے ہوئے چٹانوں کی آڑ میں چلا گیا۔

وہ مفرور اپنے بچے کو لے کر اپنی بیوی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تھا۔ تب ہی وہاں فائرنگ شروع ہو گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اتنی جلدی اس دوسرے قاتل کے دشمن آپہنچیں گے اور اس انداز میں فائرنگ شروع ہو جائے گی۔ وہ اپنے بچے کو لے کر کسی پناہ گاہ کی تلاش میں دوڑتے ہوئے ایک ٹیلے کی طرف جانے لگا۔ اسی وقت یکے بعد دیگرے دو گولیاں سنسناتی ہوئی آئیں اور اس کے ساتھ بچے کو بھی چاٹ گئیں۔ شاہینہ چیختے ہوئے پھر چٹان کے پیچھے سے نکلی۔ دیوانہ وار پرواز کرتے ہوئے اس بچے کی طرف جانے لگی۔ اس کے پیچھے شاہین بھی لپکا۔ شاید وہ اپنی شاہینہ کو ایسے وقت پرواز کرنے سے منع کرنا چاہتا تھا۔ جیسے ہی وہ دونوں پرواز کرتے ہوئے اس بچے کے قریب پہنچے ایک اندھی گولی شاہین تک پہنچ گئی۔ وہ بے چارہ پھڑپھڑاتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔

وہ خون خرابے والا منظر سوگوار ہو چکا تھا۔ اب ان کی فائرنگ کا جو بھی انجام ہو

مگر ادھر دو خاندان تباہ ہو چکے تھے۔ ایک خاندان انسانی تھا' دوسرا حیوانی۔ انسانی خاندان میں مفرور کی پہلی بیوی مری تھی' اب بچہ بھی انتقامی جنون کا شکار ہو گیا تھا حیوانی خاندان میں شاہین اپنی شاہینہ کو اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر اپنے بچے کے ساتھ ختم ہو چکا تھا۔

شاہینہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ چونچ کھلی ہوئی تھی۔ اس کے منہ سے عجیب عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں' جیسے رو رہی ہو ماتم کر رہی ہو اور فریاد بھی کر رہی ہو لیکن نہیں جو انتقام لینا جانتے ہیں وہ کسی سے فریاد نہیں کرتے۔ وہ جوش اور جنون میں وہاں سے تڑپ کر پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے اٹھی۔ فضا میں پرواز کی۔ پھر بلندی اور بلندی پر جاتے ہوئے دشمنوں کے سروں پر پرواز کرنے لگی۔ کبھی وہ چٹانوں کے پیچھے چھپتی تھی' کبھی دشمنوں پر حملے کرتی تھی۔ پھر خود کو بچا کر نکل جاتی تھی۔ ایک رائفل بردار نے اس پر فائرنگ کرنا چاہی تو جواباً مفرور نے گولی چلا دی۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اب چار میں سے ایک دشمن رہ گیا تھا۔ وہ اکیلا دشمن دو طرفہ حملوں سے بچ نہیں سکتا تھا۔ ایک طرف سے وہ مفرور فائرنگ کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے شاہینہ چٹانوں کے پیچھے سے نکل کر اس پر حملہ کرتی تھی' جھپٹتی تھی' پلٹتی تھی' پلٹ کر پھر جھپٹتی تھی اور روپوش ہو جاتی تھی۔

وہ تنہا مقابلے پر ٹھہر نہ سکا۔ وہاں سے بھاگنے لگا۔ بھاگنے کے دوران ہی اسے ایک گولی لگی اور وہ زمین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ تمام کا قصہ تمام ہو گیا۔ صرف وہ قاتل رہ گیا جسے مارنے کے لئے وہ دشمن آئے تھے اور خود مر گئے تھے۔ اس نے خوشی کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے محاذ سے نکلتے ہوئے ان کی لاشوں کے پاس آکر دیکھا۔ دو دشمن ایسے تھے جن میں سے شاہینہ نے ایک کی آنکھ نکال لی تھی اور دوسرے کے چہرے کا گوشت نوچ لیا تھا۔ دونوں زخموں کی تاب نہ لاکر دم توڑ رہے تھے' زمین پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے۔ اس نے ان دونوں کو گولی مار دی۔

اب لڑائی کو ختم ہونا چاہئے تھا لیکن شاہینہ پھر چٹان کے پیچھے سے اٹھی' چیختی ہوئی' پرواز کرتی ہوئی اس مفرور کی طرف آئی۔ وہ بوکھلا گیا۔ وہاں سے بھاگنے لگا۔ شاہینہ کی رفتار تیز تھی۔ وہ مفرور کے اس ہاتھ پر جھپٹی جس میں اس نے رائفل پکڑی

ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ سے رائفل چھوٹ کر گر پڑی۔ شاہینہ نے اسے نقصان نہیں پہنچایا۔ واپس بلندی پر پرواز کرتی ہوئی پھر اس کے سر پر منڈلانے لگی۔ وہ بنیئے کی جھونپڑی کے پاس آکر رک گیا تھا اور خوفزدہ ہو کر شاہینہ کو دیکھ رہا تھا۔

بہت دور اس کی رائفل زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے ہتھیار کی طرف بڑھنے لگا۔ شاہینہ پھر بلندی سے پستی کی طرف آئی اور اس کی طرف جھپٹنے لگی۔ وہ دوبارہ پلٹ کر بھاگتا ہوا بنیئے کی جھونپڑی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ شاہینہ اس بار بلندی پر پرواز کرنے کی بجائے رائفل کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

بنیا اپنے خاندان والوں کے ساتھ اپنے گھر میں چھپا ہوا تھا اور کھڑکی سے جھانک کر یہ تماشہ دیکھ رہا تھا اس نے قاتل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”او بھائی! جانوروں کی زبان نہیں ہوتی۔ وہ اپنی حرکتوں سے اپنی بات سمجھا دیتے ہیں۔ وہ مادہ چوٹ کھائی ہوئی ہے اندر سے زخمی ہے‘ کسی کو ایسے ہتھیار کے پاس نہیں جانے دے گی۔ جس سے اس کا نر اور اس کا پیارا سا بچہ مارا گیا ہے۔ تم اس رائفل کو ہاتھ نہ لگاؤ‘ اسے چھوڑ دو۔“

قاتل نے بنیئے سے کہا۔ ”کاکے جی! یہ رائفل سوتے جاگتے میرے ساتھ رہتی ہے۔ پتہ نہیں کوئی اور دشمن ادھر آنکلے تو کیا ہو گا؟“

”جو ہو گا وہ دیکھا جائے گا۔ ابھی تو کوئی دشمن نہیں آئے گا جب اس مادہ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے‘ یہ پُرسکون ہو جائے تو چپ چاپ اپنی رائفل اٹھا لینا۔ ابھی ان بے چاروں کے کفن دفن کا انتظام کرنا ہے۔ تم اگر اس مادہ کو نہیں چھیڑو گے۔ اپنی رائفل کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے تو میں باہر آؤں گا‘ ورنہ تمہاری حرکتوں سے خطرہ بدستور رہے گا۔“

اس نے وعدہ کیا کہ اب رائفل کی طرف نہیں جائے گا۔ بنیا اپنی جھونپڑی سے باہر آگیا۔ پھر وہ لوگ ایک کدال اور بیلچہ لے کر ان لاشوں کے پاس آئے۔ شاہینہ رائفل کے پاس سے پرواز کرتے ہوئے پہاڑی کے اس حصے پر گئی جہاں اس کے بچے کی خون آلود لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بچے کو پنجے میں دبوچ لیا۔ اسے لے کر فضا میں بلند ہو گئی۔ اِدھر سے اُدھر پروں کو پھیلائے ہوئے پرواز کرتی رہی جیسے اپنے

بچے کو آخری بار دنیا دکھا رہی ہو۔ اپنی حسرت پوری کر رہی ہو کہ میرے بچے! تو زندہ ہوتا تو میں تجھے اسی طرح پرواز کرنا سکھاتی۔“

وہ کیا سوچ رہی تھی؟ کیا سمجھ رہی تھی؟ کوئی نہیں جانتا بنیا اپنے طور پر سوچتا تھا کہ جانوروں کے سینے میں بھی دل ہوتا ہے۔ ان کے اپنے جذبات ہوتے ہیں اور یہ جذبات سب ہی سے ظاہر ہوں یا نہ ہوں لیکن مادہ پرندوں اور جانوروں میں ممتا کی وجہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ شاہینہ تھوڑی دیر تک اور دور تک پرواز کرتے رہنے کے بعد اپنے بچے کو لے کر اس انسانی بچے کے پاس آئی جس کی لاش بھی خون میں لتھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے بچے کو اس بچے کے پاس لا کر ڈال دیا۔

بنیئے نے کہا۔ ”یہ چاہتی ہے کہ یہ دونوں بچے ایک جگہ رہیں۔ اس لئے ہم ان دونوں کو ایک ہی گڑھے میں‘ میرا مطلب ہے ایک ہی قبر میں دفن کر دیں گے۔“

یہی کیا گیا۔ انسانی اور حیوانی بچوں کی ایک مشترکہ قبر بنا دی گئی۔ ان کے باپ کو الگ ایک گڑھے میں دبا دیا گیا۔ وہاں دوسرے دشمنوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے لئے بھی ایک بڑا سا گڑھا کھودا گیا۔ وہ قاتل چاہتا تھا کہ انہیں دفن کرنے کے بعد ان کی رائفلیں اپنے پاس رکھ لے لیکن جب وہ رائفلوں کو ہاتھ لگانے لگا تو شاہینہ پھر بھڑک گئی۔ پھر پرواز کرتی ہوئی آئی اور اس پر جھپٹنے لگی۔ بنیئے نے چیخ کر کہا۔ ”بھائی کیا کرتے ہو؟ ان رائفلوں سے دور رہو یا ان ہتھیاروں کو ان لاشوں کے ساتھ دفن کر دو۔“

لیکن وہ رائفلوں کو دفن کرنے کے لئے بھی انہیں ہاتھ نہیں لگا سکا۔ جب بھی ان کے قریب جاتا تھا‘ شاہینہ اس پر جھپٹنے لگتی تھی۔ مجبوراً صرف ان لاشوں کو دفن کرنا پڑا۔ وہ چاروں رائفلیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پڑی ہوئی تھیں۔ اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ کسی کو ہاتھ لگا سکتا۔ اس کی اپنی رائفل بنیئے کی جھونپڑی کے سامنے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر پڑی تھی۔ اسے بھی وہ اٹھا نہیں سکتا تھا۔ اس نے بے بسی سے کہا۔ ”کاکے جی! یہ تو بڑی مشکل ہو گئی ہے۔ کیا میں اپنی رائفل بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکوں گا۔ یہ تو میری دشمن بن گئی ہے۔“

بنیئے نے کہا۔ ”صرف تمہاری نہیں بلکہ ہر اس شخص کی دشمن بن جائے گی جو

ان رائفلوں کو ہاتھ لگائے گا۔"

وہ ایک اونچی چٹان پر جا کر بیٹھ گئی۔ وہاں سے اسے بچوں کی قبر نظر آتی تھی اور وہ پانچوں رائفلیں بھی نظروں میں رہتی تھیں ایسا لگتا تھا جیسے وہ نگرانی کر رہی ہو اور کسی کو بھی وہاں جانے سے پہلے روک دینا چاہتی ہو۔ رات کو جب تاریکی چھا گئی اور بہت رات گئے جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ سو گئی ہو گی تو وہ قاتل اس جھونپڑی سے باہر نکلا جسے مفرور نے تعمیر کیا تھا۔ وہاں سے وہ دبے قدموں چلتا ہوا اپنی رائفل کی طرف جانے لگا۔ اسی وقت اچانک ہی پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز سنائی دی۔ چاروں طرف گہری تاریکی تھی اسے محسوس ہوا کہ کبھی اس کے دائیں، کبھی بائیں، کبھی آگے، کبھی پیچھے پر پھڑپھڑا رہے ہیں۔ وہ ایک دم سے دہشت زدہ ہو کر الٹے قدموں بھاگتا ہوا پھر اپنی جھونپڑی کے اندر آ گیا۔

وہ رات بھر پریشان رہا۔ چین سے سو نہ سکا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس قسم کا پرندہ ہے۔ دن بھر وہ بچے کے صدمے سے نڈھال رہی۔ رات کو بھی نہیں سو رہی تھی اور رائفلوں کی طرف جانے والے قدموں کی آہٹ سن لیتی تھی۔ وہ کب تک جاگتی رہے گی؟ کب تک غم کھاتی رہے گی۔ اس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔

دوسرے دن بنٹے نے اسے سمجھایا۔ "رائفل کے لئے پریشان کیوں ہوتے ہو؟ وہ تو تمہاری نگاہوں کے سامنے زمین پر پڑی رہتی ہے، کوئی دوسرا اسے اٹھانے نہیں آئے گا۔ اطمینان رکھو! کبھی نہ کبھی تم اسے اٹھا ہی لو گے۔"

مگر وہ اٹھانے والا دن نہیں آیا۔ ایک دن گزر گیا۔ دو دن گزر گئے۔ دس دن گذر گئے۔ ایک اور رائفل بردار گھوڑے پر سوار اُدھر سے گزرنے کے لئے آیا۔ ابھی وہ چشمے سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھا کہ شاہینہ نے چٹان کی بلندی پر سے اسے آتے ہوئے دیکھ لیا۔ آنے والے پر اعتراض نہیں تھا لیکن اس کے ساتھ رائفل تھی۔ وہ ایک دم سے چیختی ہوئی۔ پرواز کرتی ہوئی اس کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر تو وہ سوار بوکھلا گیا۔ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر رائفل اپنے شانے سے اتارنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے ہی شاہینہ اس پر جھپٹ پڑی۔ دوسرے ہی لمحے جب وہ ان کے پاس سے گزری تو سوار کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ وہ گھوڑے پر سے الٹ گیا تھا۔

شاہینہ اس کے ایک کان کا حصہ کاٹ کر اپنی چونچ میں لے گئی تھی۔

اس کی رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہ گھوڑے سے اس طرح الٹ گیا تھا کہ ایک پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا تھا۔ گھوڑا بھاگتا جا رہا تھا اور وہ اس کے ساتھ زمین پر گھسٹتا چلا جا رہا تھا۔ چشمے کے قریب گھوڑے کو روک لیا گیا۔ پھر اس کے پاؤں کو رکاب سے نکالا گیا۔ بنٹے نے کہا۔ "اطمینان رکھو۔ وہ پرندہ تم پر حملہ نہیں کرے گا کیونکہ اب تمہارے پاس رائفل نہیں ہے۔"

☆------☆------☆

ایک ہفتے بعد ایک طرف سے پانچ آدمی بھاگتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک کے پاس رائفل تھی، دوسرے کے پاس ریوالور تھا اور باقی تین آدمیوں کے پاس لانبے لانبے چھُرے تھے۔ وہ چشمہ کا علاقہ ایسا تھا کہ اُدھر سے کوئی بھی شریف آدمی نہیں گزرتا تھا۔ اگر کوئی شریف آدمی ہوتا بھی تو وہ حالات سے مجبور ہو کر قاتل بن کر اُدھر آتا تھا لہٰذا ان کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی ہتھیار ضرور ہوتا تھا۔

شاہینہ نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ آنے والے اس پر گولی چلاتے رہے۔ وہ کبھی کسی ٹیلے کے پیچھے، کبھی کسی چٹان کے پیچھے چھپ جاتی تھی یا فضا میں دائیں بائیں اپنی سمت بدل کر ان کی گولیوں سے بچنے لگتی تھی۔ چشمے کے پاس رہنے والوں نے انہیں چیخ چیخ کر سمجھایا کہ وہ اس پرندے پر فائر نہ کریں اور اپنے ہتھیار پھینک دیں۔ پھر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

جو لوگ ہتھیار پھینکنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ وہ خود بھی نہتے تھے اس لئے آنے والوں کو اعتراض نہیں ہوا۔ انہوں نے فوراً ہی ان کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے اپنے ہتھیار دور پھینک دیئے اس کے ساتھ ہی شاہینہ ایک چٹان پر سکون سے بیٹھ گئی۔ بنٹے نے آگے بڑھ کر کہا۔ "دیکھ لیا، ہم نہ کہتے تھے کہ یہ پرندہ اب آپ لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ آیئے، ہم سب دوست ہیں۔"

وہ لوگ ایک ٹیلے کے پاس ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے لگے۔ اپنا اپنا تعارف کرانے لگے۔ ان میں سے کوئی آزاد علاقے سے بھاگا ہوا قاتل تھا کوئی قانون کی گرفت سے نکلا ہوا مفرور تھا۔ وہ پانچوں، جو ابھی آئے تھے، وہ اسمگلر تھے۔ ان میں

سے ایک نے بتایا کہ ایک جگہ زبردست پولیس مقابلہ ہوا تھا۔ اس میں قانون کے کئی محافظ مارے گئے تھے۔ اگر وہ لوگ پکڑے جائیں گے تو انہیں سزائے موت ہوگی۔ اس لئے وہ لوگ بھاگ کر اِدھر چلے آئے ہیں۔

آنے والوں کے پاس بہت سی دولت تھی۔ ڈھیر ساری نقد رقم کے علاوہ سونے کے سکے تھیلے میں بھرے ہوئے تھے۔ بنئے نے انہیں دیکھ کر کہا۔ "اس ویرانے میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہاں صرف کھانے پینے کی چیزوں کی اہمیت ہے۔ پینے کے لئے یہ ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ ہے اور راشن میرے پاس ہے' جسے میں بہت کم قیمت پر فروخت کرتا ہوں۔"

رات کو کھانے کے وقت سب ایک جگہ بیٹھ کر کھاتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "یہاں ہم اپنے اپنے ہتھیار اٹھا نہیں سکتے۔ اگر کوئی دشمن آگیا یا قانون کے محافظ آگئے تو ہم اپنی حفاظت کیسے کریں گے؟"

اس مفرور نے کہا۔ "کاکے کی جھونپڑی کے سامنے میری ایک رائفل بیس دنوں سے پڑی ہوئی ہے۔ میں اسے ابھی تک اٹھا نہیں سکا۔ اس لئے کہ وہ مادہ فوراً ہی غصے میں آجاتی ہے۔"

آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ "ہم آدھی رات کے بعد اندھیرے میں جاکر اپنے ہتھیاروں کو اٹھالیں گے۔ پھر یہاں انہیں چھپا کر رکھ لیں گے۔"

اس نے کہا۔ "میں ایسا بھی کرکے دیکھ چکا ہوں اور ناکام رہا ہوں۔ اگر تم لوگ کامیاب ہو جاؤ گے اور دن کی روشنی میں اس مادہ کو جب وہ ہتھیار نظر نہیں آئیں گے تو وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔"

ایک نے کہا۔ "یہ تو بڑی مصیبت ہے۔ ہم سب ایسے مجرم ہیں کہ بغیر ہتھیار کے رہ نہیں سکتے۔"

بنئے نے کہا۔ "یہاں سے جتنے بھی لوگ گزر کر مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف جاتے ہیں وہ سب مجرم ہوتے ہیں۔ کوئی قاتل کوئی مفرور اور کوئی اسمگلر ہوتا ہے لیکن یہاں اب کوئی ہتھیار لے کر نہیں آسکے گا۔ پولیس والے بھی یہاں رائفلوں اور دوسرے ہتھیاروں کے ساتھ آئیں گے تو وہ مادہ انہیں اس علاقے میں آنے نہیں

دے گی یہ اپنی ماتا کے ہاتھوں مجبور ہے۔ جب سے اس کے بچے کو مارا گیا ہے تب سے یہ شور مچانے والے ہتھیاروں کی دشمن بن گئی ہے۔ اپنے پاس چاقو جیسے خاموش ہتھیار رکھو' یہ کچھ نہیں کہتی۔ ہم ایسے ہتھیار اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اس کے اندر یہ بات سما گئی ہے کہ جو ہتھیار شور مچاتے ہیں وہ معصوم بچوں کے قاتل ہوتے ہیں۔ اسی لئے وہ کسی بھی رائفل یا ریوالور والے کو برداشت نہیں کرتی ہے۔"

وہ لوگ کچھ دیر تک اس مسئلے پر غور کرتے رہے۔ پھر ایک نے سر کو ہلا کر کہا۔ "اس طرح سے یہ بات ہمارے لئے فائدہ مند ہے۔ یہاں کوئی بھی ہتھیار لے کر نہیں آسکے گا لیکن جب تک ہمارے سر سے خطرہ نہ ٹلے اور ہمیں یہ اطلاع نہ ملے کہ ہم قانون کی زد سے محفوظ ہیں اس وقت تک ہم کسی آبادی میں واپس نہیں جاسکیں گے۔ ہمیں یہاں پناہ لینے کے لئے اپنی حفاظت کا سب سے پہلے خیال رکھنا ہوگا اور حفاظت بندوقوں سے ہوتی ہے۔"

دوسرے نے کہا۔ "اور بندوق ہم رکھ نہیں سکتے۔"

"اگر ہم نہیں رکھ سکتے تو کوئی دوسرا بھی نہیں رکھ سکتا۔ نہ کوئی ہمارا دشمن رکھ سکتا ہے نہ قانون کے محافظ اپنے پاس ہتھیار رکھ سکتے ہیں۔ اس طرف کوئی بھی آئے گا تو اسے نہتا آنا ہوگا اور نہتوں سے ہم خالی ہاتھ نمٹ سکتے ہیں۔ پھر ہمارے پاس چاقو بھی تو ہیں۔"

ایک اور شخص نے کہا۔ "گویا کہ یہ ایک ایسا علاقہ بن رہا ہے جہاں جان لیوا ہتھیاروں پر پابندی ہوگی۔ یہ ایک پُرامن' غیر جانبدار علاقہ ہوگا۔ نہ قانون کے محافظ ہمارا کچھ بگاڑ سکیں گے' نہ ہی آزاد علاقے سے آنے والے قاتل ہمیں نقصان پہنچا سکیں گے۔"

"مادہ پرندے کی یہ ضد ہمارے حق میں بہت اچھی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پرندے کی حمایت میں یہی کوشش جاری رکھیں۔ اب یہاں کوئی بھی ہتھیار بردار نہ آئے۔ یہاں آنے والوں پر دور ہی سے پابندی لگادی جائے گی۔"

"ایک طرح سے سوچا جائے تو وہ ماتا کی ماری ہم لوگوں کو انسانوں کی طرح جینے کا سلیقہ سکھا رہی ہے۔ اگر ہم لوگوں کے پاس ہتھیار نہ ہوں تو ہم پُرامن زندگی گزار

سکتے ہیں۔ ہم چاہے کیسے ہی قاتل' بدمعاش' اور اسمگلر کیوں نہ ہوں۔ جب ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہوں گے تو ہم بڑی لڑائیاں نہیں لڑیں گے۔ ہلکی پھلکی سی جھڑپ ہو گی بیچ بچاؤ ہو گا' سمجھوتہ ہو گا' پھر دوستی ہو جائے گی۔ ہتھیار کے ہونے سے ایک طرف سے گولی چلتی ہے اِدھر والا مارا جاتا ہے۔ اِدھر سے گولی چلتی ہے تو اُدھر والا مارا جاتا' یہاں ایسا نہیں ہو گا۔"

بنٹے نے کہا۔ "ہمیں یہاں ایک سوسائٹی بنانا چاہئے۔ ہم سب اس علاقے کا انتظام کریں گے۔ آئندہ آنے والوں اور قیام کرنے والوں کو یہاں کے قانون اور قواعد کا پابند بنائیں گے اور ہم اس جگہ کا ایک نام بھی رکھیں گے۔"

کسی نے پوچھا۔ "نام کیا ہو گا؟"

بنٹے نے کہا۔ "یہ جگہ اس مادہ پرندے کی وجہ سے محفوظ ہوتی جا رہی ہے اور یہ صرف اپنے بچوں کی وجہ سے ایسا کر رہی ہے۔ جس مفرور کے بچے کو گولی لگی تھی۔ اس بچے کو اس کا باپ شاہ خان کہتا تھا اور اس پرندے کے بچے کو اس نام میں شریک کر لیا جائے تو ہم اس جگہ کا نام بچہ شاہ رکھ سکتے ہیں۔ یہ بچہ شاہ کی بستی کہلائے گی۔"

اس کی بات پر سب متفق ہو گئے۔ اسی دن سے اس جگہ کا نام بچہ شاہ کی بستی رکھ دیا گیا۔ اب وہاں جو بھی مفرور آتا تھا۔ وہ میلوں دور سے اپنے ہتھیار اتار دیتا تھا۔ انہیں سمجھا دیا جاتا تھا کہ ہتھیاروں پر پابندی ہے۔ اس علاقے میں نہتے جانا ہو گا۔ جو لوگ نہیں مانتے تھے اور جبراً آتے تھے۔ انہیں شاہینہ کا شکار ہونا پڑتا تھا۔ اپنے ناک' کان یا آنکھوں سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ تب کہیں ان کی سمجھ میں یہ بات آتی تھی کہ بچہ شاہ کی بستی ایک پُرامن جگہ ہے۔ جہاں قاتل اور بدمعاش بھی امن وامان سے رہتے ہیں۔

امن وامان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہاں سب لوگ شریف بن گئے تھے۔ ایسی بات نہیں تھی۔ وہاں کبھی کبھی چاقو چھری چل جاتے تھے۔ لاٹھیاں بھی چلتی تھیں۔ کچھ لوگ زخمی ہوتے تھے۔ پھر معاملہ رفع دفع ہو جاتا تھا۔ جہاں اتنے سارے مفرور' مجرم' قاتل' غنڈے' بدمعاش اور اسمگلر ہوں۔ وہاں تین چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں۔ قمار خانے' شراب خانے اور شباب خانے۔ ان کے بغیر بدمعاشیاں مکمل نہیں ہوتیں۔

وہاں شراب کی بھٹیاں کھلنے لگیں۔ دور دراز کی آبادیوں سے طوائفیں آنے لگیں۔ پھر اسمگلنگ کا مال وہاں فروخت ہونے لگا۔ اب بڑے بڑے شہروں کے لوگ اپنی کاروں میں وہاں آتے تھے جو مال انہیں ملک کے شہروں میں نہیں ملتا تھا' وہاں اچھے سستے داموں مل جاتا تھا۔ اس طرح بچہ شاہ کی بستی جیسے پلک جھپکتے ہی آباد ہو گئی تھی۔ وہاں قانون کے محافظ نہیں آتے تھے لیکن وہ وہاں سے تقریباً دس میل دور اپنی سرحدی چوکی میں ضرور موجود رہتے تھے۔ کار میں بیٹھ کر آنے والے دولت مندوں سے رشوت لیتے تھے۔ پھر انہیں بچہ شاہ کی بستی میں جانے کی اجازت دے دیتے تھے۔ ویسے وہ بھی کار والوں کو سمجھاتے رہتے تھے کہ کوئی شور مچانے والا ہتھیار اپنی گاڑی میں رکھ کر نہ لے جائیں۔ اگر ریوالور وغیرہ ہوں تو چوکی میں جمع کرا دیں۔ واپسی میں اپنی چیزیں لے کر چلے جائیں کیونکہ وہ آسمانی بلا کسی کو معاف نہیں کرتی ہے۔

کبھی کبھی وقت اپنے آپ کو دہراتا ہے۔ ایک وقت تھا جب شاہینہ نے پہلی بار اپنے بچے کو انڈے میں سے نکلتے دیکھا تھا۔ اسی وقت اس نے ایک چٹان کے سائے میں ایک نوزائیدہ انسانی بچے کی آواز سنی تھی۔ ٹھیک اسی طرح ایک دن وہ پرواز کرتی ہوئی بستی سے بہت دور ایک پہاڑی پر بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک ہی اسے ایک چٹان کے سائے میں نوزائیدہ بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

وہ وہاں سے پرواز کرتی ہوئی اس چٹان پر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے دیکھا۔ چٹان کے سائے میں بالکل ویسا ہی منظر تھا۔ ایک عورت اپنے نوزائیدہ بچے کے ساتھ پتھریلی زمین پر لیٹی ہوئی تھی اور کراہ رہی تھی۔ اس کا مرد چٹان کے سائے میں کھڑا ہوا یوں چوکس نظر آ رہا تھا۔ جیسے اب تب میں کہیں سے دشمن کے آنے کا اندیشہ ہو۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا چاقو تھا۔ اگر اس کے ہاتھ میں رائفل ہوتی تو شاید شاہینہ اسے بھی نہ چھوڑتی۔ وہ ایسے کسی ہتھیار کو برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی جو بچوں کی زندگی چھین لیتے ہیں۔

چاقو سے بھی زندگیاں چھینی جاتی ہیں لیکن یہ بات شاید وہ نہیں جانتی تھی یا اس کے تجربے میں یہ بات نہیں آتی تھی۔ اس لئے چاقو رکھنے والے اس کے غصے سے محفوظ رہتے تھے۔ چٹان کے سائے میں مرد اپنی عورت سے کہہ رہا تھا۔ "لیلیٰ تم نے

بڑے حوصلے سے کام لیا ہے اور اب تم نے مجھے اپنے بیٹے کا باپ بنا دیا ہے۔ میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں۔ بس تمہاری مصیبت کے دن کٹنے والے ہیں بچہ شاہ کی بستی یہاں سے قریب ہے۔ سنا ہے کہ وہاں کسی کو آتشیں اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ہمارے دشمن آبھی جائیں تو وہ ایسے اسلحہ کو لے کر نہیں آسکیں گے۔ ہمیں ان کی طرف سے زیادہ خطرہ نہیں رہے گا۔"

لبنیٰ نے کراہتے ہوئے کہا۔ "کامران! آپ میری بات مان لیں۔ بستی اگر یہاں سے قریب ہے تو چلے جائیں۔ وہ لوگ آپ کے خون کے پیاسے ہیں۔ وہ آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں یہاں تنہا رہ جاؤں گی تو وہ مجھ پر اور میرے بچے پر رحم کھاسکتے ہیں لیکن آپ پر انہیں ذرا بھی رحم نہیں آئے گا۔ خدا کے لئے آپ یہاں سے چلے جائیں میں آپ کے پیچھے چلی آؤں گی۔ بس ذرا طبیعت سنبھل جائے۔"

"ایسی باتیں نہ کرو۔ میں اتنا بزدل اور بے غیرت نہیں ہوں کہ تمہیں مصیبت میں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ جاؤں۔ وہ بھی ایسے وقت جب کہ میرے بیٹے نے جنم لیا ہے۔ میری ذمہ داریاں اب اور بھی بڑھ گئی ہیں۔"

وہ کراہتے ہوئے بولی۔ "آہ' ذمہ داریاں تو بڑھتی ہی رہتی ہیں۔ جب آپ نے مجھ سے شادی کی تب ہی آپ کو سوچنا چاہئے تھا کہ ہم دو سے تین اور چار اور دس بھی ہوسکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے خاندان کو بڑھائیں گے تو اپنے دشمنوں کو نہیں بڑھانا چاہئے۔ دشمنوں کی تعداد کم سے کم ہو۔ دانشمندی یہ ہے کہ دشمن بالکل ہی نہ ہوں لیکن ہم پتہ نہیں کیوں ایسی دشمنی کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی زندگی چھین لینے کے درپے رہتے ہیں' اور جب ایسا وقت آتا ہے تو اپنی بیوی اور بچوں کی جانیں بچانے کے لئے اپنا گھربار' اپنا وطن چھوڑ کر جنگلوں' بیابانوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اب ہم جیسے لوگ بچہ شاہ بستی میں جاکر پناہ لینے لگے ہیں۔ ایسا کب تک ہوگا؟"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "ہم اپنی آن اور غیرت کی خاطر اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے۔ دشمنوں کو بے باکی سے للکارتے ہیں۔ چاہے وہ ہماری جان لے لیں یا ہم ان کی زندگی سے کھیل جائیں لیکن اب جبکہ مجھے تمہاری محبت ملی ہے اور اولاد کا سکھ چین ملنے والا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ ہم دشمنی کیوں کرتے

ہیں؟ اور یہ دشمنی کب تک نسل در نسل چلتی رہے گی؟ کیا تمہاری اولاد کو انتقام کے جنونی جذبوں سے تحفظ نہیں ملے گا؟"

اس کی بات ختم ہوتے ہی پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر آگے بڑھتے ہوئے چٹان کے اوپر دیکھا' پھر حیرانی سے بولا۔ "یہ تو وہی مادہ پرندہ معلوم ہوتی ہے جس کا ذکر شہر شہر' گاؤں گاؤں تک پہنچا ہوا ہے۔ ہمارے سر پر جو چٹان ہے یہ اس پر بیٹھی ہوئی ہے۔"

لبنیٰ نے خوش ہو کر کہا۔ "ابھی آپ نے پوچھا تھا کہ ہماری اولاد کو نسل در نسل دشمنی سے کیسے تحفظ ملے گا تو جواب مل گیا۔ اس کی موجودگی سے ہمیں تحفظ کا یقین ہوتا ہے۔ یہ وہی مامتا کی ماری ہے جس نے اپنے اور ایک انسانی بچے کی خاطر اس بستی میں آتشیں اسلحات کی پابندی لگادی ہے کسی کو خون خرابے کی اجازت نہیں دیتی۔ یقیناً ہم خدا کے بعد زمین پر اس ممتا کے سائے میں اپنے بچے کو محفوظ رکھ سکیں گے۔ آپ ہمیں یہاں چھوڑ کر جاسکتے ہیں۔ یہ ہمارے سروں پر آکر بیٹھنے والی ہماری حفاظت کرے گی۔ کسی دشمن کو ہمارے قریب نہیں آنے دے گی۔"

کامران نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جب یہ تمہاری حفاظت کرسکتی ہے تو پھر میری بھی حفاظت کرے گی۔ میں دشمنوں کے ڈر سے بستی کی طرف کیوں جاؤں؟"

"میں آپ کو کیسے سمجھاؤں؟ ہوسکتا ہے کہ دشمن چالاک ہوں۔ وہ اِدھر آنے سے پہلے اپنے ریوالور اور رائفلیں وغیرہ کہیں چھپا دیں اور اس مادہ پرندے کی خوشنودی حاصل کرلیں۔ پھر یہ آنے والے دشمنوں کو بھی کچھ نہیں کہے گی۔ سنا ہے کہ یہ صرف آتشیں اسلحات کی دشمن ہے۔"

"بے شک یہ ایسے ہتھیاروں کی دشمن ہے لیکن یہ ایسے لوگوں کی بھی دشمن ہوسکتی ہے جو بچوں کے دشمن ہوں کیونکہ یہ اپنے بچوں کا صدمہ اٹھارہی ہے یقیناً بچوں سے بہت محبت کرتی ہوگی۔ اگر ہم اس مامتا کی ماری کو اپنی داستان سنائیں تو اسے ہمارے بچے سے بھی پیار ہوجائے گا۔"

کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم کیسی مضحکہ خیز باتیں کررہی ہو۔ بھلا ایک پرندے کو ہم اپنی داستان کیا سنائیں گے اور وہ کیا سنے گی؟"

"میں نہیں جانتی کہ پرندوں کے کان ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہوتے ہیں تو وہ کیسی آوازیں سنتے ہیں؟ کن آوازوں کو پہچانتے ہیں اور کن باتوں کو سمجھ نہیں پاتے مگر میں آج ماں بن کر یہ سمجھ رہی ہوں کہ یہ جو اپنے بچے کا صدمہ اٹھانے والی ماں ہے۔ یہ ضرور میرے درد کو سمجھتی ہوگی میرے جذبوں کو' میرے اندیشوں کو یقیناً سمجھ لے گی کہ میں اپنے بچوں کی سلامتی کس طرح چاہتی ہوں۔ کیا ہرج ہے اسے اگر اپنی آپ بیتی سنادی جائے۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "سنا ہے پچھلے زمانے میں ایسے کچھ لوگ گزرے ہیں جو جانوروں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے لیکن یہ کبھی نہیں سنا کہ ایسے جانور گزرے ہوں جو انسانوں کی بولیاں سمجھ لیتے ہوں وہ تو صرف اشاروں کی زبان سمجھتے ہیں اور اشاروں سے سدھائے بھی جاتے ہیں۔"

وہ اپنے بچے کی طرف کروٹ لے کر بولی۔ "جانے دیجئے۔ میں اپنے بچے کو سناؤں گی۔ ہوسکتا ہے وہ ممتا والی بھی سن لے اور سمجھ لے۔"

وہ اپنے بچے کو ہولے ہولے پیار سے سہلاتے ہوئے بولی۔ "میرے بچے! میں تیری ماں ہوں اب سے چند گھڑیوں پہلے نہ تو بیٹا تھا نہ میں ماں تھی۔ مگر ہاں جب میں نے عورت بن کر جنم لیا تب ہی سے میرے اندر بہت دور کہیں تیرا نام لکھ دیا گیا تھا کہ ایک گھڑی آئے گی جب میں دلہن بنوں گی۔ پھر ایک گھڑی آئے گی جب میں تیری ماں بنوں گی اور وہ گھڑی آگئی ہے لیکن میرے بچے! ان مبارک لمحات کو پانے سے پہلے زندگی کے بہت سے مکروہ چہرے دیکھنے پڑتے ہیں۔

"جب میں دلہن بنی۔ میں نے ماتھے پر جھومر سجایا۔ سہاگ کا آنچل سر پر ڈالا' دلہن کا لباس پہنا تو میں نہیں جانتی تھی کہ تیرے باپ کے خاندان میں ایک طویل عرصے سے انتقامی جنون چلا آرہا ہے۔ تیرے باپ کے خاندان کے لوگ اپنے دشمنوں کو مارتے ہیں اور وہ دشمن تیرے باپ کے خاندان والوں کو مارتے ہیں۔

"یہ کیسی دنیا ہے اور ہم کیسے ہیں کہ ایک گھر کی چاردیواری بنا کر اس میں اپنی عورت اور بچے کے لئے چھت ڈال کر باہر خون کی ہولی کھیلتے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ دشمن اس گھر کی چاردیواری کو بھی آگ لگائیں گے نہ بیوی رہے گی نہ بچہ رہے گا۔

ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن امن و آشتی سے رہنے والی عقل نہیں ہے۔"

کامران شرمسار سا ہو کر بولا۔ "لبنیٰ تم مجھے طعنے دے رہی ہو؟"

"میں آپ کی شریکِ حیات ہوں' آپ کی کنیز ہوں' آپ کو کبھی طعنے نہیں دے سکتی لیکن میں ایک ماں ہوں' اس لئے آپ جیسے لوگوں کا محاسبہ کرسکتی ہوں۔"

وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "تمہارے محاسبے کا حساب یہی ہے کہ جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تب ڈوبنے کا پتہ چلتا ہے۔ پتہ نہیں ہمارے آباؤ اجداد کس زمانے سے انتقامی کارروائیاں کرتے چلے آتے ہیں؟ ہمارے خاندان میں کس بات پر جھگڑا شروع ہوا تھا؟ جس بات پر جھگڑا شروع ہوا تھا وہ بات کہیں گم ہوگئی صرف جھگڑا رہ گیا۔ اس جھگڑے میں ہم نے ایک دوسرے کی ماؤں کی کوکھ اجاڑی۔ اپنی بیویوں کے سر سے سہاگ کا آنچل کھینچ لیا اور ننھے منے معصوم بچوں کے کومل کومل سے سینوں میں بندوق کی گولی اتار دی۔"

لبنیٰ نے دل کی گہرائیوں سے اللہ تعالیٰ کو آواز دی۔ "یاالٰہی! یہ بچہ شاہ کی بستی ہمیشہ ہمیشہ آباد رہے۔ یہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں آکر سارے خون خرابے کرنے والے اپنے اپنے ہتھیار پھینک دیتے ہیں۔"

وہ بولا۔ "خدایا! ہم جیسے انتقامی جنون کے مارے بچہ شاہ کی بستی میں آتے ہیں اور اپنے کیئے پر پچھتاتے رہتے ہیں۔ اپنے بیوی بچوں کی سلامتی کے لئے دشمنوں کی طرف سے سہمے سہمے رہتے ہیں اور صرف تجھ سے دعا مانگتے ہیں کیونکہ ہتھیار پھینک دینے کے بعد صرف دعاؤں کی قبولیت کا آسرا باقی رہ جاتا ہے۔"

لبنیٰ نے کہا۔ "خدایا! میں تیرے بعد اس ماتا کی ماری مادہ پرندے سے کہتی ہوں کہ دیکھ میں بھی ایک ماں ہوں اور اپنے ننھے سے بچے کو لے کر تیری بستی میں قدم رکھنے والی ہوں' تو میرے بچے کی حفاظت کرنا۔ اگر نہ کرسکی تو میں قیامت کے دن تیرے پروں کو نوچ لوں گی اور فریاد کروں گی کہ تو ایک ناکام ماں ہے اپنے بچے کی حفاظت نہ کرسکی' پرائے بچے کو بھی دشمنوں سے محفوظ نہ رکھ سکی۔ اے ماتا کی ماری! سوچ لے' میں آرہی ہوں۔"

☆======☆======☆

وہ چاروں بچہ شاہ کی بستی کی طرف دوڑے چلے آرہے تھے۔ ان میں سے ایک نے ذرا سلیقے کا لباس پہنا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی تعلیم یافتہ اور دولت مند ہے۔ اس کی آنکھوں پر ایک عینک تھی۔ اس کے باقی تین ساتھی اپنے لباس سے ہی غنڈے بدمعاش لگتے تھے۔ ان چاروں کے شانوں پر بڑے بڑے بیگ تھے۔ شاید ان میں ان کی ضروریات کا سامان رکھا ہوا تھا۔ ایک کے پاس چاقو تھا۔ باقی تین نہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ادھر ہتھیاروں کے ساتھ گزر نہیں ہے۔

بچہ شاہ کی بستی سے تقریباً پانچ میل دور وہ لوگ ایک چٹان کے پاس ٹھٹک گئے۔ چٹان کے سائے میں پتھریلی زمین پر بہت سا خون پھیلا ہوا نظر آیا۔ عینک والے نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ہوں.......... وہ لوگ اسی راستے سے گزرے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عورت نے یہاں بچے کو جنم دیا ہے۔"

ایک نے دانت پیسنے کے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ "ہی ہی ہی حرامزادی ماں بن گئی ہے۔"

عینک والے نے انگلی اٹھا کر اس انگلی کو نہیں کے انداز میں ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، نہیں، کسی حرامزادی کو ماں مت کہو اور کسی ماں کو حرام زادی کبھی نہ کہا کرو ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ خواہ وہ دشمن کی بیوی کیوں نہ ہو۔ ہمارا جھگڑا صرف کامران سے ہے اور کامران کے بعد اس کے بچے سے۔"

ایک نوجوان نے اپنے چاقو سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "بھائی جان! دشمن کے لئے نرم الفاظ بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اسے جتنا گالیوں سے یاد کیا جائے، اتنی ہی نفرت شدید ہوتی ہے انتقام کا جذبہ اور زور پکڑتا ہے یہ لہو گرم رکھنے کا ایک بہانہ ہوتا ہے لیکن آپ کی تعلیم نے آپ کے دماغ سے یہ سب کچھ بھلا دیا ہے۔ آپ کو پتھر سے موم بنا دیا ہے۔ آپ دشمنوں کے لئے بھی نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔"

عینک والے نے اپنے نوجوان بھائی سے کہا۔ "شیر خان! میرا نام دلیر خان ہے، تعلیم نے مجھے موم بنایا ہے، بزدل نہیں بنایا ہے ہم جنہیں مٹانے جا رہے ہیں۔ انہیں گالی دینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ خاندانی روایات کے مطابق میں تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود انتقام لینے پر مجبور ہوں۔ سوچتا ہوں کہ اب ہمارے دشمنوں کے خاندان میں

صرف کامران رہ گیا ہے اور آج اگر اس کی بیوی نے اس کے بیٹے کو جنم دیا ہے تو پھر اس کے بیٹے کو بھی ٹھکانے لگانا ہوگا۔ بس یہی دو کانٹے رہ گئے ہیں اس کے بعد دشمنوں کا خاندان بالکل نیست و نابود ہو جائے گا۔ میں اس قصے کو بچہ شاہ کی بستی میں پہنچ کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ آؤ آگے بڑھیں یہاں ٹھہر کر وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔"

وہ لوگ آگے بڑھ گئے۔ دلیر خان نے اپنی عینک کو آنکھوں پر درست کرتے ہوئے اپنے بیگ میں سے ایک بڑا سا سگار کا ڈبہ نکالا پھر اس کا ڈھکن کھولا۔ اس میں سے پانچ عدد بڑے سائز کے سگار رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے چار تو بالکل صحیح طور پر سگار ہی تھے لیکن پانچواں سگار کی صورت میں آتشیں اسلحہ تھا۔ ریوالور کی طرح استعمال ہوتا تھا۔ اس کی نلکی میں صرف ایک کارتوس لگتا تھا۔ ایک سے زیادہ کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی تھی اور دلیر خان جانتا تھا کہ اسے کیسے استعمال کرنا چاہئے اور اس سے نکلے ہوئے ننھے سے کارتوس کو کس طرح دشمنوں کے سینے میں اتارنا چاہئے۔ اس نے ایک سگار کو نکال کر دانتوں سے اس کے سرے کو کاٹ کر ایک طرف تھوک دیا۔ پھر چلتے چلتے ایک جگہ رک کر اسے سلگایا پھر اس کا کش لینے کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

بچہ شاہ کی بستی میں دور تک خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ خیموں کے سائے میں دکانیں لگائی جاتی تھیں۔ اسمگلنگ کا مال ہو یا گوشت سبزیاں سب کچھ خیموں کے سائے میں فروخت ہوتا تھا۔ لوگ دور دور کے شہروں سے اسمگلنگ کا مال خریدنے آتے تھے۔ صبح سے شام تک وہاں میلہ سا لگا رہتا تھا۔ جو لوگ وہاں مستقل قیام کرتے تھے انہوں نے مٹی کے کچے مکانات بنائے تھے۔ بہت سے مکانات لکڑیوں کے شہتیروں سے بنے ہوئے تھے اور ایسے مضبوط لکڑیوں کے مکانات دو منزلہ بھی تھے۔ وہاں آکر عارضی رہائش اختیار کرنے والوں کو ان مکانات کے ایک آدھ کمرے کرائے پر بھی مل جاتے تھے۔

دلیر خان اور شیر خان نے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ ایسا ہی ایک مکان کرائے پر حاصل کر لیا۔ لکڑی کے شہتیروں سے بنے ہوئے مکان کا نچلا حصہ دو کمروں پر مشتمل

تھا۔ اوپر ایک کمرہ تھا۔ دلیر خان نے کہا۔ "شیر خان! تم ان دو آدمیوں کے ساتھ یہاں نیچے رہو گے تمہارے لئے یہ کمرہ مخصوص ہے۔ یہ دونوں اس بازو والے کمرے میں رہیں گے اور میں اوپر رہوں گا۔ آؤ ہم اوپر چلتے ہیں۔"

وہ انہیں لے کر اوپر کے کمرے میں آیا۔ وہاں سے چاروں طرف بازار نظر آتا تھا۔ خیمے ہی خیمے دکھائی دیتے تھے۔ لوگوں کا شور سنائی دیتا تھا اور آنے والے نئے چہرے بھی نگاہوں کے سامنے رہتے تھے۔ دلیر خان نے کہا۔ "یہاں سے میں نظر رکھوں گا کامران شاہ ضرور ادھر سے گزرے گا تو مجھے نظر آجائے گا۔"

شیر خان نے پوچھا۔ "بھائی جان! کیا آپ یہاں بیٹھ کر اپنے دشمن کا انتظار کریں گے؟ یہ بستی بہت زیادہ بڑی نہیں ہے ہم چند منٹ میں کامران شاہ کو ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"بے شک ہم ایسا کرسکتے ہیں لیکن اسے تلاش کرکے یہاں کے لوگوں پر یہ تاثر نہ چھوڑو کہ ہم کسی کو قتل کرنے آئے ہیں۔ یہاں کے لوگ ایک دوسرے سے سہمے ہوئے بھی رہتے ہیں' محتاط بھی رہتے ہیں اور حملہ کرنے والوں کو روکتے بھی ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ اس بستی میں خون خرابہ ہو۔ ہم کامران شاہ کو تلاش کریں گے تو بہت سے لوگ اس کی حمایت میں ڈھال بن جائیں گے۔"

"بھائی جان! آپ کے منصوبے میں کھوٹ معلوم ہوتا ہے یوں لگتا ہے جیسے آپ دشمن کو جان بوجھ کر ڈھیل دے رہے ہیں۔ اس طرح تو وہ یہاں سے بھی فرار ہوجائے گا۔"

دلیر خان نے عینک اتار کر اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔ "شیر خان! بے شک ہم ایک ماں کے بیٹے نہیں ہیں۔ ہماری دو مائیں ہیں لیکن ہمارا تمہارا باپ ایک ہے۔ میں یہ کیسے بھول سکتا ہوں کہ کامران شاہ نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ جو درد تمہارے دل میں ہے وہی میرے دل میں بھی ہے۔ میں دشمن کو ڈھیل نہیں دے رہا ہوں مصلحت سے کام لے رہا ہوں۔ تمہیں بھی سمجھا رہا ہوں کہ کامران شاہ اگر کچھ لوگوں کے ساتھ نظر آئے تو اسے بالکل نظرانداز کردو۔ اجنبی کی طرح اس کے پاس سے گزر جاؤ' اسے چھیڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کے لئے

ہمارے یہ دو کرائے کے آدمی کافی ہیں۔"

اس نے ان دونوں غنڈوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "گبرو! اور جھپرو! میں تم دونوں کو پہلے سمجھا چکا ہوں کہ کامران شاہ کو ہم اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے۔ تم دونوں صرف نہتے اس سے مقابلہ کرو گے' اسے اتنے زخم دو گے اور اس قدر دہشت زدہ کرو گے کہ وہ زخموں سے چُور ہو کر یہاں سے بھی بھاگ نکلے۔ جب وہ اس بستی سے دور ایسی جگہ پہنچے گا جہاں ہم اسے گولی کا نشانہ بنا سکیں یا شیر خان اسے اپنے چاقو سے ہلاک کرسکے تو پھر تم دونوں کا کام ختم ہوجائے گا۔"

"بھائی جان! میرا مشورہ ہے کہ یہاں اور دو چار آدمیوں کو کرائے پر حاصل کرلیا جائے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کامران شاہ شہ زور بھی ہے اور شاطر بھی ہے۔ دو آدمیوں کے بس کا نہیں ہے۔"

"ہوں۔ تمہارا مشورہ معقول ہے۔ ہم تھوڑی دیر یہاں تھکن اتارلیں' پھر باہر نکل کر اپنے کام کے آدمیوں کو تلاش کریں گے۔ تم لوگ نیچے جاؤ' میں تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔"

شیر خان اپنے دو کرائے کے غنڈوں کے ساتھ اوپری کمرے سے اتر کر نیچے آگیا۔ گبرو نے شیر خان سے کہا۔ "صاحب! وہ بڑے خان صاحب تو کچھ ڈھیلے نظر آتے ہیں۔"

شیر خان نے سفاکی سے مسکرا کر کہا۔ "میں تو ڈھیلا نہیں ہوں؟"

یہ کہہ کر اس نے اپنی کمر سے چاقو نکالا' پھر کہا۔ "دیکھو! وہ سامنے دروازے پر ایک چھوٹا سا دائرہ نظر آرہا ہے۔ یہ چاقو ٹھیک اس دائرے کے وسط میں پیوست ہوجائے گا۔"

یہ کہہ کر اس نے چاقو کی نوک پکڑ کر نشانہ لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چاقو فضا میں تیر کی طرح گیا پھر اس لکڑی کے ننھے سے دائرے میں بیچوں بیچ کھٹ کی آواز کے ساتھ پیوست ہوگیا۔ وہ دونوں کرائے کے بدمعاش تعریفی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھ کر چاقو کو وہاں سے نکال کر بولا۔ "اب بتاؤ! میں تو ڈھیلا نہیں ہوں؟ ویسے تم لوگوں نے میرا ساتھ نہیں دیا تو دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

گبرو نے کہا۔ "صاحب! ہمیں تو آپ ہی لے کر آئے تھے اور آپ ہی نے بڑے خان صاحب سے ملاقات کرائی تھی۔ معاوضہ بڑے خان صاحب نے طے کیا لیکن دوستی تو آپ سے رہی ہے۔"

شیر خان نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں میرے وفادار رہو۔ کبھی ایسا موقع آئے کہ بھائی جان نے ڈھیل دی اور دشمن فرار ہونا چاہے تو اس وقت تم لوگ میرے حکم کی تعمیل کرو گے۔"

جھپرو نے کہا۔ "جناب! آپ جس وقت کہیں گے اسی وقت آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ بس ذرا معاوضے کا خیال رکھیں۔ بڑے خان صاحب نے جو کچھ دیا ہے وہ کافی نہیں ہے۔ کچھ آپ کو بھی تو.........."

شیر خان نے تائید میں سرہلا کر کہا۔ "ہاں' ہاں' ضرور' آج رات کو میں تمہیں دو ہزار دوں گا۔ تم لوگ آپس میں بانٹ لینا۔ کام ختم ہونے کے بعد اور دو ہزار تمہیں ملیں گے۔ بولو ٹھیک ہے۔"

وہ راضی ہوگئے۔ شام ہوتے ہی بازار بند ہوجاتے تھے۔ وہاں کی بھیڑ بالکل ختم ہوجاتی تھی۔ جو میلہ وہاں لگا رہتا تھا۔ وہاں کی رونق قمار خانوں میں منتقل ہوجاتی تھی۔ قمار خانے' شراب خانے اور چکلے آباد ہوجاتے تھے۔ ایسی ہی جگہوں پر کرائے کے قاتل پائے جاتے ہیں۔ شیر خاں انہی کی تلاش میں قمار خانے میں چلا آیا۔

قمار خانے کی فضا دھوئیں اور شراب کی بو سے اٹی ہوئی تھی لوگ مختلف میزوں پر طرح طرح کی بازیاں لگا رہے تھے اور اونچی اونچی آواز میں بول رہے تھے۔ ایک شخص چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "ہم اس بستی میں آکر مرد سے عورت بن گئے ہیں۔ عورتوں کی طرح سہمے سہمے رہتے ہیں کہ کہیں سے کوئی دشمن آکر ہمیں جان سے نہ مار ڈالے۔ ہمارے پاس اپنی حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہے۔ ہم یہ سوچ کر رہ جاتے ہیں کہ جب ہم نہتے ہیں تو ہمارا دشمن بھی نہتا ہوگا۔ اگر وہ ہتھیار سے لیس ہو کر آئے گا تو وہ مادہ پرندہ اسے یہاں آنے نہیں دے گی۔"

وہ ہوا میں گھونسہ لہراتے ہوئے بولا۔ "میں پوچھتا ہوں۔ وہ مادہ پرندہ کیا چیز ہے' اگر ٹھائیں سے ایک گولی چلادی جائے تو وہ پہاڑی پر سے گر کر مرجائے گی۔ پرواز

کرنا بھول جائے گی۔ کسی ہتھیار والے پر حملہ نہیں کرسکے گی۔ اس کا قصہ تمام ہوجائے گا تو ہمارے پاس ہتھیار ہی ہتھیار ہوں گے۔ پھر ہمیں کسی دشمن کا خوف نہیں رہے گا۔"

دوسری طرف سے ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔ "میں جانتا ہوں تم لوگوں نے اس بے چاری مادہ پرندہ کے خلاف تحریک چلائی ہے تم لوگ یہاں کسی طرح آتشیں اسلحات لانا چاہتے ہو۔ یہاں خون خرابے کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہو۔ تم لوگ کیسے انسان ہو۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی ایک جگہ تو ایسی رہنے دو۔ جہاں انسان ہاتھ میں بندوق لے کر نہیں' گلاب کا پھول لے کر ایک دوسرے سے ملے' دشمنی اسی طرح ختم ہوگی۔ دیکھ لو کہ ہم اس بستی میں آکر لڑنا جھگڑنا بھول گئے ہیں۔"

تیسری طرف سے کسی نے کہا۔ "کیا اس بستی میں لڑائی جھگڑے نہیں ہوتے ہیں؟ آئے دن تو دنگے فساد ہوتے رہتے ہیں۔"

اس شخص نے جواب دیا۔ "ہاں! ایسے چھوٹے موٹے جھگڑے دنیا کے کس حصے میں نہیں ہوتے ہیں؟ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد لوگ پھر آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔ جھگڑے کو بھول جاتے ہیں۔ کوئی کسی کی جان تو نہیں لیتا ہے۔ زندگی بہت قیمتی چیز ہے۔ ایک بار ملتی ہے اور ایک بار چلی جائے تو دوبارہ نہیں ملتی۔ کیا اتنی سی بات کو سمجھانے کی ضرورت ہے؟"

شیر خان نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا کوئی جانی دشمن نہیں ہے۔ اس لئے بندوق کے بجائے گلاب کے پھول کی باتیں کررہے ہو۔"

اس شخص نے کہا۔ "دیکھو دوست! ہم نفرت سے جسے دشمن بناتے ہیں' محبت سے اس کو دوست بنا سکتے ہیں اگر کوئی تمہارا جانی دشمن ہے تو مجھے بتاؤ۔ میں تمہیں اس کا اور اس کو تمہارا دوست بنادوں گا۔"

وہ امن پسندی کی باتیں کررہا تھا۔ اس کی بات ختم ہوتے ہی اچانک ایک شخص نے اس کے منہ پر گھونسہ جڑ دیا۔ بے چارہ کرسی سمیت پیچھے کی طرف لڑھک گیا۔ گھونسہ مارنے والے نے کہا۔ "میں تمہارا دشمن ہوں۔ آؤ مجھے دوست بناؤ' میں دیکھتا ہوں کیسے تم گلاب کا پھول ہاتھوں میں لے کر مجھے دوست بنا سکتے ہو؟"

وہ فرش پر سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "بھائی! مجھ سے کیا دشمنی ہے؟ ہم تو کبھی ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں تھے۔ خواہ مخواہ مجھ پر کیوں ہاتھ اٹھا رہے ہو؟"

گھونسہ مارنے والے نے کہا۔ "میں دوسری بار پھر تمہاری پٹائی کروں گا۔ تم ہماری تحریک سے متفق ہوگے یا نہیں؟ اس بستی میں ہتھیار آنے چاہئیں ہم یہاں عورتوں کی طرح چوڑیاں پہن کر نہیں رہ سکتے۔ ہم مرد ہیں اور ہمارے جسم پر ہتھیار سجتے ہیں۔"

"تم لوگ اس بستی میں رہ کر اپنے جسموں پر ہتھیار نہیں سجا سکو گے۔ یہ مادہ پرندہ تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

وہ حقارت سے بولا۔ "اونہہ! ہم سب سے پہلے اسی پرندے کو گولی سے اڑا دیں گے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔"

"افسوس! جس کی وجہ سے یہ امن پسند بستی قائم ہوئی ہے تم اسی کو مار ڈالنا چاہتے ہو؟ جس شاخ پر آشیانہ بنا رکھا ہے اسی کو کاٹ ڈالنا چاہتے ہو۔"

اس کے منہ پر پھر ایک گھونسہ پڑا۔ وہ پھر زمین پر گر پڑا سب لوگ قہقہے لگانے لگے۔ قمار خانے اور شراب خانے میں آنے جانے والے لوگ ہتھیار چاہتے تھے۔ ہتھیار کے بغیر خود کو خالی خالی سمجھتے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ کسی کی جان لینا نہیں چاہتے۔ کسی سے جھگڑا کرنا نہیں چاہتے۔ صرف اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار چاہتے ہیں۔ دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو ایسا دعویٰ نہ کرتا ہو۔ صرف اپنی حفاظت کی بات کہہ کر دوسروں پر چڑھ دوڑنے کے لئے ہتھیار کا سہارا لیا جاتا ہے اور اب بچہ شاہ کی بستی میں بھی یہی شوق سر اٹھا رہا تھا۔

شیر خان نے اس گھونسہ مارنے والے کے پاس آکر اس کے شانے پر تھپکتے ہوئے کہا۔ "شاباش! کیا لڑنا چاہتے ہو؟"

گھونسہ چلانے والا بولا۔ "میں مارنا بھی جانتا ہوں اور مرنا بھی جانتا ہوں۔"

"بہت خوب! مجھے تمہارے جیسے آدمی کی ضرورت ہے تم یہاں کیا کرتے ہو؟"

"ایک ٹرک ڈرائیور ہوں اور ہتھیار اسمگل کرکے اس بستی میں لاتا ہوں۔ وہ مادہ پرندہ چٹانوں کی بلندی سے نہیں دیکھ سکتی کہ ٹرک وغیرہ میں کون کون سا مال آرہا

ہے اور کس مال کے اندر ہتھیار چھپا کر لائے جا رہے ہیں۔ ہتھیاروں کو گھر کے اندر چھپا کر رکھو تو وہ گھر کے اندر گھس کر دیکھ نہیں سکتی۔ اُدھر پہاڑوں کی بلندی پر پرواز کرتی رہتی ہے۔ صرف اتنا دیکھتی ہے کہ کوئی اپنے ہاتھوں میں ہتھیار اٹھا کر نہ لا رہا ہو۔"

شیر خان نے پوچھا۔ "اچھا' تو یہاں چپکے چپکے ہتھیار پھیل رہے ہیں؟"

وہ بولا۔ "ہاں! جو اسمگلر یہ سامان منگواتا ہے وہ بڑا منافع حاصل کر رہا ہے منہ مانگی قیمت پر ہتھیار بیچتا ہے۔ کتنے ہی ضرورت مند ہیں۔ وہ لوگ خریدتے ہیں اور اپنے یہاں چھپا کر رکھتے ہیں۔ آج کل میں ہی یک بیک یہ ہتھیار باہر نکلیں گے اور سب سے پہلے اس مادہ پرندہ کا خاتمہ کیا جائے گا۔"

☆------☆------☆

بچہ رو رہا تھا۔ وہ تو نہ شہد چاٹنا چاہتا تھا نہ دودھ پی رہا تھا۔ لبنیٰ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کس طرح چپ کرائے اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اسے تکلیف کیا ہے؟ کامران نے کہا۔ "یہ ایسے چپ نہیں ہوگا۔ تمہیں بچے پالنے کا تجربہ نہیں ہے میں کسی بوڑھی دائی کو ڈھونڈ کر لاتا ہوں۔ وہی اس کی تکلیف کو سمجھ سکے گی۔"

لبنیٰ نے کہا۔ "نہیں! میں آپ کو نہیں جانے دوں گی۔ رات کا وقت ہے۔ آپ اکیلے جائیں گے۔ پتہ نہیں دشمن کس طرف سے آنکلیں۔ شاید وہ لوگ اس بستی میں آچکے ہوں۔"

کامران شاہ نے سرہانے سے چاقو نکالتے ہوئے کہا۔ "میں بزدل نہیں ہوں۔ تم ماں بچے کے تحفظ کے لئے اِدھر بھاگ کر چلا آیا۔ ورنہ اپنے ہی علاقے میں ان لوگوں سے نمٹ لیتا۔"

وہ جانے لگا۔ لبنیٰ نے آواز دی۔ "میری بات مان لیجئے! خدا کے لئے باہر مت جایئے۔"

وہ دروازے سے پلٹ کر بولا۔ "تم اس دروازے کو اندر سے بند رکھو۔ بچہ روئے جا رہا ہے۔ میں یہاں سکون سے بزدلوں کی طرح چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اپنے

بچے کی تکلیف دور کرنے کے لئے مجھے ہر حال میں جانا ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر آیا۔ اس نے بھی لکڑی کے شہتیروں سے بنے ہوئے دو منزلہ مکان کو کرایہ پر لیا تھا۔ اوپر خود رہتا تھا نیچے دوسری فیملی آباد تھی۔ وہ زینے سے اترتا ہوا مکان کے برآمدے میں آیا۔ وہاں اس نے نیچے والی فیملی کا دروازہ کھٹکھٹا کر پوچھا کیا یہاں کوئی بوڑھی تجربہ کار عورت مل سکتی ہے جو بچے کی تکلیف سمجھ سکے۔"

ایک آدمی نے بتایا۔ "سامنے ہی نکڑ پر جو لکڑی کا مکان ہے وہاں ایک بوڑھی عورت رہتی ہے۔ وہ تمہارے کام آسکے گی۔"

وہ اس کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچا۔ مکان قریب ہی تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی اور اپنا مدعا بیان کیا۔ بڑھیا نے پوچھا۔ "تمہارے پاس گھٹی اور مالش کا سامان ہے؟"

"نہیں ماں جی! ہم باہر سے آئے ہیں' پردیسی ہیں۔ ہمارے کچھ نہیں ہے۔"

بڑھیا اندر گئی اور پھر تمام سامان لے کر باہر آگئی۔ وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا اس گلی سے گزرتا ہوا اپنی رہائش گاہ کے سامنے پہنچا۔ اسی وقت اس کے کانوں میں دلیر خان کی آواز گونجتی ہوئی آئی۔ "اوئے شاہ خاناں! تو اِدھر ہے؟"

کامران شاہ نے فوراً ہی پلٹتے ہوئے' اپنے چاقو کو ایک کھٹاکے سے کھولتے ہوئے دیکھا۔ سامنے پندرہ گز کے فاصلے پر دلیر خان نہتا کھڑا ہوا تھا۔ اسے نہتا دیکھ کر کامران شاہ کو ذرا اطمینان ہوا۔ پھر اس نے کہا۔ "اچھا! تو تم دلیر جاناں ہو؟ میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں بھی پہنچ گئے؟"

دلیر خان نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کے انداز میں کہا۔ "اوئے خبردار! دلیر خان کہو' جاناں مت کہو! جاناں کہنے کی دوستی اور محبت ختم ہوچکی ہے۔"

"دلیر خان! دوستی اور محبت تو ہمارے خاندان کے درمیان کبھی نہیں رہی۔ صرف ہم اور تم دوستی کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے کالج کے زمانے میں ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے علاقے میں پہنچ کر صدیوں کی اس دشمنی کا خاتمہ کریں گے۔ تعلیم کی روشنی میں اپنے اپنے خاندان کے لوگوں کو سمجھائیں گے کہ جتنے خون خرابے ہونے

تھے ہوچکے' جتنی جانیں ضائع ہونی تھیں۔ ہوچکیں اب تعلیم کی روشنی میں ہم محبت کے چراغ روشن کریں گے۔"

دلیر خان نے نفرت اور حقارت سے کہا۔ "اور تم نے محبت کے ان چراغوں کو اپنے علاقے میں پہنچتے ہی گل کردیا؟ بتاؤ' تم نے وعدہ خلافی کیوں کی؟ تم نے میرے باپ کو قتل کیوں کیا؟"

کامران شاہ نے کہا۔ "یہ جھوٹ ہے میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھا کر کہتا ہوں اور اپنے نوزائیدہ بچے کی قسم کھا کر کہتا ہوں' میں نے تمہارے باپ کو قتل نہیں کیا ہے۔ ہم دونوں اچھے طالب علم تھے۔ ہم نے نفرت کو کالج کے باہر ہی تھوک دیا تھا۔ پھر اپنے علاقے میں پہنچ کر میں نفرت کی راہیں کیسے ہموار کرسکتا تھا؟ کچھ تو سوچو' دلیر خان!"

وہ دونوں للکارنے کے انداز میں ایک دوسرے سے گفتگو کررہے تھے۔ رات کے سناٹے میں ان کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی۔ آس پاس کے مکانوں اور دکانوں سے لوگ نکل آئے تھے اور اب بھیڑ بڑھتی جارہی تھی۔ ان دونوں کے درمیان راستہ صاف تھا۔ لوگ ان کے اطراف ذرا دور دور کھڑے ہوئے تھے۔ دلیر خان نے کہا۔ "اگر تم سچے ہوتے تو اپنا علاقہ چھوڑ کر نہ آتے اور ہاتھ میں یہ چاقو لئے نہ گھومتے۔"

"دلیر خان! میری مجبوری کو سمجھو۔ میں اپنی سچائی ثابت نہیں کرسکتا تھا۔ پتہ نہیں کس خنزیر کے بچے نے تمہارے باپ کو قتل کیا اور الزام مجھ پر آگیا۔ ویسے کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ جس وقت تمہارے باپ کا قتل ہوا' میں وہاں سے چار میل کے فاصلے پر اپنے گھر کے اندر تھا اور تمہارے باپ کا قتل میری رائفل سے نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی دوسری رائفل کی گولی تھی۔"

اس نے انکار میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "میں یقین نہیں کرسکتا۔ تم کرائے کی بندوق بھی حاصل کرسکتے تھے۔ کسی سے تھوڑی دیر کے لئے ہتھیار مانگ کر قتل کرنے کے بعد اسے واپس کرکے چپ چاپ گھر میں آکر بیٹھ سکتے ہو۔ یہ کوئی تمہاری بے گناہی کا ثبوت نہیں ہے۔"

"تو پھر مجھے مہلت دو تاکہ میں اس قاتل کو گرفتار کراسکوں۔ میں جب تک اصل قاتل کو بے نقاب نہیں کروں گا۔ اس وقت تک اپنے علاقے میں نہیں جاسکوں گا۔"

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں ایک ہفتے کی مہلت دوں گا اور تمہارے خلاف انتقامی کارروائی نہیں کروں گا۔ تم اپنے علاقے میں واپس چلو' وہیں جاکر تم اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کرسکو گے۔"

کامران شاہ نے انکار میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں دلیر خان میں تمہاری زبان پر بھروسہ کرسکتا ہوں۔ اس لئے کہ دو برس تک تمہارے ساتھ تعلیم حاصل کی ہے لیکن تمہارا بھائی شیر خان نرا جاہل ہے وہ عقل کی بات سمجھنا نہیں چاہتا۔ وہ کسی بھی وقت مجھے ہلاک کرسکتا ہے۔"

"شاہ خاناں! تم کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہو۔ اگر تم نے میرے باپ کو قتل نہیں کیا ہے تو کیا تم بچہ شاہ کی بستی میں رہ کر اصل قاتل کو گرفتار کرسکو گے؟"

کامران شاہ نے سرہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں! اگر تم میرے تعاقب میں آسکتے ہو تو وہ قاتل بھی میرے پیچھے آئے گا۔ وہ چاہے گا کہ میں کسی طرح مار ڈالا جاؤں تاکہ اس کے خلاف کارروائی کرنے والا کوئی موجود نہ رہے۔ تم یقین کرو دلیر خان! اس وقت میں صرف تمہارے جیسے ایک دشمن کی زد میں نہیں ہوں بلکہ دو دو دشمن مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔ تمہارے علاوہ وہ قاتل بھی یقیناً اسی بستی میں آچکا ہوگا۔ یا آئے گا تاکہ یہ قصہ ہی ختم ہوجائے۔"

دلیر خان چند لمحوں تک اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا پھر تائید میں سرہلا کر بولا۔ "تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔ اگر تم نے قتل نہیں کیا ہے تو وہ قاتل تمہارے پیچھے ضرور آئے گا۔ تمہیں ضرور ختم کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ ہمارا شبہ یقین میں بدل جائے اور ہم تمہارے مرنے کے بعد بھی تمہیں قاتل سمجھتے رہیں۔ بہرحال! میں تمہیں مہلت دوں گا۔ میں جانتا ہوں تم وعدے کے پکے ہو۔ زبان کے دھنی ہو' مجھ سے وعدہ کرو کہ جب تک اصلی قاتل کو بے نقاب نہیں کرو گے۔ یہ بستی چھوڑ کر نہیں جاؤ گے۔ اگر جاؤ گے تو کتابوں سے حاصل کی ہوئی ہماری تمہاری دوستی کو ہمیشہ کے لئے

دشمنی میں بدل دو گے۔"

"دلیر جاناں! میں وعدہ کرتا ہوں کہ صرف میں ہی نہیں' میرا بچہ بھی اس بستی میں اس وقت تک رہے گا جب تک کہ میں اصل قاتل کو بے نقاب نہیں کروں گا۔ میں اور میرا بچہ خاندان کے آخری چشم وچراغ ہیں۔ اسی طرح تم اور تمہارا بھائی شیر خان اپنے خاندان کے آخری افراد ہو۔ اگر میں نے اپنی سچائی ثابت نہ کی تو ہم میں سے کسی نہ کسی خاندان کے چراغ ہمیشہ کے لئے بجھ جائیں گے۔ میں تمہاری دی ہوئی مہلت سے ضرور فائدہ اٹھاؤں گا۔"

دلیر خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "اچھی بات ہے اب میں تم سے ایک ہفتے کے بعد بات کروں گا' خدا حافظ!"

یہ کہہ کر وہ پلٹ گیا اور وہاں سے جانے لگا۔ لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ کتنے ہی لوگ ان کی تعریفیں کر رہے تھے کوئی کہہ رہا تھا۔ "دونوں ہی سمجھ دار ہیں۔ ہم میں سے کسی کو بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں پڑی۔"

دوسرے نے کہا۔ "ہاں! کسی صلح صفائی کے بغیر ہی دونوں ایک بات پر راضی ہوگئے ہیں۔ سچ ہے ایک انسان کو اتنی مہلت ملنی چاہئے کہ وہ دوسرے کو سمجھ سکے اور اپنی بات سمجھا سکے۔"

کامران شاہ اپنی رہائش گاہ کے برآمدے میں آیا۔ پھر وہاں سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔ لبنیٰ چھجے پر کھڑی ہوئی ان لوگوں کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے کامران شاہ کو صحیح سلامت دیکھ کر خدا کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ بچہ اب پُرسکون ہے۔

کامران شاہ نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ دشمن سمجھدار ہے اور میری باتیں سمجھ لیتا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح اپنی بے گناہی ثابت کرسکوں۔"

لبنیٰ نے تشویش کا اظہار کیا۔ "اگر آپ اپنی بے گناہی ثابت نہ کرسکے تو کیا ہوگا؟"

"مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ وہ میرا ساتھ دے گا اور جو مجرم ہے اسے بے نقاب کرے گا۔ یہ ایک ہفتہ اگرچہ اطمینان کا ہے لیکن مجھے شیر خان کی طرف سے اطمینان نہیں ہے۔ وہ جاہل' اجڈ اور گنوار ہے۔ صرف لڑنے مرنے کی باتیں جانتا

ہے۔ سمجھ داری اسے چھو کر بھی نہیں گزری ہے۔ بہر حال دیکھا جائے گا۔ آؤ' کمرے میں چلیں۔"

رات کے دو بج رہے تھے۔ دلیر خان اپنی رہائش گاہ کے برآمدے میں آیا۔ پھر وہاں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپری کمرے کی طرف جانے لگا۔ وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے گیا تھا لیکن اسے کھلا ہوا پایا۔ اندر روشنی بھی تھی۔ اس نے باہر سے پوچھا۔ "اندر کون ہے؟"

شیر خان کی آواز آئی۔ "میں ہوں۔ چلے آیئے۔"

وہ دروازے کے اندر آیا تو شیر خان کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور ریوالور کی نال سیدھی دلیر خان کی طرف نشانہ لئے ہوئے تھی۔ وہ ٹھٹک کر بولا۔ "یہ کیا ہے؟"

شیر خان نے کہا۔ "آپ دروازہ بند کر دیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کم بخت مادہ پرندہ اس ہتھیار کو دیکھ لے اور میری بوٹیاں نوچنے چلی آئے۔"

دلیر خان نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر پوچھا۔ "یہ ہتھیار اس بستی میں کیسے آیا؟"

شیر خان نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اسمگلنگ کس ملک میں نہیں ہوتی۔ کس بندرگاہ اور کس سرحد کے آرپار نہیں ہوتی۔ یہ تو پھر بھی بچہ شاہ کی بستی ہے۔ اس کے اطراف نہ تو کوسٹ گارڈز ہیں۔ نہ ہی کسٹم پولیس کے افراد ہیں۔ یہاں یہ ہتھیار چھپا کر لائے جا رہے ہیں اور چوری چھپے خرید کر کتنے ہی گھروں میں رکھے جا رہے ہیں۔ کل صبح ایک بہت بڑا انقلاب برپا ہوگا۔"

دلیر خان اسے ٹٹولتی ہوئی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "تم اتنی ساری معلومات کہاں سے حاصل کر کے آئے ہو؟ اور وہ انقلاب کیا ہے جو کل برپا ہونے والا ہے۔"

"میں قمار خانے میں اپنا وقت گزار رہا تھا۔ ایسی جگہ سے ایسی معلومات حاصل ہو جایا کرتی ہیں۔ سب ہی لوگ اس مادہ پرندہ کے خلاف ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ ہم سب مرد ہیں اور بچپن سے ہتھیاروں کے ساتھ کھیلتے آئے ہیں۔ ان کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ ہمیں اپنے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا ہے

کہ کل صبح سورج نکلنے کے بعد ہم چاروں طرف سے اس مادہ پرندے کو گھیر لیں گے پھر اسے شکار کریں گے۔"

دلیر خان نے کہا۔ "کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم شرافت کی زبان نہیں سمجھتے۔ صرف گولیوں کی زبان سمجھتے ہیں۔ دنیا کی کوئی سرحد ایسی نہیں ہے جہاں سے ٹینک' گولہ بارود اور بندوق ہٹا دی جائیں اور صرف محبت کا پہرہ بٹھا دیا جائے۔ لوگ اس مادہ پرندے کی ممتا اور محبت کو نہیں سمجھ رہے۔ یہاں کچھ عرصے کے لئے امن وامان قائم رہا۔ مجرموں کو پناہ ملی۔ دشمنوں کے ستائے ہوئے لوگ یہاں آ کر محفوظ رہے۔ اب وہی لوگ اس بات پر تلملا رہے ہیں کہ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں کیوں نہیں ہیں۔ ایک مادہ پرندے کی دہشت کیوں طاری ہے؟ دراصل اس کی دہشت نہیں ہے۔ بے چاری کی محبت ہے' اس محبت کو دہشت کا نام دے کر کل اسے شکار کیا جائے گا۔ یہ نہایت ہی افسوس کا مقام ہے۔"

"آپ اس پرندے کی بات کو جانے دیں۔ یہ بتائیں' کیا......... کامران شاہ سے سامنا ہوا تھا۔"

"ہاں' ابھی ہوا تھا۔ میں نے اسے ایک ہفتے کی مہلت دی ہے۔"

شیر خان ایک دم سے بپھر کر بولا۔ "کس بات کی مہلت دی ہے؟ کیا آپ کی رگوں میں ہمارے مقتول باپ کا جو لہو ہے وہ گرم نہیں ہوا۔ آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا؟"

"شیر خان! بات سمجھا کرو۔ وہ قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ اس نے ہمارے باپ کو قتل نہیں کیا ہے۔ اس نے مجھ سے مہلت مانگی ہے۔ وہ اصلی قاتل کو بے نقاب کرے گا۔"

"وہ اپنے بچاؤ کی باتیں کر رہا ہے اور آپ اس کی باتوں میں آ گئے۔ ہمارے باپ کا اور ہمارے خاندان کا اس کے سوا کوئی دشمن نہیں رہا۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ سب ہمارے ملنے جلنے والے ہمارے دوست احباب ہیں۔ کسی سے ہماری دشمنی نہیں ہے۔ کون ہمارے باپ کو قتل کر سکتا ہے۔ صرف کامران شاہ نے ایسا کیا ہے۔"

"ہاں' حالات یہی کہتے ہیں لیکن میں کامران شاہ کو کالج کے زمانے سے جانتا

ہوں۔ وہ جتنا دلیر ہے اتنا ہی زبان کا سچا اور اپنے ارادے کا پکا ہے۔ جب وہ ایک بات کہتا ہے تو میں اس پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتا ہوں' میں اسے بارہا آزما چکا ہوں۔ میں نے اس لئے مہلت دی ہے کہ وہ سچا ہے تو اصل قاتل کو بے نقاب کر دے۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ وہ یہ بستی چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ اتنا میں جانتا ہوں۔ پھر ہم ایک ہفتے کے بعد اس سے نمٹ لیں گے۔"

شیر خان نے اپنی جیب سے نسوار کی ڈبیہ نکالی۔ ایک چٹکی نسوار نکال کر اپنی داڑھ میں دبا کر اسے بند کیا۔ پھر یہ بولتا ہوا چلا گیا۔ "انتظار آپ کریں مجھے موقع ملے گا تو میں اسے گولی سے اڑا دوں گا۔"

وہ چلا گیا۔ دلیر خان تھوڑی دیر تک اس خالی دروازے کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی جیب میں دو عدد سگار رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک اصلی سگار تھا اور دوسرا نقلی۔ وہ نقلی پنسل ریوالور تھا جو کہ سگار کے خول میں لپٹا ہوا تھا۔ جس وقت وہ کامران شاہ سے گلی میں کھڑا ہوا باتیں کر رہا تھا اس وقت بھی وہ خطرناک سگار اس کی جیب میں تھا لیکن وہ اسے مہلت دے کر چلا آیا تھا۔ اس نے دوسرے سگار کو لے کر پریشانی کی حالت میں سوچا کیا جائے؟ یہ شرافت سچ مچ آدمی کو بزدل اور سمجھدار بنا دیتی ہے۔ سمجھوتے کی راہیں ہموار کرنے کے طریقے بتا دیتی ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر ابھی کامران شاہ کا کام تمام ہو جاتا۔

اس نے سگار کے سرے کو دانتوں سے دبا کر تھوکا۔ پھر اسے سلگانے لگا۔ اس کے بعد ایک گہرا کش لیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔ جب وہ دھواں چھوڑنے لگا تو اس دھوئیں کے غبار میں اسے شیر خان کی ماں کا چہرہ نظر آیا۔ وہ اس کی سوتیلی ماں تھی اور غصے میں کہہ رہی تھی۔ "دلیر خاناں! تیری غیرت کو کیا ہو گیا ہے۔ تو جب سے کتابیں پڑھنے لگا ہے رائفلوں کو چھونا بھول گیا ہے۔ کیا جب کوئی تیرے خاندان کا ایک اور فرد مارا جائے گا' تب تجھے غیرت آئے گی؟"

دلیر خان کا باپ ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا کھانس رہا تھا۔ وہ کئی دنوں سے بیمار تھا۔ اس نے کھانستے ہوئے کہا۔ "دلیر خاناں! میں نے تجھے اس لئے کالج میں نہیں پڑھایا ہے کہ تو بزدل بن جائے اور اپنی خاندانی روایات کو بھلا دے؟"

وہ کھانستا جا رہا تھا اور بولتا جا رہا تھا۔ آج وہ بولنے والا اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ اس نے سچ کہا تھا۔ "جب کامران شاہ مجھے گولی مارے گا تب تجھے عقل آئے گی دشمنوں کو ڈھیل نہیں دینی چاہئے۔ انہیں پہلی فرصت میں گولی سے اڑا دینا چاہئے۔"

وہ بے چینی کی حالت میں سگار کے کش لے رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔ کیا اس نے ڈھیل دی ہے؟ کیا اس کی وجہ سے اس کا باپ مارا گیا ہے؟ اگر وہ پہلے ہی دن کامران شاہ کو گولی سے اڑا دیتا تو آج اس کا باپ زندہ رہتا۔

اس کے جسم میں سختی آگئی۔ اس کی انگلیاں بھی سخت ہو گئی تھیں ان انگلیوں میں سگار ٹیڑھا ہو رہا تھا' ٹوٹ رہا تھا' مڑ رہا تھا' مسلا جا رہا تھا وہ اوپر سے سخت ہو رہا تھا' مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ اندر سے تو تعلیم نے اسے مہذب بنا دیا تھا۔ وہ اسی طرح اضطراب میں مبتلا ہو سکتا تھا لیکن عقل کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتا تھا۔

☆======☆======☆

سورج نکل رہا تھا۔ شاہینہ چٹان پر سونے کی عادی تھی۔ سورج نکلنے سے پہلے ہی وہ بیدار ہو جاتی تھی۔ پھر سب سے پہلے دور دور تک دیکھتی تھی کہ کوئی رائفل بردار نہ آ رہا ہو۔ جب اس نے اٹھ کر دیکھا تو شاید وہ چونک گئی ہو۔ کیونکہ اس کی توقع کے خلاف کچھ رائفل بردار نظر آ رہے تھے۔ پہلے ایک رائفل والے کو دور سے ایک جگہ دیکھ کر وہ غصے میں آئی۔ وہ چاہتی ہی تھی کہ پرواز کرے اور اس پر جھپٹ پڑے لیکن دوسری جگہ اور دو ہتھیار والے نظر آئے۔ پھر تو جیسے جیسے سورج کی روشنی پھیلتی گئی' دور دور تک کوئی رائفل لئے ہوئے' کوئی ریوالور لئے ہوئے نظر آنے لگا۔ اب اس کی سمجھ میں آ گیا کہ اسے نشانہ بنایا جانے والا ہے۔

یہ خواب ہے یا حقیقت! کیا یہ اتنی زہریلی سچائی ہے کہ اس نے یہاں بسنے والوں کو بندوق کی گولیوں سے اب تک محفوظ رکھا اور یہی لوگ اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کرنے والے تھے۔ اس نے چٹان کی بلندی سے دیکھا۔ کچھ لوگ ان ہتھیار والوں پر اعتراض کر رہے تھے' انہیں منع کر رہے تھے' انسانیت کا واسطہ دے کر حیوانیت سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کی پوزیشن یہ تھی کہ اس بلند چٹان کے بہت نیچے وہ چاروں طرف اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے اور ہتھیار اٹھائے ہوئے شاہینہ کا نشانہ

باندھ رہے تھے۔ اعتراض کرنے والوں میں کامران شاہ بھی تھا اور دلیر خان بھی۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی لوگ تھے۔ شیر خان وہاں موجود تھا۔ اس کھڑکی سے اس کھلی جگہ کا منظر دیکھ رہا تھا۔ سب لوگ اس کی نظروں میں تھے۔ وہ کامران شاہ کو بھی دیکھ رہا تھا۔

وہ ہاتھ میں ریوالور لئے اندازہ کر رہا تھا کہ کامران شاہ اس کی شوٹنگ رینج میں ہے یا نہیں؟ وہاں اب تب میں فائرنگ ہونے ہی والی تھی۔ شاہینہ کی لاش چٹان کی بلندیوں سے گرنے والی تھی۔ اسی وقت شیر خان نے اپنے طور پر صحیح نشانہ لیتے ہوئے گولی چلادی۔ اِدھر ٹھائیں کی آواز آئی اُدھر کامران شاہ تڑپ کر گر پڑا۔

بچہ شاہ کی بستی میں تقریباً تین برس کے بعد گولی چلنے کی آواز پہلی بار سنائی دی تھی۔ شاہینہ نے اپنے پر پھڑپھڑائے اور چٹان سے بلند ہوگئی۔ اسی وقت ٹھائیں ٹھائیں کی آواز کے ساتھ چاروں طرف سے فائرنگ ہونے لگی لیکن فائرنگ کرنے والے ذرا دیر کرگئے تھے۔ اتنی دیر میں شاہینہ پلٹ کر پیچھے ایک غار کے اندر چلی گئی تھی۔

پرندوں کے احساسات اور جذبات کو سمجھنے والے ماہرین کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت شاہینہ حیران و پریشان ہوگئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کس پر حملہ کروں' کس کی بوٹی نوچ کرلے جائے؟ کس کو اپنے غصے اور جنون سے سمجھا جائے کہ "بے وقوفو! تم لوگوں نے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ تین برس کے امن و امان کو غارت کر دیا ہے۔ اب تم نتیجہ بھگتو گے' اب ہتھیار آئے ہیں تو قانون بھی آئے گا۔ انتقام لینے والے دشمن بھی آئیں گے۔ اب تمہارے سہمے سہمے رہنے کی باری ہے۔ تم اپنے سرہانے بندوقیں رکھ کر سونا چاہو گے مگر تمہیں نیند نہیں آئے گی۔"

کامران کو زمین پر گرتے دیکھ کر دلیر خان چونک گیا' وہ دوڑتا ہوا آیا۔ پھر کامران کے قریب پہنچ کر اسے زمین پر سے اٹھانے لگا۔ ایسے وقت جب گولیاں چلتی ہوں' کوئی زخمی کے قریب بھی جانے کی جرأت نہیں کرتا۔ یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں سے دوسری گولی آکر ہمدردی کرنے والے کو نہ چاٹ جائے لیکن دلیر خان جب اس زخمی کے پاس پہنچا تو سب ہی ایک ایک کرکے اُدھر جانے لگے۔ کامران شاہ کو زیادہ گہرا زخم نہیں آیا تھا' گولی اس کی پسلی کو چھوتے ہوئے گزر گئی تھی اور وہ احتیاطاً تڑپتا

ہوا زمین پر گر پڑا تھا تاکہ دوسری فائرنگ سے محفوظ رہے۔

دلیر خان نے کہا۔ "شاہ خاناں! میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے تم پر گولی نہیں چلائی۔"

کامران شاہ نے تائید میں سرہلا کر کہا۔ "میں جانتا ہوں تم زبان کے دھنی ہو۔ تم مجھ پر یوں گولی نہیں چلاؤ گے۔ مجھ پر یا تو تمہارے بھائی شیر خان نے گولی چلائی ہے یا پھر وہ قاتل مجھے ختم کرنا چاہتا ہے۔"

"تمہیں معمولی سی مرہم پٹی کی ضرورت ہے۔ یہ لوگ تمہیں ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیں گے۔ میں جاکر معلوم کرتا ہوں کہ کس کم بخت نے یہ حرکت کی ہے جبکہ میں نے تمہیں ایک ہفتے کی مہلت دی ہوئی ہے!"

وہ وہاں سے اٹھ کر جانے لگا۔ شیر خان اوپری منزل کی کھڑکی پر کھڑا ہوا اس بات پر افسوس کر رہا تھا کہ اسے دوسری بار گولی چلانے کا موقع نہیں ملا۔ ایک تو دلیر خان دوڑتا ہوا چلا آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں کی بھیڑ کامران شاہ کے آس پاس لگ گئی تھی۔ گولی چلانے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

وہ اوپری منزل سے اتر کر نیچے آگیا۔ پھر اس میدانی علاقے کی طرف جانے لگا جہاں ہتھیار لئے ہوئے لوگ اس غار کی بلندی کو دیکھ رہے تھے جہاں شاہینہ جاکر چھپ گئی تھی۔ ایک کہہ رہا تھا۔ "ہمیں اوپر چڑھنا چاہئے۔ اس چٹان پر پہنچ کر غار کے اندر جاکر اسے ہلاک کر دینا چاہئے۔"

لیکن کوئی پہلے جانے کی جرأت نہیں کر رہا تھا۔ اِدھر شیر خان اس میدانی علاقے میں پہنچا تو اس سے پہلے ہی لوگ کامران شاہ کو سہارا دے کر کسی ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔ شیر خان وہیں کھڑے رہ کر پہاڑ کی بلندی پر اس غار کی طرف دیکھنے لگا۔ اب دو آدمی حوصلہ کرکے اوپر کی طرف چڑھتے ہوئے جا رہے تھے۔ غار کے قریب پہنچ کر وہ فائرنگ کرنے لگے۔ شاہینہ کی دہشت اتنی بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ غار کے اندر جاکر اسے گولی مارنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے باہر ہی سے فائرنگ کرکے اسے باہر نکالنا چاہتے تھے۔

نیچے کھڑے ہوئے لوگوں نے انہیں جوش دلایا کہ وہ غار کے اندر جائیں اوپر

سے ایک شخص نے کہا۔ "جسے حوصلہ ہے وہ یہاں آکر اس کے اندر جائے۔ یہاں تو اس غار کی گہرائی کا کچھ اندازہ نہیں معلوم ہوتا۔ پتہ نہیں ہم اندر جاکر اندھیرے میں کہاں اسے تلاش کریں گے وہ ہمیں دیکھ لے گی اور ہم پر جھپٹ پڑے گی۔ ہم تاریکی میں اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے۔"

پہاڑی کے دامن سے ایک رائفل والے نے کہا۔ "تم دونوں نیچے اتر آؤ۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ سالی کب تک غار کے اندر بھوکی پیاسی رہے گی۔ اسے کچھ کھانے پینے کے لئے باہر نکلنا ہی پڑے گا۔ اسی وقت ہم اسے شکار کریں گے۔"

اسی وقت لبنیٰ کی چیخیں سنائی دیں۔ وہ دوڑتی ہوئی آرہی تھی اور کامران شاہ کو پکار رہی تھی۔ اسے کسی نے بتایا تھا کہ اس کے شوہر کو گولی ماردی گئی ہے۔ وہ بچے کو سینے سے لگائے دونوں بازوؤں میں چھپائے دوڑتے ہوئے چیختے ہوئے فریاد کرتے ہوئے اسی میدانی علاقے میں پہنچ گئی۔

شیر خان نے اس کی چیخ وپکار سے اندازہ لگایا کہ وہ کامران شاہ کی بیوی ہے اور اس کی گود میں اسی دشمن کا بچہ ہے۔ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے اس کی طرف ریوالور تان کر بولا۔ "اچھا تو تم ہی کامران شاہ کی بیوی ہو اور یہ بچہ اس خنزیر کا ہے۔"

لبنیٰ اسے ریوالور کے ساتھ دیکھتے ہوئے ٹھٹک گئی تھی۔ پھر اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "اچھا! تو تم نے ہی میرے شوہر کو گولی ماری ہے۔ بتاؤ وہ کہاں ہیں؟ اگر وہ زندہ ہیں تو مجھے ان کے پاس لے چلو۔"

وہ سفاکی سے ہنستے ہوئے بولا۔ "میں ایک گولی مار کر پہلے تمہارے بچے کو اس کے پاس پہنچاؤں گا۔ پھر تم چاہو گی تو دوسری گولی سے تمہارے شوہر تک تمہیں بھی پہنچایا جاسکتا ہے۔"

دور کسی نے کہا۔ "تم یہ کوئی دلیری نہیں دکھا رہے ہو۔ ایک عورت اور اس کے بچے پر گولی چلانے کی دھمکی نہ دو۔"

شیر خان نے للکارتے ہوئے کہا۔ "دیکھو لوگو! تم لوگوں میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو آزاد علاقے سے آئے ہیں اور آزاد علاقے کا دستور جانتے ہیں کہ دو دشمن یا دشمنوں کے خاندان جب آپس میں ٹکراتے ہیں تو کوئی تیسرا ان کے درمیان

نہیں بولتا ہے۔"

وہ چاروں طرف گھومتے ہوئے وہاں کے لوگوں سے کہنے لگا۔ "دیکھو لوگو! یہ میرا اور کامران شاہ کا خاندانی جھگڑا ہے جو نہ جانے کتنے برسوں سے چلا آرہا ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد اس جھگڑے کو ختم نہ کرسکے۔ یہ جھگڑا ہم آج ہی ختم کردیں گے۔ میں آپ لوگوں سے آخری بار کہتا ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی نہ آئے۔ اگر کوئی آئے گا تو میں اس سے پہلے ہی اس بچے کو گولی ماردوں گا۔"

وہ پھر بچے کی طرف نشانہ لیتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں اس شرط پر اسے چھوڑوں گا۔ اگر اس کا باپ ابھی میرے سامنے آجائے۔"

پھر وہ چیخ چیخ کر کامران شاہ کو آوازیں دینے لگا۔ لبنیٰ نے کہا۔ "لوگو! یہ تم لوگوں نے کیا کیا؟ ہتھیار اس بستی میں کیوں لے آئے؟ دیکھو' اب تمہاری مائیں بہنیں اور بیٹیاں اس طرح گولیوں کا نشانہ بنیں گی۔ تمہارے ننھے ننھے بچے بھی ان ہتھیاروں سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ یہ سب بہانے ہیں کہ ہتھیار حفاظت کرتے ہیں۔ کبھی نہیں آج تک کسی ہتھیار نے کسی کی حفاظت نہیں کی۔ اگر ایک کی حفاظت کی ہے تو دوسرے کو ہلاک کردیا۔ اتنی سی بات آج تک تم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ تم نے اس ماتا کی ماری کو بھی غار میں چھپنے پر مجبور کردیا' اس کی جان کے بھی دشمن بن گئے۔ تم کیسے لوگ ہو؟"

شیر خان نے چیخ کر کہا۔ "کامران شاہ! میں تین تک گنتا ہوں اگر تم نہ آئے تو اپنے بچے کو زندہ نہیں پاؤ گے' کامران شاہ..........ایک.........."

یہ کہہ کر اس نے پھر بچے کی طرف نشانہ لیا لبنیٰ فوراً ہی ریوالور کی طرف سے گھوم گئی۔ اپنی پیٹھ اس کی طرح کرلی' بچے کو سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ بچہ اب رو رہا تھا۔ شیر خان دوڑتے ہوئے اور اپنی پوزیشن بدلتے ہوئے لبنیٰ کے سامنے آکر پھر بچے کو نشانے پر رکھتے ہوئے بولا۔ "کامران شاہ! دو.........."

لبنیٰ پھر اس کی طرف سے پلٹ کر اپنے بچے کو بانہوں میں چھپاتے ہوئے دوسری طرف گھوم گئی۔ شیر خان پھر دوڑتے ہوئے لبنیٰ کے سامنے آگیا اور بولا۔ "کامران شاہ.........."

وہ تین نہ بول سکا۔ اچانک ہی پہاڑی سے شاہینہ کی چیخ سنائی دی۔ سب لوگ اُدھر دیکھنے لگے۔ اسے دیکھ کر پتہ چلا کہ غار کا دوسرا سرا پہاڑ کے دوسری طرف ہے۔ جہاں سے وہ نکل کر پھر پہاڑی کے اوپر آ بیٹھی تھی اور وہاں سے لبنیٰ اور اس کے بچے کو دیکھ رہی تھی۔

شیر خان کے تین کہنے سے پہلے ہی اس نے پہاڑی کی بلندی سے پرواز کی۔ چیختے ہوئے شیر خان کی طرف آنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے ٹھائیں ٹھائیں کی آوازیں گونجنے لگیں اس پر گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ وہ کبھی دائیں طرف، کبھی بائیں طرف مڑتی تھی، پرواز کرتی ہوئی، اپنے آپ کو گولیوں کی زد سے بچاتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ پھر اچانک ہی پرواز تھم گئی۔ ایک گولی آ کر لگی تھی۔ وہ پھڑپھڑا کر زمین پر آ گری۔ شیر خان نے قہقہہ لگایا۔ یہاں سے وہاں تک کتنے ہی قہقہے گونجنے لگے۔ لوگ محبت کو گولی مار کر بہت خوش ہوتے ہیں۔

ان کے قہقہوں کے دوران ہی شاہینہ پھڑپھڑائی، بند ہونے والی آنکھوں سے اس نے شیر خان کو دیکھا۔ پھر اپنی زندگی کی آخری تمام قوتوں کو سمیٹ کر اس نے پرواز کی۔ اس کے چاروں طرف بندوقیں تھیں۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کس بندوق والے پر حملہ کرے گی۔ اتنی بھیڑ میں ایک شیر خان ہی ایسا تھا جو ننھے سے بچے پر گولی چلانا چاہتا تھا۔ یقیناً شاہینہ کی آنکھوں کے سامنے اس کا اپنا بچہ تھا۔ وہ زخمی ماں چیختی، چنگھاڑتی ہوئی اور پرواز کرتی ہوئی سیدھی شیر خان کی طرف آئی۔ شیر خان نے فوراً ہی گولی داغ دی۔ وہ پھر ایک بار پھڑپھڑائی لیکن گرنے سے پہلے شیر خان کے ایک شانے کو نوچ لیا اس کے بعد زمین بوس ہو گئی۔

شیر خان ایک دم سے بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس نے پھر فائر کرنا چاہا لیکن ریوالور خالی ہو گیا تھا کیونکہ جب شاہینہ دور سے پرواز کرتی آ رہی تھی تو اس نے دوسروں کے ساتھ خود بھی فائرنگ کی تھی اور فائرنگ کے دوران وہ کتنی گولیاں چلا چکا ہے، اس کا حساب اس نے نہیں رکھا تھا۔ ریوالور کو خالی دیکھ کر وہ ایک دم سے گھبرایا اور وہاں سے پلٹ کر بھاگتا چلا گیا۔

لبنیٰ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ شاہینہ کے سامنے دو زانو

ہو گئی۔ وہ بے زبان زمین پر پڑی ہوئی تھی، لہو سے بھیگ رہی تھی۔ اس نے اپنے بچے کو ایک ہاتھ سے سنبھالتے ہوئے دوسرے کانپتے ہوئے ہاتھ کو آگے بڑھایا، پھر شاہینہ کو چھو کر دیکھا۔ وہ ساکت ہو چکی تھی۔ اب اس میں جان نہیں رہی تھی۔ اس نے ممتا کا آخری فرض ادا کر دیا تھا۔ لبنیٰ ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

تب ہی اس بوڑھی دائی نے لبنیٰ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹی! یہاں نہ بیٹھو، وہ دشمن پھر آ جائے گا۔ تمہارا شوہر زندہ ہے۔ ایک ڈاکٹر اس کی مرہم پٹی کر رہا ہے۔ تم یہاں سے چلو۔"

وہ بوڑھی عورت لبنیٰ کو وہاں سے لے گئی۔ دوسری طرف شیر خان بدحواسی میں بھاگتا جا رہا تھا۔ اس کے دل و دماغ پر شاہینہ کی دہشت طاری تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ابھی وہ زمین پر سے اٹھ کر پرواز کرتے ہوئے اس کے پیچھے چلی آ رہی ہے۔ ایک گلی سے دوسری گلی اور دوسری گلی سے تیسری گلی طے کرنے کے بعد وہ ایک دکان میں گھس گیا اور دروازے سے جھانک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تب اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ وہ بزدلوں کی طرح بھاگتا چلا آیا ہے۔

لیکن وہ بھی کیا کرتا؟ شاہینہ نے دہشت اس طرح طاری کی تھی کہ اس کے شانے سے گوشت کی چھوٹی سی بوٹی نوچ لی تھی۔ ایسے میں وہ یہی سوچتا کہ دوسری بار حملہ کر کے وہ اس کے چہرے سے بوٹیاں نوچ لے گی یا پھر اس کی آنکھیں نکال کر لے جائے گی۔ اسی بات سے وہ اتنی دور بھاگتا چلا آیا تھا۔ تب اسے خیال آیا کہ کارتوس کی پٹی تو اس کے دوسرے شانے سے لٹک رہی ہے۔ اسے بھاگنے کے دوران اپنے ریوالور کے چیمبر کو بھر لینا چاہئے تھا بہرحال اب وہ کارتوس نکال کر ریوالور کو بھرنے لگا۔ اسی وقت گبرو اور جھپرو اسے تلاش کرتے ہوئے آ گئے۔ اس نے پوچھا۔ "تم دونوں کہاں رہ گئے تھے؟"

ان میں سے ایک نے کہا۔ "یہاں بستی میں ایسے ہنگامے ہو رہے ہیں کہ ہم بچتے بچاتے یہاں تک پہنچے ہیں۔ جہاں دیکھو فائرنگ ہو رہی ہے۔ لوگوں کو ہتھیار ملتے ہی ایک دوسرے کا خون بہانے کا موقع مل گیا ہے۔ پرانی دشمنیاں تازہ ہو گئی ہیں۔"

شیر خان نے کہا۔ "فضول باتیں نہ کرو۔ مجھے اپنے دشمن کی تلاش ہے۔ کیا تم

نے کامران شاہ کو دیکھا ہے۔"

گبرو نے کہا۔ "شیر خان! تم نے تو ابھی تک کامران شاہ کی صورت ہمیں نہیں دکھائی۔ ہم اسے کیسے پہچانیں گے؟"

"پہچاننا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ وہ میری گولی سے زخمی ہو چکا ہے۔ کسی ڈاکٹر نے اس کی مرہم پٹی کی ہے۔ کسی بھی ڈاکٹر کے ہاں جا کر معلوم کرو۔ پتہ چل جائے گا کہ وہ کہاں زخمی پڑا ہے۔"

جھپرو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یہاں زخمیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ لاشوں کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

شیر خان نے وہاں سے چلتے ہوئے کہا۔ "میں بڑے خان صاحب کے کمرے میں تم لوگوں سے ملوں گا۔ کسی طرح کامران شاہ کا پتہ ابھی چلا کر آؤ۔"

وہ چلا گیا۔ گبرو اور جھپرو دوسری طرف نکل گئے۔ انہوں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ہتھیار لوگوں کو مل گئے تھے۔ وہ بے چاری شاہینہ ماتا کی ماری جس نے تقریباً تین برس تک انسانیت اور شرافت کا درس دیا تھا۔ وہ اب خاک میں مل گئی تھی۔ اب بستی کے لوگ ایک دوسرے کو خاک میں ملا رہے تھے۔

دلیر خان اپنی رہائش گاہ کے اوپری کمرے میں سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ دور دور سے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ اس نے سوچا تھا کہ بچہ شاہ کی بستی ایک ایسی جگہ ہوگی۔ جہاں کامران شاہ سے سہولت سے باتیں کر سکے گا۔ اگر وہ اس کے باپ کا قاتل ثابت ہوا تو انتقام لے سکے گا۔ ورنہ پھر دونوں اپنے وعدے کے مطابق خاندانی دشمنی کو ہمیشہ کے لئے بھلا کر نئی دوستی کا آغاز کریں گے لیکن یہاں تو پانسہ پلٹ گیا تھا۔ معلوم ہوتا تھا لوگ پچھلے تین برسوں سے اندر ہی اندر اس بات پر پک رہے تھے کہ ان کے پاس ہتھیار کیوں نہیں ہیں۔ ہتھیار اسمگل ہو رہے تھے اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔

لیکن انتقام والی بات اٹک کر رہ گئی تھی۔ اسے اپنے دشمن کامران شاہ کی سچائی کا یقین تھا۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ قاتل کوئی اور تھا لیکن کون تھا یہ کیسے پتہ چلے گا کہ اس کے باپ کو کس نے قتل کیا ہے؟ کون ہے وہ قاتل؟

اس نے آہستگی سے سر اٹھایا تو سامنے دروازے پر شیر خان کھڑا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور ریوالور کی نال دلیر خان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ اس کے شانے سے لہو بہتے دیکھ کر دلیر خان نے پوچھا۔ "کیا کامران شاہ نے تمہیں زخمی کیا ہے؟"

وہ غصے سے بولا۔ "اس کی کیا مجال ہے کہ وہ مجھ پر گولی بھی چلا سکے۔ میں اس کا خاتمہ کر دوں گا مگر وہ مجھے نہیں مل رہا ہے۔ میرے آدمی اسے تلاش کرنے گئے ہیں۔ اس کے ملنے تک میں تمہارا ابھی حساب صاف کر دینا چاہتا ہوں۔"

دلیر خان نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"مطلب سمجھاتا ہوں سنو! تم کتابیں پڑھ پڑھ کر یہ بھول گئے کہ سوتیلا آخر سوتیلا ہوتا ہے۔ تم نے کتابوں کے منتر سے بابا کا دل جیت لیا تھا۔ بابا کہتے تھے 'میں بے وقوف ہوں اور تم بہت عقل مند ہو اور چونکہ عقل مند ہو' اس لئے وہ تمہیں شہروں میں ٹرک چلانے کے لئے اور بہت سارے ٹرک خریدنے کے لئے پانچ لاکھ روپے دینا چاہتے تھے اسے میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بے شک وہ میرا بھی باپ تھا لیکن وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ بہت بیمار رہتا تھا۔ اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ وہ صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ یہ زندہ نہیں بچے گا۔ جب مجھے پتہ چل گیا کہ یہ کسی طرح زندہ نہیں رہے گا تو میں ایک دن اسے حکیم صاحب کا علاج کرانے کے بہانے گھر سے باہر لے گیا۔ پھر میں نے بابا کے بیان کے مطابق عمل کیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ گھوڑا جب بوڑھا ہو جائے' بیمار ہو جائے' کسی کام کا نہ رہے تو اسے گولی مار دینا چاہئے۔ لہٰذا میں نے انہیں گولی مار دی اور اس کا الزام کامران شاہ کے سر پر رکھ دیا۔"

یہ سنتے ہی دلیر خان اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف جا رہا تھا۔ تب ہی ٹھائیں سے گولی چلی اور دلیر خان کے دائیں شانے کو چھیدتی ہوئی نکل گئی۔ وہ کراہتے ہوئے دائیں شانے کو تھام کر پھر کرسی پر گر پڑا۔ شیر خان نے کہا۔ "میں جانتا ہوں۔ تمہاری جیب میں وہ خطرناک سگار موجود رہتا ہے' جس کے ذریعے تم ابھی مجھ پر فائر کر سکتے تھے۔ میں تمہیں اس بات کا موقع نہیں دوں گا لیکن تمہیں مارنے سے پہلے

یہ بتادوں کہ ماں مجھے باپ کا قاتل نہیں سمجھتی ہے۔ میں نے اس سے بھی یہ بات چھپائی ہے۔ بے شک وہ میری سگی ماں ہے۔ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے لیکن وہ شوہر پرست بھی ہے میرے اس جرم کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اب یہاں سے جانے کے بعد میں بتاؤں گا کہ کامران شاہ نے تمہیں قتل کردیا اور میں نے کامران شاہ کو ٹھکانے لگادیا۔ اس طرح خاندانی انتقام کی آگ جو صدیوں سے چلی آرہی ہے وہ بجھ چکی ہے۔ دشمن کا کوئی فرد زندہ نہیں ہے۔"

بہت قریب سے کامران شاہ کی آواز سنائی دی۔ "بے شک دشمنوں کو زندہ رہنا بھی نہیں چاہئے۔"

شیر خان ایک دم سے اچھل پڑا۔ اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت فائرنگ ہوئی۔ شیر خان کے ہاتھ سے ریوالور گر پڑا۔ کامران شاہ نے دروازے کے اندر قدم رکھتے ہوئے کہا۔ "دشمنوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ فیصلہ ہوجائے کہ دشمن کون ہے۔ میں ہوں' دلیر خاناں ہے یا تم ہو شیر خان؟ تم نے اور تم جیسے لوگوں نے خاندانی دشمنی کو ہوا دی ہے۔ یہ آگ بھڑکاتے آرہے ہیں جس کے نتیجے میں یہ دشمنی کبھی ختم نہ ہوسکی۔ ہم نے سوچا تھا کہ بچہ شاہ بستی میں امن و امان ہوگا۔ دشمن یہاں ختم ہوجائے گا لیکن یہاں بھی ہتھیاروں کو عام کردیا گیا ہے۔ بے چارہ ایک امن پسند پرندہ بھی مارا گیا۔ دشمن تم ہو اور تمہیں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے شیر خان کو گولی ماردی۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا دلیر خان کے پاس آیا۔ اسے سہارا دے کر اٹھاتے ہوئے بولا۔ "آؤ ڈاکٹر کے پاس چلیں۔ جب تمہاری مرہم پٹی ہوجائے تو پھر اس نتیجے پر پہنچنا کہ میں نے تمہارے بھائی کو قتل کرکے خاندانی دشمنی کو ہوا دی ہے یا تمہارے باپ کے قاتل کو قتل کرکے اس دشمنی کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا ہے۔ آؤ پہلے ہم زخم پر مرہم رکھنا سیکھیں۔"

☆------ختم شد------☆